ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

حجاب

کراچی

ماہنامہ
حجاب
کراچی

بیاد — زیب النساء
فرحت آراء

مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی

مدیرہ — قیصر آراء

نائب مدیرہ — سعیدہ نثار

معاون مدیر — ندا رضوان / عثمان عبداللہ

گروپ ایڈیٹر — طاہر احمد قریشی

جلد	04
شمارہ	01
نومبر	2018

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 10
حمد — جاوید رسول — 11
نعت — احمد ندیم قاسمی — 11

ملاقات

ماورا طلحہ — ایڈمن پینل — 12

سحر نو کے قافلے

سالگرہ سروے — نداء رضوان — 19

سلسلہ وار ناول

عشق دی بازی — ریحانہ آفتاب — 78
عشق نگر کے مسافر — ندا حسنین — 136

مکمل ناول

چلو ہم معتبر ٹھہرے — نزہت جبین ضیاء — 48
سگ لیلیٰ — سباس گل — 112

ناولٹ

آٹے کی چڑیا — یاسمین نشاط — 24
دیے جلنے لگے — صباحت رفیق چیمہ — 170

افسانے

ڈرائنگ روم پریڈ — صدف آصف — 40
کفارہ — نادیہ احمد — 102
ہیں کواکب کچھ — زونا حرم — 162
روزن — کائنات غزل — 190
چیونٹی — معافیہ شیخ — 192

آرٹیکل

صاحب علم — حرا قریشی — 195

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی آفس کا پتا: 7 قدیر چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: نیلم منیر ..... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

جیسا میں نے دیکھا	رفاقت جاوید	198	حسن خیال	جوہی احمد	211
بزم سخن	سمیّہ عثمان	200	ہومیو کارنر	طلعت نظامی	221
کچن کارنر	زہرہ جبین	202	دوست کا پیغام آئے	ملیحہ احمد	223
عالم میں انتخاب	محمد فیصل گدی	205	ٹوٹکے	خدیجہ احمد	225
شوخیٔ تحریر	ہما ذوالفقار	208	کترنیں	ادارہ	000

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نومبر ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

الحمدللہ حجاب نے اپنی اشاعت کے تین سال مکمل کر لیے اور بے شک اس نئے پرچے کو اس مقام تک پہنچانے میں ہماری لکھاری بہنوں اور قارئین نے بھرپور ساتھ دیا۔ پلٹ کر دیکھیں تو ابھی کل کی سی بات لگتی ہے جب آپ اور ہم مل کر ایک نئے پرچے کے لیے مشاورت کر رہے تھے اور آج تین سال کا عرصہ گزر گیا، وقت دبے پاؤں کیسے سرک جاتا ہے کچھ خبر ہی نہیں ہوتی۔

دیکھا جائے تو یہی حال ہماری بھاگتی دوڑتی زندگی کا ہے جو اس تیزی سے گزر رہی ہے جیسے بند مٹھی سے ریت پھسل جاتی ہے۔ بے شک گردش لیل ونہار وہی ہے' گردش ماہ وسال وہی ہے لیکن ہر کوئی اس قدر مصروف ہے کہ وقت کی کمی کا شکار نظر آتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اے کاش ہم اپنی زندگی کے اصل مصرف ومقصد کو پہچان سکیں۔ جس مقصد کے لیے ہمارے رب نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا ہے، اسے کامیابی کے ساتھ حاصل کر لیں اور اس امتحان گاہ سے لوٹتے وقت مطمئن ہوں تاکہ بروز حشر اللہ سبحان وتعالیٰ اور پیارے رسول ﷺ کے سامنے شرمندگی نہ ہو، آمین۔

حجاب کا سفر بھی کامیابی سے جاری وساری ہے اور امید ہے اس سفر میں ہمارے لکھاری اور قارئین کا بھرپور تعاون ہمیں حاصل رہے گا۔ اس نوخیز پودے کی آبیاری میں مدیر اعلیٰ مشتاق احمد قریشی کی کاوشوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بے شک جس خلوص اور لگن سے اس پودے کو سینچا گیا وہ دن دور نہیں کہ بہت جلد یہ سایہ دار شجر بن کر سب کے سامنے آئے گا اور آج بھی جو بہار ہے وہ سب ان ہی کی کوششوں کی مرہون منت ہے۔

ہماری اکثر قارئین سلسلوں میں شمولیت کے لیے ہم سے اجازت مانگتی ہیں یہ تمام سلسلے آپ بہنوں کی شمولیت کے لیے ہی شروع کیے جاتے ہیں اور آپ کی ارسال کردہ نگارشات سے ترتیب دیے جاتے ہیں۔

بہت سے نئے سلسلے آپ بہنوں کی فرمائش پر شروع کیے گئے ہیں اب یہ آپ کو کیسے لگتے ہیں اور مزید سلسلوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ہمیں ضرور اپنے تبصروں کے ذریعے آگاہ کریں۔

حجاب کی سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد اللہ آپ سب کو شاد وآباد رکھے۔

اس ماہ کے ستارے۔

یاسمین نشاط، صدف آصف، نزہت جبین ضیاء، نادیہ احمد، سباس گل، زونا حرم، صباحت رفیق چیمہ، کائنات غزل، معافیہ شیخ، حرا قریشی۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

وہ ذات اقدس جو رونق منزل نما ہے وہی خدا ہے
وہ پاک ہستی جو میری سوچوں سے ماورا ہے وہی خدا ہے
وجود ہے بے مثال جس کا یہ بزم کن ہے کمال جس کا
جو اس کا سارا نظام تنہا چلا رہا ہے وہی خدا ہے
چمن، دمن، پھول، پھل، شجر کیا، شفق، دھنک، چاندنی، گہر کیا
جو شان اپنی ہر ایک شے میں دکھا رہا ہے وہی خدا ہے
جو میری شہ رگ کے بھی قریں ہے، جو میری نس نس میں جاگزیں ہے
جو ہر گھڑی میرے ساتھ رہتے ہوئے جدا ہے وہی خدا ہے
جسے علیم و خبیر کہیے، جسے سمیع و بصیر کہیے
جو سب کی حالت کو دیکھتا اور جانتا ہے وہی خدا ہے

جاوید رسول جوہر

نعت

میں کہ بے وقعت و بے مایہ ہوں
تیری چوکھٹ پہ چلا آیا ہوں
آج میں ہوں ترا دلپذیر نشیں
آج میں عرش کا ہم پایہ ہوں
چند لمحے تری قربت میں کٹے
جیسے اک عمر گزار آیا ہوں
تیرا پیکر ہے کہ ہے ہالۂ نور
جالیوں سے تجھے دیکھ آیا ہوں
یہ کہیں خامیٔ ایماں ہی نہ ہو
میں مدینے سے پلٹ آیا ہوں

احمد ندیم قاسمی

ملاقات

ایڈمن پینل

ماورا طلحہ

اس بار جس ایڈمن کو انٹرویو کے لیے منتخب کیا ہے وہ ہماری نٹ کھٹ سی اور نئی نویلی اپنے میاں کو پیاری ہوئی ماورا ہیں۔

ماورا بشارت چیمہ ۱۴ اگست ۱۹۹۴ کو وزیر آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئیں لیکن ان کا زیادہ وقت گجرات میں گزرا۔ ماورا طلحہ کی تعلیم گریجویشن ہے۔

ہمارے کئی ایڈمنز کی طرح ماورا بھی صرف ایڈمن نہیں ہیں بلکہ ایک اچھی اور ابھرتی ہوئی لکھاری بھی ہیں۔ جن کی تحریروں کو قارئین کی جانب سے بھرپور پزیرائی ملتی ہے۔

ماورا نے چونکہ نکاح کے بعد باقاعدہ لکھنا شروع کیا اسی لیے ماورا طلحہ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

ماورا نے ۲۰۱۶ میں لکھنا شروع کیا اور اب تک تقریباً بیس تحاریر شائع ہو چکی ہیں۔ یہ ماورا کا مختصر تعارف تھا۔ آیئے اب انٹرویو کی طرف چلتے ہیں۔

ثمرینہ سحر

س: ماورا' آپ کی نظر میں دوست کیا ہے اور دوستی کی اہمیت کیا ہے اگر آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے تو کیا جواب ہوگا؟

ج: دوست صرف دوست ہوتا ہے۔ وہ بھی انسان ہے ہر وقت ''جی جی'' نہیں کر سکتا۔ اس سے ہفتوں بات نہ ہو لیکن جب ہو تو دل میں سکون اتر جائے۔ دوستی کا رشتہ شکوک و شبہات سے بہت پرے ہے، یقین اور اعتماد کا ہے۔ میں دوستی سے بڑھائے گئے ہاتھ کو کبھی رد نہیں کرتی۔

س: آپ کی ایک اچھی اور ایک بری عادت؟

ج: اچھی عادت تو دوسرے بہتر بتا سکتے ہیں البتہ بری عادتیں بہت ہیں کس کس کا ذکر کروں۔ سست بہت زیادہ ہوں، رات کو جاگنا، خود سے لاپروا رہنا اور نہ جانے کیا کیا.....

س: کس معاشرتی رویے کو ناپسند کرتی ہیں؟

ج: اپنے سے کمتر کو انسان نہ سمجھنا اور خود غرور تکبر میں رہنا' یقین کریں بگاڑ پیدا ہی یہاں سے ہوتا ہے۔

سباس گل

س: ماورا رائٹر بن کر کیسا محسوس ہو رہا ہے؟

ج: رائٹر بن کے اچھا محسوس ہو رہا ہے لیکن جب انتظار کی کوفت سے گزرنا پڑتا ہے تو دل برا ہوتا ہے اور اتنے انتظار کے بعد بھی جب یہ سننے کو ملے کہ ادارہ ان سے امتیازی سلوک کرتا ہے تو لکھنے سے دل اُچاٹ ہو جاتا ہے لیکن قارئین کی محبت میں ایسا جادو ہے کہ ہر بات بھول کر پھر سے لکھنے کی لگن پیدا ہونے لگتی ہے۔ آپ کہہ سکتی ہیں ''کبھی خوشی کبھی غم'' والا حال ہے۔

س: آپ کے خیال میں کیا لکھنا آسان کام ہے؟

ج: جب لفظ دل و دماغ کو معطر کر رہے ہوں تو لکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے لیکن جب زبردستی کرداروں کو گھسیٹنا پڑے تو اس سے مشکل کوئی کام نہیں۔ کردار ہنستے ہیں تو لکھاری ہنستا ہے اگر کردار روتے ہیں تو لکھنے والا روتا ہے۔ اس لیے میں یہ ہی کہوں گی کہ یہ حساس لوگوں کا کام ہے اور ایسے لوگ کب آسانیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

عنایہ گل

س: زندگی میں کوئی خواہش جس کے پورا ہونے کا

بے صبری سے انتظار ہے؟

ج: الحمدللہ ہر خواہش پوری ہوئی۔ تین ماہ پہلے عمرہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اب اگر کوئی خواہش ہے تو یہ کہ حج کی توفیق نصیب ہو اور اپنا لکھا کتابی شکل میں دیکھنا چاہتی ہوں۔

س: محبت ایک بہت ہی پاکیزہ جذبہ ہے اس حوالے سے کیا کہنا چاہیں گی بحیثیت رائٹر؟

ج: محبت پر لکھنے والوں نے کتابیں لکھ ڈالیں مگر محبت کی تشریح پھر بھی مکمل نہیں ہوئی۔ یہ جذبہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ میں اس جذبے پہ جتنا بھی لکھوں لوں جو بھی کہہ لوں لیکن پھر بھی اس کا متن بھرپور طریقے سے بیان نہیں کر پاؤں گی۔

س: پسندیدہ شعر

ج: وہ میرے پاس سے گزرے میرا حال تک نہ پوچھا
میں یہ کیسے مان جاؤں وہ دور جا کے روئے

حنا اشرف

س: کس طرح کے لوگ آپ کو پسند ہیں؟

ج: مجھے وہ لوگ پسند ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ جو بظاہر آپ کے ہمدرد اور اندرون خانہ آستین کے سانپ نہ ہوں۔

س: اپنے ہاتھ کی بنی کون سی ڈش بے حد پسند ہے؟

ج: میں کھانے پکانے میں ماہر تو نہیں لیکن الحمدللہ جو پکاتی ہوں سب کو ہی پسند آتا ہے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے پکی چٹ پٹی اور اسپائسی چیزیں زیادہ پسند آتی ہیں۔

س: جب آپ کا دل بہت اداس ہو تو کیا کرتی ہیں کس طرح اداسی ختم ہوتی ہے آپ کی؟

ج: مجھے کچھ دنوں بعد اداسی کا دورہ ضرور پڑتا ہے تو میں کہیں چھپ کے خوب جی بھر کے رو لیتی ہوں اور یوں اداسی کا یہ دورانیہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

زیست فاطمہ عالم

س: آپ کی نظر میں ایک کامیاب انسان کا راز کیا ہے؟

ج: جو جیسا ہے، جس حال میں ہے اس میں مطمئن ہے تو میرے خیال میں وہ کامیاب انسان ہے۔

س: کوئی ایک ایسا کردار یا کہانی جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی آپ نے لکھا ہو؟

ج: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی کردار یا کہانی نہ چاہتے ہوئے بھی لکھی ہو کیونکہ لکھنے کا تعلق دل اور دماغ سے ہوتا ہے تو ایک کردار آپ کو پسند ہی نہیں تو آپ اس پہ کبھی نہیں لکھ سکتے۔

عائشہ تنویر

س: آپ کی پہلی کہانی کب اور کس ڈائجسٹ میں آئی، اس پر گھر والوں کا ردعمل کیسا تھا؟

ج: میرا پہلا افسانہ ''رداڈائجسٹ'' میں ۲۰۱۶ میں شائع ہوا تھا۔ گھر والوں کا کچھ خاص ردعمل نہیں تھا کیونکہ مجھ پر کچھ دن ایک جنون طاری رہتا ہے پھر سب بھول جاتا ہے لیکن اب جو اس سفر کو تین سال ہو گئے تو اب سب خوش ہوتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں، کوئی نہ کوئی نیا موضوع بتاتے ہیں۔

س: اپنے ادبی کیریئر کو آئندہ سالوں میں کہاں دیکھنا چاہتی ہیں؟

ج: میں مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن میری خواہش ہے کہ اچھا لکھوں اور بہت لکھوں۔ سب لکھنے والوں کی طرح میں بھی اپنے لکھے کو کتابی شکل میں دیکھنا چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے ایک دن لکھنے کے حوالے سے میری سب خواہشیں پوری ہوں

گی کیونکہ جب ہم محنت کرتے ہیں تو اس کا صلہ بھی ملتا ہے۔

س: ہم عصر مصنفین میں پسندیدہ کون ہے؟

ج: ہم عصر مصنفین میں بہت سارے نام ہیں جو بہت اچھا لکھتے ہیں۔ ہر کسی میں کوئی نہ کوئی انفرادیت ہوتی ہے جو اسے دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔ کسی کا بیانیہ کا کمال ہوتا ہے اور کوئی منظر نگاری میں یکتا، کوئی زبان و بیاں میں سب سے آگے اور کوئی موضوع کے چناؤ میں دوسرے کو آگے نہیں نکلنے دیتا مثال کے طور پہ مجھے صبا ایشل آپی کی کہانیوں کے موضوعات بہت پسند آتے ہیں، کوثر ناز کے لکھے میں سنجیدگی حیرت زدہ کرتی ہے کہ اتنی کم عمری میں یہ اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہے۔ اگر مزاح کو لیں تو عائشہ تنویر کسی کو آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ ساجدہ غلام محمد کا لکھا بھی پسند آتا ہے۔

کچھ دن پہلے فریال سید کا ''عشق لا'' پڑھنے کا اتفاق ہوا تو ان کے الفاظ کا ردھم، چناؤ اور معلومات کا خزانہ پسند آیا۔

فرح بھٹو، حنا اشرف، ناہید اختر بلوچ کا لکھا بہت پسند آتا ہے۔

حنین شاہ

س: لکھنا کب شروع کیا اور پہلی تحریر کون سی تھی؟

ج: میں نے ۲۰۱۶ میں لکھنا شروع کیا اور پہلی تحریر ''روح کا سودا'' تھی۔

س: کبھی کوئی ایسا موقع جب سوچا ہو کہ اب نہیں لکھنا لیکن پھر کسی بات نے مجبور کیا ہو؟

ج: ایک موقع آیا تھا جب سوچا کہ بس اب نہیں لکھنا لیکن میری فیملی خاص کر بھائی اور شوہر نے بہت سپورٹ کیا تب ہی یہ سلسلہ جاری ہے۔

زارا رضوان

س: اچھا لکھنے کے لئے کیا چیز اہم ہے ماحول، مطالعہ یا پھر خداداد صلاحیت کام آتی ہے؟

ج: اگر خداداد صلاحیت ہو تب بھی سیکھنے کا عمل آپ کی صلاحیتوں کو نکھار بخشنے کے لیے ضروری ہے تو میرے خیال میں مطالعہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

عائزہ خان

س: میں لکھنا چاہتی ہوں لیکن میں جب بھی لکھنے کی کوشش کرتی ہوں جو کچھ بھی ذہن میں ہوتا ہے سب بھول جاتی ہوں۔

ج: اس کے لیے آپ ڈائجسٹ کھولیں اور کسی بھی صفحے کے آغاز سے لکھنا شروع کریں، بالکل ویسے جیسے کسی بھی لکھاری نے لکھا ہے۔ امید ہے اس سے آپ کا ذہن کھلے گا اور ہاتھ میں روانی آئے گی۔

ایمن نور

س: تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آ گیا۔

ماورا جی آپ ہم سے واقف نہیں لیکن ہم آپ سے بذریعہ صفحات اور بذریعہ کتاب سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں اور بہت چاہتے بھی ہیں اللہ آپ کو خوش رکھے۔

ج: میں آپ کی محبت کی قدردان ہوں۔

ثمر فاطمہ

س: آپ کی کہانی کا ایسا کون سا کردار ہے جس میں آپ کی جھلک نظر آتی ہے؟

ج: میری ہر کہانی میں کسی نہ کسی جگہ میری جھلک ضرور ہوتی ہے اور مجھے جاننے والے یہ منٹوں میں پہچان لیتے ہیں۔

س: آپ اپنا فارغ ٹائم کیسے گزارتی ہیں؟

ج: شادی سے پہلے تو مطالعے میں گزرتا تھا۔ اب دیگر گھریلو مصروفیات ہیں اگر پھر بھی وقت بچ جائے تو نیند کی وادی میں اترنا پسند کرتی ہوں۔

س: شادی کے بعد آپ کو خود میں کیا تبدیلی نظر

آئی؟ اور ہم اسٹوڈنٹس کے لیے کوئی پیغام؟

ج: شادی کے بعد کچھ خاص تبدیلی نہیں آئی بس پہلے جو وقت صرف اپنا تھا اس وقت کے کچھ اور حصہ دار آگئے ہیں۔

آج کل مثبت سوچ کی بہت کمی ہے، میرا پیغام یہ ہی ہے کہ مثبت سوچیں اور اپنے اردگرد مثبت رویہ پروان چڑھائیں۔

صبا، معراج

س: السلام علیکم ماورا کیسی ہے آپ؟ کبھی کوئی ایسا موقع جب سوچا ہو کہ اب نہیں لکھنا لیکن پھر کسی بات نے مجبور کیا ہو؟

۲) آپ کا اپنا لکھا کوئی ناول یا کردار جو آپ کے دل کے بہت قریب ہے اور وجہ؟

ج: وعلیکم السلام۔ آپ کے دونوں سوالات کے جوابات اوپر دیے جا چکے ہیں۔

ثمر ملک

س: لکھتے وقت اسٹوری کا انجام ذہن میں رکھتی ہیں یا سچویشن و کردار کے مطابق اینڈ کرتی ہیں؟

ج: میں صرف تھیم سوچتی ہوں کردار اپنا انجام خود کرواتے ہیں۔

س: اسٹوری لکھتے وقت الفاظ و سچویشن کے مطابق آپ کی کیفیات بھی بدلتی رہتی ہیں یا بالکل پرسکون رہتی ہیں؟

ج: میں پرسکون رہ کے نہیں لکھ سکتی، کرداروں کے جذبات میں ایسے ڈھل جاتی ہوں کہ باقاعدہ بول کر لکھتی ہوں جیسے اس کردار کی جگہ میں ہوں۔ میں لکھنے کے ساتھ ہنسنے، رونے کا شغل بھی جاری رکھتی ہوں۔

س: ہر تحریر اپنا پیغام رکھتی ہے، کئی رائٹرز ایک سے زائد مختلف تحاریر میں ایک ہی پیغام دیتے ہیں تو آپ کی تحاریر کا سب سے کامن میسج اب تک کون سا رہا ہے؟ آسان لفظوں میں بتا دیں؟

ج: میری کوشش یہ ہی ہوتی ہے کہ میری تحریر میں ہر کردار مثبت پیغام دے۔ بعض دفعہ کسی تحریر میں ایک سے زیادہ پیغامات ہوتے ہیں جیسے آنچل میں شائع ہونے والے افسانے ''تخلیق کار'' میں والدین کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام، مذہب کے احکامات سے پھرنے والوں کی سزا اور توبہ کا در کھلا رہنے کی نوید دی گئی ہے۔ میں اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوتی ہوں یہ قاری ہی بہتر بتا سکتا ہے۔

سنبل خان بٹ

س: اپنی اور اپنے ان کی کوئی ایسی بری عادت بتائیں جسے آپ چاہ کر بھی بدل نہیں پا رہے؟

ج: ایسی کوئی بری عادت نہیں جسے بطور خاص بدلنے کی کوشش کی جائے البتہ ہم سارے گھر والے چاہ کے بھی وقت پر نہیں سو پاتے۔ کبھی باتیں، کبھی کھیلنا اور باہر گھومنا۔ تم اسے ایک عادت کہہ سکتی ہو جو بدلنے کی خواہاں ہوں۔

س: کوئی ایسا یادگار لمحہ جو ہم عنقریب شادی شدہ ہونے والی لڑکیوں سے شیئر کرنا چاہیں؟

ج: شادی شدہ ہو جاؤ پھر بہت سے لمحات شیئر کر لوں گی۔

س: کہانی کار بننے کے لیے محنت، مطالعہ، مشاہدہ اور خداداد صلاحیت کا ہونا ضروری ہے مگر لکھنے میں تسلسل قائم رکھنے کے لیے کس چیز کا ہونا ضروری ہے؟

ج: تسلسل کیسے قائم ہوتا ہے؟ مجھے بھی اس جواب کی تلاش ہے اگر مل گیا تو بتاؤں گی۔ میں خود پر جبر کر کے نہیں لکھ سکتی سو تسلسل بھی قائم نہیں رہتا۔ دل سے لکھتی ہوں اور دل پابندیوں کو نہیں مانتا۔

س: میں کہتی ہوں میں اچھی لکھاری بنوں، زیادہ سے زیادہ لکھا ہوا شائع بھی ہو پر میں لکھ نہیں پاتی۔

دماغ میں کہانیاں گڈمڈ ہوتی رہتی ہیں۔ انہیں لکھنا بہت مشکل لگتا ہے اس حوالے سے کوئی ٹپس؟

ج: اس کا ایک ہی حل ہے کہ جو خیال دماغ میں آئے اس کو چند سطروں میں مقید کرلو۔ اس سے یہ ہوگا کہ جس موضوع پہ لکھنا شروع کروگی اس کا خلاصہ تمہارے پاس ہوگا جو لکھنے کے عمل میں آسانی پیدا کرے گا۔

ہادی انس

س: میرا آپ سے سوال ہے کہ منافق لوگوں سے کیسے بچا جائے؟

ج: میرے خیال میں جب آپ میں منافقت نہیں ہے تو آپ کا واسطہ منافق لوگوں سے نہیں پڑے گا اور سامنا ہوا بھی تو فوراً سے پہچان لیں گی۔

س: محبت ایک لافانی جذبہ ہے۔ یہ انسان کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے۔ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے کہ انسان اپنی عزت نفس مجروح ہونے سے بچا لے؟ یا در ہے میں گلیوں میں رلنے والوں کو محبت کا نام نہیں دے رہی؟

ج: اگر آپ گلیوں میں رلنے والی محبت کا نہیں کہہ رہی پھر محبت کا وجود محرم رشتوں سے منسلک ہے اور محرم رشتوں کی محبت کبھی عزت نفس مجروح نہیں کرتی اور نہ ہی آپ کو اس کے شکنجے سے نکلنے کی خواہش ہو گی۔

اسلوز شاہ

س: کبھی کوئی ایسا کردار لکھا جس پر سب سے بڑھ کر محنت کی ہو جو بہت مشکل لگا ہو لکھنا اور سب سے آسان کردار کون سا لکھا کے اسے لکھنے بیٹھیں تو بس لکھتی گئیں؟

ج: ہر کردار پہ محنت تو ہوتی ہے لیکن ایسا کردار جسے لکھنے میں مشکل درپیش آئی ہو تو وہ عنقریب لکھنے والا ایک ناول ہے جس پہ بہت زیادہ تحقیق کرنے کے بعد بھی میں اس پر لکھ نہیں پا رہی۔ ان شاء اللہ بہت جلد اس پہ کام شروع کر رہی ہوں۔

کچھ موضوعات ایسے ہوتے ہیں کہ لکھنے بیٹھو تو لکھتے جاؤ۔ ''تخلیق کار'' اور ''کٹھ پتلی'' ایسے ہی دو افسانے ہیں جنہوں نے مجھے نیند سے اٹھا کر خود کو لکھوایا۔

س: اب تو آپ ایک عرب ملک میں ہیں تو کیا ہم امید رکھیں کے اگلی کوئی کہانی اس معاشرے یا کرداروں کو لے کر ہوگی؟

ج: لکھاری اپنے اردگرد سے ہی کہانیاں چنتا اور صفحہ قرطاس پہ بکھیرتا ہے۔ مجھے جب یہاں کچھ ایسا نظر آیا جس کو میرا قلم پکڑ سکے تو میں ضرور لکھوں گی۔

س: ہماری تقریباً سب ہی شادی شدہ لکھاری بہنیں جن کو ہم نے پڑھا سوائے ایک دو کے شادی کے بعد ان کے لکھنے کا انداز بدل جاتا ہے ایسا کیوں؟ وہ کیا فرق ہوتا ہے؟

ج: ابھی تو نئی نئی شادی ہے اور کچھ خاص لکھا بھی نہیں تو اس فرق کی زیادہ وضاحت نہیں کر سکتی لیکن میرے خیال میں اس فرق کی بنیادی وجہ ماحول کی تبدیلی اور معاشرتی رویوں کی حقیقت کا ادراک ہونا ہے۔ والدین کے گھر میں ہر طرح کی آزادی کے بعد جب لڑکی ایک مختلف ماحول میں جاتی ہے تو اس کی سوچیں، خیالات، نکتہ نظر سب کچھ بدل جاتا ہے اور وہی بدلاؤ قلم کے ذریعے قارئین تک پہنچتا ہے۔

خضرا خان

س: ماورا طلحہ کونسی تحریر پڑھ کے ایسا لگا کہ اس ناول کو میں اچھا لکھ سکتی تھی؟ (کسی بڑی اور مشہور رائٹر کا ناول بتائیں)

ج: ہر لکھاری اپنے مطابق درست لکھتا ہے اور

میں ابھی اس مقام پہ نہیں پہنچی کہ بحیثیت لکھاری معروف قلمکاروں کی غلطیاں نکالوں البتہ بحیثیت قاری اکثر خواہش ہوتی ہے کہ من چاہا انجام پڑھنے کو ملے۔ جیسے ''متاع جاں ہے تو'' میں ''عابی'' کے نہ مرنے کی خواہش تھی لیکن بات وہی آجاتی ہے کہ تحریر لکھاری کی تصویر ہوتی ہے اور اس کی مرضی پہ منحصر ہے کہ وہ اس میں کون سے رنگ بھرتا ہے۔

س: ماورا آپ کو ایڈونچر ٹائپ ناول پسند ہیں یا گھریلو؟

ج: مجھے ہر قسم کا ادب پسند ہے۔ آپ کہہ سکتی میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں کہیں بھی کچھ بھی مل جائے تو وہ پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھے صفائی کے دوران اخبار کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو میں سب کام چھوڑ کر وہیں بیٹھ کر پڑھنے لگ جاتی تھی تو میں کسی مخصوص صنف کی حامی نہیں ہوں۔

س: ماورا کوئی ایسا ناول بتائیں کہ وہ کسی دوسری رائٹر کے ناول کی کاپی تھا؟ آپ کو اپنی زندگی میں ایسا کوئی ناول نظر آیا؟

ج: میرے خیال میں ہر اچھے لکھاری کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے لکھے میں کسی دوسرے کی جھلک نظر نہ آئے، اس کی اپنی پہچان ہو اور اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو وہ یقیناً موضوع کی یکسانیت ہو سکتی ہے کیونکہ موضوعات تو وہی ہیں بس لکھنے کا انداز کہانی بدل دیتا ہے۔

البتہ جو لوگ لفظ لفظ چرا لیتے ہیں میں انہیں لکھاری ہی نہیں مانتی اور میں نے ابھی تک ایسا کوئی ناول نہیں پڑھا۔

سیف خان

س: کس خاتون رائٹر سے زیادہ متاثر ہیں.....اور کس میل رائٹر کو زیادہ پڑھا ہے؟

ج: بہت ساری مصنفین ہیں جن سے بہت متاثر ہوں کسی ایک کا نام لینا زیادتی ہوگی۔

جہاں تک میل رائٹر کی بات ہے تو سب سے پہلے ''نسیم حجازی'' کو پڑھا اور پاگلوں کی طرح پڑھا تو جہاں تک زیادہ پڑھنے کی بات ہے تو نسیم حجازی کا نام لوں گی۔ ان کے علاوہ بہت سارے نام ہیں جن کا کچھ نہ کچھ پڑھ رکھا ہے۔

گڑیا شاہ

س: اپنی زندگی کا کوئی یادگار لمحہ جسے آپ کبھی فراموش نہیں کر سکیں؟

ج: میں بہت زیادہ جذباتی ہوں اور ہر چھوٹے بڑے موقع کو بھرپور جوش و خروش سے منا کر یادگار بنا لیتی ہوں سو کسی اک موقع کا نام نہیں لے سکتی۔

س: کوئی ایسی خواہش جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

ج: الحمدللہ کوئی ایسی خواہش نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو۔ جو مانگا دیر سے سہی مگر اس پاک ذات نے دے ضرور دیا۔

س: اپنی کوئی ذاتی کاوش جسے لکھتے ہوئے آپ روئیں ہو یا بہت پسند ہو؟

ج: ''سجدہ وطن'' ایک حقیقی کہانی جسے لکھتے ہوئے مجھے ان ماؤں کی تڑپ کا اندازہ ہوا جن کے لال وطن کی خاطر گولیوں کی بوچھاڑ کے سامنے سینہ سپر رہتے ہیں اور اسے لکھتے ہوئے بارہا میری آنکھیں نم ہوئیں۔

بنت عائشہ

س: آپ نے مطالعہ کرنا کب شروع کیا اور کس ڈائجسٹ یا میگزین سے کیا؟

ج: میں بچپن سے کہانیاں پڑھنے کا شوق رکھتی تھی۔ عمرو عیار، ٹارزن، تعلیم و تربیت، بچوں کا اسلام

سے شروع ہوتا سلسلہ کب ڈائجسٹ اور ناولز تک پہنچا پتا ہی نہیں چلا۔ اس لیے کسی ایک ڈائجسٹ یا میگزین کا نام نہیں لے سکتی۔

س: آپ نے مطالعہ کا شوق کس سے لیا؟

ج: میرے والد شاعری کرتے ہیں شاید وہیں سے یہ چیز میرے اندر آئی ہو۔

س: آپ کو کس قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہے؟

ج: میں ہر قسم کی کتاب پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ آپ کہہ سکتی ہیں میرا شوق ادب کی کسی صنف کا محتاج نہیں ہے۔

ام ارسلان

س: آپ کے نزدیک زندگی کا کیا فلسفہ ہے؟

ج: میرے نزدیک زندگی کا فلسفہ بہت سادہ ہے کہ خوش رہو اور دوسروں میں خوشیاں بانٹو، مثبت سوچو، آسانیاں تقسیم کرو اور انسانیت کا احترام کرو۔

س: ماشاءاللہ آپ بہت اچھا لکھتی ہے لیکن کیا کبھی ایسا ہوا کہ کسی کردار پر لکھنا چاہتی تھیں لیکن لکھ نہیں پائیں؟

ج: جی بالکل ایسا ہو چکا ہے۔ اک ناول ہے جس پہ بہت محنت کی ہے مگر وہ اس سے زیادہ محنت کا متقاضی ہے۔ ان شاءاللہ بہت جلد اس پہ دوبارہ کام شروع کروں گی۔

طیبہ عنصر

س: پیاری ماورا، آپ اپنی زندگی کے کسی موڑ پر اس کیفیت کا شکار بھی ہوئیں کہ لکھنے کو دل نہ چاہا؟

ج: بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لکھنے کو دل نہیں چاہتا، لاکھ کوشش کر لو مگر الفاظ ہاتھ نہیں آتے، ذہن صرف سادہ سلیٹ کی مانند لگتا ہے جس پہ کوئی حرف نہیں ابھرتا مگر آپ اسے ''مینٹل بلاک'' کیفیت کہہ سکتی ہیں جس کا سامنا میرے خیال میں ہر دو میں سے ایک لکھاری کو کرنا پڑتا ہے۔

س: آپ کو اپنی مرضی کا موضوع چننے کا موقع ملے تو کس چیز کو شوق سے لکھیں گی مزاح، سماجی موضوعات سنجیدہ ادب؟

ج: میں اب بھی جو لکھوں اپنی مرضی سے لکھتی ہوں یا یوں کہہ لیں کہ میں دباؤ میں نہیں لکھ سکتی۔ آپ زبردستی مجھ سے کچھ نہیں لکھوا سکتے۔ جہاں تک میری پسند کا سوال ہے تو مزاح اور سماجی موضوعات کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔

س: آپ ماشاءاللہ اب تک کافی لکھ چکی ہیں اور بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آپ نے اب تک جو لکھا' اس میں سب سے زیادہ کیا لکھنے بہت مزہ آیا؟

ج: میں جو بھی لکھتی ہوں دل سے لکھتی ہوں۔ کبھی کبھار ایک چھوٹے سے افسانے میں پھنس جاتی ہوں کہ دل لکھنے پہ آمادہ نہیں ہوتا تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ مزہ لیے بغیر کچھ لکھوں۔

آپ نے جو سوال پوچھا کہ کیا لکھ کے زیادہ مزا آیا تو اس سلسلے میں چند تحاریر جو پبلش ہو چکی ہیں ان کا نام لوں گی ''عشق ست رنگی، زرد محبت، پہلو میں ہے چاند تخلیق کار، انکل پیار محبت''

ایک پسندیدہ ناول آنچل میں ہی اشاعت کا منتظر ہے اور مجھے امید ہے کہ پڑھنے والوں کو بھی بہت پسند آئے گا۔

سرور

سحر کے نور و قلم

ندا رضوان

علم اور قلم ہی وہ طاقت ہیں جو انقلاب لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ یہ انقلاب فرد کی انفرادی زندگی میں آئے یا معاشرے کی سطح پر رونما ہو۔ ابھی کل کی بات لگتی ہے جب ادارہ آنچل کی جانب سے ایک اور معیاری جریدے حجاب کا آغاز کیا گیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ گھرداری میں مصروف خواتین کی تفریح کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت کا بھی ایسا اہتمام ہو کہ طبع نازک پہ گراں نہ گزرے۔ پروردگار کا احسان عظیم ہے کہ ہماری اس کاوش کو عوامی سطح پر قبولیت کی سند ملی۔

ہمیں بہترین لکھاریوں اور ذہین قارئین کا ساتھ نصیب ہوا جنہوں نے ہماری اس کاوش و محنت میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہمیں نہ صرف سراہا بلکہ مزید حوصلہ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ادارے کے تمام ساتھی بھی قابل تعریف ہیں جن کی شبانہ روز محنت ہر ماہ آپ کے ہاتھوں میں جگمگاتی ہے۔ حجاب نے کامیابی کے تین سال مکمل کر لیے ہیں اور چوتھے سال میں قدم رکھ دیا ہے اس موقع پر ہم نے قارئین کے لیے ایک سروے کا اہتمام کیا ہے جس کے سوالات درج ذیل ہیں۔

ا:۔ حجاب کی کس تحریر کی بدولت آپ کی شخصیت میں مثبت تبدیلی رونما ہوئی۔

۲:۔ حجاب کی تحریروں میں شامل کوئی ایسا کردار جس میں آپ کو اپنی جھلک محسوس ہوئی۔

۳:۔ خواتین کی اکثریت گھریلو موضوعات پر مبنی تحریریں پسند کرتی ہے تو آپ کیا سمجھتی ہیں کہ حجاب کی تحریروں کا کینوس وسیع ہونا چاہیے یا جس ڈگر پر گامزن ہے وہی بہتر ہے۔ کیا آپ تبدیلی کے حق میں ہیں۔

۴:۔ آپ کو حجاب کا کون سا سلسلہ پسند ہے اور کیوں؟

۵:۔ آپ نے حجاب کو دیگر پرچوں سے کس طرح مختلف پایا۔

❁.....❁.....❁

تبسم بشیر حسین سید خان..... ٹنگہ

سب سے پہلے تو حجاب کو اپنی سالگرہ مبارک ہو اور یہ یونہی ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور اسے میرے جیسے اچھے قارئین ملتے رہیں (آہم) جوابات شروع کرنے سے پہلے ایک نظم حجاب کے لیے۔

میں نے چاہا تیرے جنم دن پر
ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو پیارے حجاب مدتوں یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ کے بعد میں نے ہاتھ بلند کیے
اور کچھ دعا کے پنچھی آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں کبھی تیرے قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے جگنو صدا چمکیں
تیرا دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرا رہے
تو صدا مسکرائے آمین

ہیپی برتھ ڈے ڈیئر حجاب۔ پورے اسٹاف کا شکریہ جنہوں نے اتنا پیارا ڈائجسٹ پڑھنے کو دیا۔

ا:۔ ہمم..... یہ سوال کافی مشکل ہے میرے نزدیک ہر تحریر ایک جیسی ہے۔ جہاں بڑے رائٹرز ہمارے لیے روشنی کا کام کر رہے ہیں وہیں نئے لکھاری بے شک جس

کی پہلی تحریر ہے وہ بھی اتنا ہے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کی صرف تحریر ہی نہیں ہر لفظ نے ہر پیراگراف نے ہر جملے نے سوچ کو ایک نیا رخ دیا ہے۔ مثبت تبدیلی دی ہے چاہے وہ سلسلے ہی کیوں نہ ہو۔ قارئین نے بھی اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ تحریریں لفظوں سے بنتی ہیں' اثر لفظوں میں ہوتا ہے، ہر اس لفظ میں جو مثبت سوچ اور دل سے لکھا گیا ہو۔

۲:۔ ذرا یاد کرنے دیں مجھے..... نہیں..... آج تک میں نے حجاب تو کیا کئی ڈائجسٹ اور بے شمار تحاریر پڑھی ہیں پر ایک بھی ایسی تحریر نہیں ہے جس میں مجھے اپنی جھلک دکھائی دی ہو جھلک تو کیا لفظ، انداز، عادت کچھ بھی نہیں ہے ایسی تحریر آج تک نہیں لکھی گئی جس میں میری جھلک مجھے دکھائی دی ہو۔

۳:۔ یہ سوال میرا فیورٹ ہے۔ دیکھیں سیدھی بات کہوں گی کہ میں دوسروں سے بالکل منفرد ہوں۔ گھریلو موضوعات پر مبنی اسٹوریز میں سے دو سو فٹ دور بھاگتی ہوں رونا دھونا، سوتیلی ماں، جل کٹری تائی اف! یہ موضوعات پک گئی ہوں۔ موضوع بے شمار ہیں بے شمار، صرف ٹریجڈی نہیں تھوڑی فینسی سی بھی ہونی چاہیے۔ خوابوں کی دنیا جہاں انسان ہر غم فکر سے آزاد ہو، ایسی تحریر جو کچھ دیر کے لیے ہی سہی آس پاس سب سے بے خبر کردے۔ بھلا دے ہر فکر اور بولڈ موضوع بھی ہونا چاہیے۔ دیکھیے آج کل نیٹ اور ٹی وی کی وجہ سے کچھ ڈھکا چھپا تو رہا نہیں ہے اس لیے لکھیے بولڈ موضوع پر بھی' تھوڑا رومانس لکھیے' ہلکا پھلکا سا منفرد لکھیے۔ پلیز پیاری رائٹرز سوچیے اس بارے میں' بری بات تو ہے نہیں' جو دل میں تھا لکھ دیا اگر کسی کو برا لگے تو لگے (سانوں کی) میں بالکل تبدیلی کے حق میں ہوں۔ آخر بندہ ایک جیسی تحریروں سے بور ہو جاتا ہے تو تبدیلی لازمی ہے۔

۴:۔ حجاب کے تمام سلسلے ہی بہتر ہیں کسی ایک کا نام لینا ناانصافی ہوگی۔ تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں ہاں "در جواب آں" حجاب میں بھی شروع کیا جائے تو کیا ہی بات ہو۔ باقی میں کسی ایک سلسلے کا نام نہیں لے سکتی۔ ایک سلسلہ تھا "آغوش مادر" وہ سلسلہ میرے دل کے بہت نزدیک تھا پر اب تو جیسے ختم ہو گیا ہے۔ ایک "رخ سخن" میں اپنے رائٹرز کو جاننے کو ملتا تھا وہ بھی گیا' کیا کہہ سکتے ہیں۔

۵:۔ میں نے حجاب کو ہر طرح سے مختلف پایا ہے۔ آنچل اور حجاب کا تو کوئی جوڑ ہے ہی نہیں نہ ہو سکتا ہے اس کا اسٹاف جتنا پیارا محبت کرنے والا اور اپنے قارئین کا خیال کرنے والا ہے دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک اور بات جو مجھے آنچل اور حجاب کی بے حد پسند ہے کہ اس نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس نے کئی نئے نام نکھارے ہیں کتنی ہی شخصیت سنواری ہیں حجاب میں وہ خاصیت ہے کہ جو دوسروں میں نہیں ہے۔ اس نے اپنے چاہنے والوں کو چاہت سے ہی نواز ہے ہمیشہ' میں جانتی ہوں کہ میرے سوالات کے جوابات معمولی ہیں لیکن میں نے بہت دل سے رات میں جاگ کر لکھے ہیں۔ جاتے جاتے ایک بار پھر سے اللہ آنچل و حجاب کو خوب ترقی دے آمین۔

شازیہ اختر شازی..... نور پور

سب سے پہلے تمام لکھنے اور پڑھنے والوں کو شازیہ کی طرف سے ڈھیر سارا پیار اور سلام! ہمارے پیارے حجاب کو بھی بہت بہت سالگرہ مبارک' حجاب کی اور میرے پیارے بھانجے محمد حسان کی سالگرہ ایک ہی دن ہوتی ہے حجاب کے لیے ہم ہر سال قرآن پاک کا ختم کراتے ہیں اور حجاب کے لیے بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ اسے اور ترقی اور کامیابی عطا کرے آمین، اب آتے ہیں سروے کی طرف۔

۱:۔ حجاب کی کسی نہیں بلکہ ہر تحریر نے بہت متاثر کیا کبھی کبھی میں اپنے گھر کے کچھ کرائسز کی وجہ سے بہت ٹینشن میں ہوتی تھی تو آنچل اور حجاب کا سہارا لیتی جس کی وجہ سے بہت سی مثبت تبدیلیاں مجھ میں آ گئی ہیں۔ میں ان رائٹرز کی شکر گزار ہوں کہ ان کی اتنی اچھی تحریر کی وجہ سے ہمارے دلوں کا بوجھ کافی کم ہو جاتا ہے۔

۲:۔ حجاب کی تحریروں میں بہت سے ایسے کردار تھے جن میں مجھے کافی حد تک اپنی جھلک محسوس ہوتی ہے کسی کا حد سے زیادہ حساس ہونا اور کسی کا دکھ چھپا کر چہرے پر مسکراہٹ رکھنا اور کسی کا سب کا خیال رکھنے کا انداز اور کسی کا حد سے زیادہ برداشت سے کام لینا ایسے بہت سے کردار تھے جن میں واقعی مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے۔

۳:۔ اکثر گھریلو موضوعات پر لکھی تحریریں اس لیے بھی پسند کی جاتی ہیں کیونکہ وہ کافی سبق آموز ہوتی ہیں لیکن کچھ لوگ گھریلو موضوعات کے بجائے طنز و مزاح سے بھرپور تحریریں پسند کرتے ہیں لیکن ہم بس تھوڑی سی تبدیلی چاہتے ہیں کہ ایک موضوع کو بجائے مختلف موضوعات پر تحریریں لکھی جائیں آگے آپ کی مرضی۔

۴:۔ آغوش مادر میرا فیورٹ سلسلہ تھا لیکن پتا نہیں کیوں آپ نے اس سلسلے کو ختم کر دیا ہے مجھے اس میں ماؤں کے بارے میں پڑھ کر بہت مزہ آتا تھا ابھی تو ہم نے اپنی ماما کے بارے میں لکھنا تھا کیونکہ میری امی بہت بیمار ہیں۔ میں لکھنا چاہتی تھی انہوں نے ہماری خاطر کتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں میرے لیے تو میری ماں دنیا کی عظیم ماں ہے (ماں تیری عظمت کو سلام) سب قارئین سے درخواست ہے کہ میری ماما کے لیے ڈھیر ساری دعا کریں کہ اللہ ان کو صحت تندرستی والی زندگی نصیب کرے، آمین۔

۵:۔ میں نے کافی چھوٹی عمر سے بچوں کی کہانیاں پڑھنا شروع کی تھیں ٹارزن، عمرو عیار، عمران سیریز اور بہت سے رسالے پڑھے ہیں پھر ذرا بڑے ہوئے تو آنچل پڑھنا شروع کیا اور پھر آنچل کے ذریعے حجاب ملا اور پھر آنچل اور حجاب کے ہی ہو کر رہ گئے اور پھر حجاب تو حجاب ہے۔ ہمارا اوڑھنا بچھونا حجاب، ہمارا کھانا پینا حجاب، اس سے اندازہ لگالیں حجاب کیسا ہوگا۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔

تمہاری سالگرہ کے دن یہ دعا ہے ہماری
جتنے ہیں چاند تارے ہو اتنی عمر تمہاری

لیلیٰ رب نواز..... وہاڑی بھکر

۱:۔ کسی ایک تحریر کا نام لینا شاید دوسرے رائٹرز کے ساتھ ناانصافی ہوگی کیونکہ حجاب میں لکھنے والی تمام رائٹرز بہت شاندار لکھتی ہیں جیسے حمیرا قریشی نے جرم محبت لکھا اس میں کتنی ہی لڑکیوں کے لیے سبق پوشیدہ تھا۔ کہنے کو تو تین چار صفحات پر مشتمل وہ ایک اسٹوری تھی لیکن زندگی کے تلخ سبق سے آگاہی تھی۔

۲:۔ شاید ہر ایک کردار میں کیونکہ ہر کردار میں کوئی بات ایسی نظر آتی ہے جیسے ہم میں پائی جاتی ہے۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' کی زرتاشہ کو دیکھ کر (ہاہاہا) ارے دیکھنا ہی تو ہوا جب ہم کوئی اسٹوری پڑھ رہے ہوتے ہیں تو خود کو وہاں موجود پاتے ہیں۔ خیر زرتاشہ کا کردار ایسا ہے جو بالکل ایسا لگتا ہے کہ اپنی جھلک نظر آتی ہے۔

۳:۔ حجاب میں باقی سب پرفیکٹ ہے لیکن ایک تبدیلی ہونی چاہیے اور وہ ہونی چاہیے انٹرویو سنگرز، ایکٹرز، کرکٹرز، رائٹرز اور بہت ساری مشہور شخصیات کے۔

۴:۔ مجھے سلسلہ دوست کا پیغام آئے بہت پسند ہے کیونکہ اس سلسلے کی وجہ سے ہم سب آنچل سے وابستہ سسٹرز ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے لگی ہیں۔ بہنوں کی محفل اور خاص طور پر اس محفل کا تو مزہ ہی اپنا ہے۔ دل خوش ہو جاتا ہے۔

۵:۔ بات چاہے حجاب کی ہو یا آنچل کی دونوں کی بات ہی الگ ہے باقی تمام پرچوں سے اتنی اپنائیت محسوس نہیں ہوتی جتنی آنچل و حجاب سے تمام سلسلوں سے ایک تعلق قائم ہے دل کا تعلق۔ تمام رائٹرز اتنا اچھا لکھتی ہیں۔ آنچل و حجاب میں بار بار پڑھنے کا دل کرتا ہے۔ آنچل و حجاب نے باندھ رکھا ہے اب رہائی ناممکن ہے (اور ہمیں چاہیے بھی نہیں)

سحر تبسم سحری..... مغل پورہ

حجاب کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور یہ ایسے ہی ترقی کرتا رہے آمین۔

۱:۔ حجاب کی کئی تحریریں ایسی ہیں جس نے مثبت

تبدیلی پیدا کی ہے۔ حجاب کی ہر تحریر ہی مثبت اثر ڈالتی ہے بات سوچ کی ہے اگر سنجیدہ تحریر بھی ہو تو ایک سمجھدار قاری اس سے مثبت سوچ ہی لے گا تو کسی ایک کا نام ذہن میں نہیں آرہا۔

۲:۔ مجھے تو پہلے عیشال جہانگیر میں اپنی جھلک نظر آتی تھی لیکن ایسا صرف دو قسطوں تک لگا پھر پتا چلا کہ وہ الگ اور میں الگ ہوں۔

۳:۔ کینوس وسیع ہونا چاہیے بالکل ہونا چاہیے۔ صرف گھریلو ہی نہیں ہر قسم کی تحریر ہونی چاہیے کیونکہ ایک ڈائجسٹ کو مختلف لوگ پڑھتے ہیں اور ہر کسی کی الگ پسند ہوتی ہے تو تبدیلی لانا ضروری ہے۔

۴:۔ مجھے حجاب کا سلسلہ حسن خیال پسند ہے اس میں رائٹرز کو پتا چلتا ہے کہ وہ کہاں تک کامیاب ہوئی ہیں اس لیے یہ میرا فیورٹ سلسلہ ہے اس کے علاوہ ملاقات میرا فیورٹ سلسلہ ہے۔ ہاں البتہ مجھے آرائش حسن سلسلہ پسند نہیں اس کی جگہ کوئی دینی سلسلہ ہونا چاہیے۔

۵:۔ میں نے حجاب کو بہت طریقوں سے مختلف پایا ہے۔ یہ ہر لحاظ سے مختلف ہے اور میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے اور جو پسند ہوتے ہیں ان کی ہر خوبی خامی بھی پسند ہوتی ہے۔ آئی لو یو حجاب اینڈ پہی برتھ ڈے۔

ثناف فرحان..... ملتان

میں کسی بھی ڈائجسٹ کے سروے میں پہلی بار جواب ارسال کر رہی ہوں۔ وجہ یہ نہیں کہ میں ڈرتی تھی کہ ردی کی نوکری میں ڈال دیں گے بات یہ ہے کہ میں ازلی سست ہوں اور کام چوری کی بابت تو پوچھیے مت لیکن اس کے باوجود میں پڑھتی بھی ہوں اور کہانیاں پڑھ کر جو مجھے نیند آتی ہے ایمان سے کیا بتاؤں، اب بات ہو جائے سروے کے سوالوں کی۔

۱:۔ ویسے تو سب ہی مصنفین بہت باکمال لکھتی ہیں اور بہت سبق آموز بھی وہ چاہے نئی لکھنے والی صبا ایشل، ماورا طلحہ، عائشہ تنویر، عمارہ خان ہوں، بہت خوب لکھ رہی ہیں، یوں سمجھ لیں جیسے قیصر آرا انہیں ہدایت کے ساتھ لکھوا رہی ہیں۔ مجھے حال ہی میں عائشہ پرویز صدیقی کی تحریر پسند آئی اور اس سے ہی مجھ میں تھوڑی بہت مثبت تبدیلی آئی۔

۲:۔ اگر میں کہوں کہ اب تک کی تمام تر کہانیوں میں مجھے اپنا آپ نظر آیا تو یہ مکھن والی بات ہو جائے گی اور مصنفین سوچیں گی ضرور کہ ان کی کون سی ہیروئن ایسی کاہل تھی ورنہ تو ہیروئن اتنی سگھڑ ہوتی ہے کہ فریج سے کباب بھی برآمد ہو جاتے ہیں اور کچن میں تو نمکو بھی موجود ہوتی ہے بس اسے چائے تیار کرنا ہوتی ہے جبکہ میرا یہ عالم ہے کہ اماں کی دس باتیں سن کر بھی کچن میں نہیں جاتی۔ اگر کبھی غلطی سے چلی بھی جاؤں تو واپس نہیں آتی جب تک مہمان چلے نہ جائیں مجھے لالہ رخ کے کردار میں اپنی جھلک نظر آئی ہے کیونکہ میں نے تقریباً پورے ناول میں اس کو صرف ایک سے دو بار کچن کا رخ کرتے دیکھا تھا۔

۳:۔ تبدیلی جب ملک میں آ گئی ہے تو پرچے میں بھی آ جانی چاہیے۔ ویسے میرے خیال سے ہر طرح کی تحریر ہونی چاہیے تاکہ پڑھنے والوں کو اپنے مزاج کے مطابق مواد ملے۔ محبت کے موضوع کے ساتھ سبق آموز اور مزاح سے بھرپور اس کے علاوہ سنسنی خیز جرائم پر مبنی کہانیوں کو بھی جگہ دینی چاہیے۔

۴:۔ مجھے بزم سخن اور شوخی تحریر پسند ہے۔

۵:۔ یہ سوال تھوڑا مشکل ہے لیکن جواب تو دینا ہی ہے اب دوسرے پرچوں میں جو تحریر لگتی ہے وہ بھی تقریباً ایسی ہی ہوتی ہیں بلکہ یہ ہی رائٹرز لکھتی ہیں لیکن اس کی بنت الگ ہوتی ہے موضوع بھی منفرد ہوتا ہے۔ حجاب نے ابھی جگہ بنانی ہے اس لیے مصنفین کو اس پہ بھی توجہ دینی چاہیے تب ہی اس میں نکھار کے ساتھ نیا پن بھی آئے گا یہ میرا خیال ہے۔ آخر میں حجاب کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔

رابی حاکم..... گجرات

السلام علیکم حجاب اسٹاف اینڈ قارئین کیسے ہیں آپ سب لوگ یقیناً ٹھیک ہی ہوں گے تو جی ہمارے حجاب

نے ہم سے سوالات کیے ہیں ان کا جواب دینا تو بنتا ہے نا تو حجاب کی طرف سے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ۔

ا:۔ اجی کیا بتائیں! ابھی تک ایسی تبدیلی رونما نہیں ہوئی جب تبدیلی آئی تو بتائیں گے۔

۲:۔ دوسرا سوال کہ کوئی ایسا کردار جس میں آپ کو اپنی جھلک محسوس ہوئی۔ ابھی ایسا کوئی کردار نہیں ملا جس میں اپنی جھلک محسوس ہوتی ہو یا شاید کسی رائٹر نے ابھی تک ہمارے جیسا کوئی کردار تحریر ہی نہیں کیا۔

۳:۔ گھریلو موضوعات پر تحریریں بھی اچھی ہوتی ہیں مجھے ہر قسم کی تحریریں پسند آجاتی ہیں (وہ کیوں) اس لیے کہ حجاب میں جو شائع ہوتی ہیں آنچل و حجاب کی ساری رائٹر بہت اچھا لکھتی ہیں اور حجاب جس ڈگر پر چل رہا ہے وہ بھی اچھا ہے تبدیلی لائیں۔ صفحات کو زیادہ کریں بھئی پہلے سے بھی کم ہوگئے ہیں باقی تمام سلسلے ہی حجاب کے بہت اچھے ہیں۔

۴:۔ مجھے حجاب کا کچن کارنر سلسلہ بہت پسند ہے اس میں ہمیں مزے مزے کی ڈشز جو پکانے کو ملتی ہیں (مگر کبھی بنائی نہیں) شوخی تحریر اور ٹوٹکے یہ بھی بہت اچھے سلسلے ہیں۔

۵:۔ میں صرف حجاب و آنچل کو ہی پڑھتی ہوں اور یہ بہت ہی اچھے ہیں اور دوسرے پرچے بھی اچھے ہوتے ہوں گے کیونکہ ہر ادارہ اپنے پرچوں پر بہت زیادہ محنت کرتا ہے اور ہر ادارہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جو وہ چیز پیش کر رہا ہے وہ مکمل ہونی چاہیے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے تو باقی رسالے بھی بہترین لیکن حجاب میرا پسندیدہ رسالہ ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔

کوثر نلز..... حیدرآباد

دن مہینے اور سال پلک جھپکتے ہی کیسے گزر جاتے ہیں اندازہ ہی نہیں ہو پاتا۔ حجاب کو سالگرہ مبارک ہو ماشاء اللہ سے چوتھے سال میں قدم رکھ دیا ہے۔

یہ واقعی کل ہی کی بات لگتی ہے کہ حجاب کا پہلا شمارہ آیا تھا اور ہم آنچل کی ہم جولی کو ہاتھ میں تھامے بے حد مسرور تھے۔

سو سب سے پہلے حجاب کی ٹیم اور قارئین کو اس پرمسرت موقعے پر دل کی گہرائیوں سے سالگرہ کی بہت ساری مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ جوابات کی طرف بڑھتے ہیں۔

ا:۔ ہوش سنبھالا تھا تو آنچل کو اپنے ساتھ پایا تھا اور ساری تبدیلیاں تو بس وہیں سے شروع ہوئی تھیں اس کے بعد تو آنچل اور حجاب کا ساتھ ہمیشہ رہا اور وقتاً فوقتاً سیکھنے کو بھی ملتا رہا۔

۲:۔ مکمل عکس تو کسی تحریر میں نہیں ہوتا بس ہاں اکثر آپ کی سوچ کچھ جگہوں پر اور کچھ پر الفاظ مل جاتے ہیں۔

۳:۔ میں بالکل تبدیلی کے حق میں ہوں اور بالکل میں چاہتی ہوں کہ گھریلو موضوعات سے نکل کر تھوڑی الگ دنیا میں بھی جایا جائے تاکہ تفریح کا زیادہ سامان میسر آسکے اور اکثر گھریلو کہانیاں بہت روایتی سی ہوتی ہیں سو ان سے باہر نکلنا بہت ضروری ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تحریروں کا کینوس وسیع ہوتا کہ پڑھنے والوں کے اذہان میں بھی مزید وسعت آئے۔

۴:۔ حجاب کا ہر سلسلہ ہی بہت اچھا ہے لیکن حسن خیال مجھے اپنے نام کی بدولت اول روز سے ہی پسند ہے۔

۵:۔ حجاب کیونکہ میرا اپنا رسالہ ہے (اپنا اس طرح سے کہ ایک تو میں فیس بک پیج پر ایڈمن ہوں اور دوسرا یہ کہ آنچل کو شروع سے ساتھ پایا ہے تو آنچل میرا ہے اور اسی طرح حجاب بھی آنچل سے کسی طور مختلف نہیں ہے) اور پھر اپنی چیز تو مختلف ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو چیز اسے باقی سب سے ممتاز کرتی ہے وہ نئے لکھاریوں کو موقع دینے کی ہے۔

آٹے کی چڑیا

یاسمین نشاط

''دادی دے ناں مجھے ایک روپیہ۔ چاچے کی دکان سے گڑیا لوں گی۔'' وردہ کب سے دادی کے پیچھے پڑی تھی۔

''چل ہٹ یہاں سے۔ تنگ نہ کر' بلا ماں کو آ کے ہانڈی چڑھالے۔'' خورشید نے گھرکا تو پانچ سالہ وردہ بلکنے لگی۔ خورشید نے جو ایسے بلکتے دیکھا تو آٹے کی پرات اپنی طرف کھسکالی اور دو انگلیوں سے آٹا کھینچ کر کچھ شکلیں بنانے لگی۔

''یہ لے تیری گڑیا' یہ گھوڑا اور یہ چڑیا۔'' اس نے روتی بلکتی وردہ کے آگے کھلونے رکھے تو وہ اشتیاق سے اٹھ بیٹھی۔ گڑیا کو ہاتھ لگایا' لٹک گئی' گھوڑا پہلے ہی دھڑام ہوا پڑا تھا۔ اس نے چڑیا کو احتیاط سے اٹھایا اس کی ننھی ننھی آنکھوں میں ہلکی سی خوشی تھی۔

''یہ چڑیا اڑے گی دادی؟'' اس کے خیالوں نے اس نرم سی چڑیا میں رنگ بھی بھرے اور پنکھ بھی لگائے۔

''لے دس.....'' دادی زور سے ہنسی۔ ''جھلی نہ ہووے تے۔'' آٹے کی چڑیا بھی کبھی اڑی ہے۔'' وہ آٹے کو دوبارہ تھپکتے ہوئے ہموار کرنے لگیں۔

''پر دادی اگر اس کے پر لگا دیں تو؟'' وہ شدت سے اس چڑیا کے اڑنے کی خواہش مند تھی۔

''جو مرضی کرلے آٹے کی چڑیا نہیں اڑ سکتی۔'' اب کہ جواب باورچی خانے میں آتی صفیہ نے دیا۔ وہ مایوس ہوگئی۔ اسے کیا کرنا تھا ایسی چڑیا کا جو اڑ بھی نہ سکے۔ وہ چڑیا کو لیے باہر صحن میں آ گئی۔ صحن میں لگا بڑا سا پیپل کا درخت جس پر ہر وقت چڑیاں چہچہاتی تھیں' اس نے ہاتھ میں پکڑی چڑیا کو جو اب اپنی ہیئت کھو چکی تھی۔ تقریباً درخت کے تنے کی ساتھ چپکا دیا اور ہش ہش کرنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

خورشید اور عبدالغنی کا گھرانہ بھرا پرا تھا۔ پانچ بیٹیاں' چھ بیٹے' بٹوارے کے وقت ان کے حصے میں آنے والی یہ حویلی اب بوسیدہ ہو چکی تھی۔ تین منزلہ اس حویلی کے چوبیس کمرے تھے۔ نچلے میں دو بیٹھکیں' دائیں اور بائیں' تین تین کمرے۔ بیچوں بیچ ایک بڑا سا نشست خانہ' جس میں سارا دن یہ خواتین جمع رہتیں۔ بائیں طرف کی بیٹھک اور کمرے کو ملا کر باورچی خانے کی شکل دے دی گئی تھی اور پرانے باورچی خانے کو مہمانوں کے لیے غسل خانہ بنا دیا گیا تھا۔ ملحقہ غسل خانوں کا تب رواج نہ تھا' اس لیے ہر پورشن میں ایک ایک غسل خانہ اور ایک ایک ٹوائلٹ تھا۔

خورشید بیگم نے عقل مندی کرتے ہوئے بڑی تینوں بیٹیوں کی ساتھ ساتھ شادیاں کر دی تھیں اور اس کے بعد بڑا بیٹا عبدالوحید..... تھا۔ صفیہ ان کی بھانجی تھی' بلا کی سلیقہ مند۔ سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔ خورشید بیگم میں دم خم تھا اور وہ بھی برابر ہاتھ بٹاتی تھیں۔ عبدالغنی کی ٹھیکیداری اب عمر کی نذر ہو چکی تھی۔ عبدالوحید خرادیے کا کام کرتا تھا۔ دونوں چھوٹے عبدالوہاب اور عبدالرحمن کو ساتھ لگا رکھا تھا۔ آمدنی ٹھیک تھی۔ بھلے وقت تھے۔ گزارا بخوبی ہو جاتا تھا۔

چھوٹے تینوں پڑھنا چاہتے تھے اور ان کی دیکھا دیکھی چھوٹی دونوں لڑکیوں کو بھی شوق چڑھا تھا۔ سو کوئی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنا تھا۔

وقت کی چڑیا پر پھیلائے منزلیں طے کر رہی تھی۔ صفیہ بیگم نے بیٹے کی چاہ میں پانچ بیٹیاں پیدا کر لی تھیں۔ خورشید بیگم کی پوتا دیکھنے کی چاہ پوری نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ عبدالوہاب کی شادی کر دیں تو ان کی خواہش پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ لیکن عبدالوہاب کی آنکھوں میں کچھ اور خواب سجے تھے۔ وہ سعودیہ جانا چاہتا تھا۔ اپنی زندگی بہتر کرنا چاہتا تھا۔

عبدالغنی نے دو چار پلاٹس خرید رکھے تھے۔ جو ان کا

کل اثاثہ تھے۔ عبدالوہاب باپ کو مجبور کرنے لگا کہ پلاٹ بیچ کر اس کے سعودیہ جانے کا بندوبست کیا جائے۔ عبدالغنی جائیداد بیچنے کے حق میں ہرگز نہیں تھے۔ لیکن عبدالوہاب نے ماں اور عبدالوحید کے ذریعے دباؤ ڈال کر عبدالغنی کو قائل کرلیا لیکن وہ پلاٹ بیچنے پر پھر بھی رضا مندی نہ ہوئے۔ خورشید بیگم نے کمیٹی ڈال لی۔ کچھ جمع پونجی عبدالوحید کے پاس بھی تھی۔ یوں مل ملا کر اتنا ہوگیا کہ عبدالوہاب اپنے خواب میں رنگ بھر سکے اس کے ہاتھ میں ہنر تھا۔ ان دونوں ایسے لوگوں کی مانگ بھی تھی۔ سعودیہ جاتے ہی چند دن بیروزگار رہنے کے بعد اسے ایک ورکشاپ میں نوکری مل گئی۔

پاکستان ریال آنے لگے تو خورشید بیگم کی چال بھی بدل گئی۔ بیٹا سعودیہ میں تھا۔ ریال بھیج رہا تھا۔ ساتھ میں ضروریات زندگی کی اشیاء بھی' مسالا پیسنے کی مشین' ملک شیک بنانے والی مشین' گھر کی مرمت ہوگئی' رنگ وروغن ہوگیا۔ نئے پردے' نئے قالین' نئے برتن' پیتل اور مٹی کے برتنوں کی جگہ پلاسٹک اور چینی کے برتن آگئے۔ وائل اور لان کی جگہ شیفون نے لے لی۔ سرخی غازہ کی جگہ رنگ برنگی میک اپ کٹیس آگئیں۔ دیسی خوشبو کی جگہ ولائتی پرفیوم آگئے۔ چند ہی سالوں میں گھر اور گھر والوں کا نقشہ ہی بدل گیا۔ انکساری کی جگہ نخرہ آگیا تھا۔

عبدالوحید نے بھی دکان بڑھالی۔ ایک کے بجائے چار مشینیں لگ گئیں' اتنے ہی کاریگر بھی ہوگئے۔ عبدالوہاب کا باہر جانا سب کو راس آگیا اور عبدالغنی علاقے میں چودھری صاحب ہوگئے۔ خورشید بیگم اب عبدالوہاب کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ صفیہ کے ہاں تو پھر چھٹی لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ حالانکہ اس بار تو وہ بابا جی سے اولاد نرینہ کے لیے تعویذ بھی لائی تھیں۔ مگر اس بار بھی بیٹی کی پیدائش نے عبدالوحید کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اب وہ تھکا تھکا سا بھی رہنے لگا تھا۔ وردہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی اور چاچا عبدالوہاب نے اس کے ذہن میں بات ڈال دی تھی کہ اسے ڈاکٹر بننا ہے اور اس کے ڈاکٹر بننے کا سارا خرچا

انہوں نے اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لیے اس نے میٹرک میں اچھے رزلٹ کے لیے دن رات ایک کردیے تھے اور جس دن اس کا رزلٹ آیا اسی دن چاچا بھی نو سال بعد وطن واپس آیا تھا۔ اس نے صوبے بھر میں ٹاپ کیا تھا۔ ساری برادری میں خورشید کی ناک اونچی ہوگئی تھی۔ لڑکی ہو کر اس نے لڑکوں کو مات دے دی تھی۔

عبدالوہاب نے خود جا کر سب سے اچھے کالج میں اس کا داخلہ کروایا لیکن یہاں خوشی اسے راس نہیں آئی تھی۔

عبدالوحید صبح اچھا خاصا دکان پر گیا تھا لیکن شام کو ایمبولینس میں واپس آیا تھا۔ پہلا دورہ پڑا تھا دل کا اور پہلا ہی وہ سہار نہیں پایا۔ صفیہ کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی تھی۔ چھ چھ بیٹیاں اور ساتویں کی پھر آمد۔ خورشید بیگم کا جوان بیٹا لمحوں میں ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ وہ تو باؤلی ہی ہوگئی تھیں۔ وقت مرہم بنا' کچھ مہینے سرک گئے۔ صفیہ کی عدت پوری ہوئی اور ساتھ میں ڈلیوری بھی۔ اپنے بچے کو دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔

جس بیٹے کو باپ ترستا رہا۔ جب وہ اس دنیا میں آیا تو اس کے لاڈ اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ خورشید بیگم کو بیٹے کے غم نے کھایا تو پوتے کی آمد نے گھاؤ بھرا بھی' ننھا جہانزیب سب کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ چاچے' پھوپیاں' دادا' دادی سب لاڈ اٹھانے والے تھے۔ صفیہ کا غم ہرا تھا۔ وہ کبھی بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوتیں اور کبھی اپنی بچیوں کی طرف دیکھ کر آہیں بھرا کرتیں۔ عبدالوہاب سال بھر بعد دوبارہ واپس آیا تو خورشید بیگم نے اس کی شادی کردی۔ تین ماہ رہ کر جب وہ واپس گیا تو ثانیہ کے لیے وقت کاٹنا محال ہوگیا۔ اب اس کی دلچسپی کی کوئی چیز اس گھر میں نہیں تھی۔ عبدالوہاب اس بار کمرے میں ایئر کنڈیشنر بھی لگوا گیا تھا۔ پیڈسٹل پنکھے کے آگے چارپائیاں بچھا کر سونے والوں کو یک لخت ہی موسم بے حد گرم لگنے لگا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھاتے ہی مشین چالو کردی جاتی۔ گھر بھر فرش پر گدے بچھائے محو استراحت ہوجاتا۔ ثانیہ کو یوں سب کا اپنے کمرے میں گھس کر آرام کرنا بے حد کھلتا تھا۔ لیکن ابھی وہ زبان کھول نہیں رہی تھی' بس برداشت کر رہی تھی' عبدالوہاب نے اب رنگین ٹیلی ویژن اور وی سی آر بھی بھجوا دیا تھا۔ خورشید بیگم کی اس پرانی حویلی میں تو کوئی اور ہی دنیا سج گئی تھی۔

جمعرات کی رات کو بڑے اہتمام سے رات بھر وی سی آر پر فلمیں دیکھنے کا اہتمام ہوتا اور سارا جمعہ سو کر گزارا جاتا۔ زندگی پتا نہیں سہل ہوئی تھی کہ مشکل' لیکن رحمت کا فرشتہ اب دروازے سے لوٹ کر جانے لگا تھا۔ گھر کے مکین اب دن چڑھے تک سونے لگے تھے۔

دونوں چھوٹیاں اب شادی کے قابل تھیں اور لڑکے بھی۔ وردہ تن دہی سے اپنی پڑھائی میں مشغول تھی۔ عبدالوہاب اس کا سارا خرچا اٹھائے ہوئے تھا۔ عبدالرحمن اب عبدالوحید کی دکان کا بلاشرکت غیرے مالک بن گیا تھا۔ آمدنی کا کچھ حصہ وہ صفیہ کو دیتا تھا' باقی ماں کو۔ جب کہ خورشید بیگم اب روایتی ساس بن کر سوچنے لگی تھیں کہ جب ان کا سارا خرچا پانی عبدالوہاب اٹھا رہا ہے تو الگ سے پیسے دینے کی کیا ضرورت ہے اور یہی سوچ تعلقات میں رفتہ رفتہ خرابی کا سبب بنے لگی۔

وردہ کے علاوہ بھی پانچ بچیاں تھیں۔ بیٹا تھا۔ اپنی ضروریات پر تو صفیہ نے بند باندھ دیا تھا لیکن بچیوں کی سو قسم کی ضرورتیں تھیں جو عبدالرحمان کے دیے گئے ان قلیل روپوں سے وہ کھینچ تان کر پورا کرتیں ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ وردہ ڈاکٹر بن جائے۔ وردہ سے چھوٹی رانیہ اور حدیقہ ایف اے میٹرک تک پہنچ چکی تھیں۔ جتنی مدد وہ وردہ کے لیے لے رہی تھیں' اب وہ باقیوں کے لیے لیتے ہوئے شرم محسوس کرتی تھیں۔ پہاڑ سی زندگی اور چھ چھ بیٹیاں' وہ واقعی سمجھ نہیں پائی تھیں کہ وہ اتنے ڈھیر سارے فرائض عبدالوحید کے بغیر کیسے پورے کر پائیں گی۔

انہوں نے عبدالرحمن سے کچھ زیادہ پیسوں کا تقاضا کیا تھا۔ رانیہ کے سارے کپڑے بوسیدہ ہو چکے تھے۔ اسے ایک دو جوڑوں کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں نے اپنا ٹرنگ بھی کھنگالا تھا۔ جہیز کے کچھ ان سلے کپڑے بچے

پڑے تو تھے مگر وہ سارے فینسی تھے۔ بالآخر کوئی راہ نہ پا کر انہوں نے جھجکتے ہوئے عبدالرحمن سے ہی کہہ دیا تھا اور عبدالرحمن نے بنا کسی عذر اگلے روز شام کو ان کی مطلوبہ رقم تھمائی تو خورشید بیگم کا پارہ ہائی ہوگیا۔ وہ سنائیں وہ سنائیں کہ صفیہ کا دل ہی ڈوبنے لگا۔ اتنی بڑی بات تو تھی نہیں۔ انہیں ضرورت کے لیے ان ہی لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے تھے۔ خورشید کو سمجھانے کی کوشش کی' لیکن وہ تو بڑے دنوں سے غصے میں تھیں۔ لڑکوں کو حکم دے دیا کہ ان کا سامان اوپر والے پورشن میں شفٹ کردیا جائے۔

اپنا کھائیں پکائیں' اپنی ضروریات خود پوری کرنے کی کوشش کریں۔ صفیہ کے پاس سوائے خاموشی کے چارہ نہ تھا۔ بحث کرتیں تو کہیں وردہ کا خرچا بھی بند نہ ہوجاتا۔ سو عافیت اسی میں تھی کہ ہر زیادتی چپ کرکے سہہ لی جائے' عبدالرحمن نے انہیں تسلی دی تھی کہ وہ انہیں رقم اسی باقاعدگی سے دے گا۔ وہ ٹینشن نہ لیں۔ لیکن حقیقت یہ بھی تھی اس معمولی رقم سے زندگی کی گاڑی گھسیٹنا مشکل ترین امر تھا۔

صفیہ نے اپنی سلائی مشین نکال لی' ہنر ان کے ہاتھ میں تھا اور اب اس سے فائدہ اٹھانے کا یہی صحیح وقت تھا۔ انہوں نے اردگرد کے گھروں سے کپڑے اٹھانے شروع کیے' بہت خوب صورت سلائی کرتی تھیں۔ چند ہی دنوں میں انہیں کافی گھروں سے کپڑے ملنے لگے۔

رانیہ جو آج کل فارغ تھی' ماں کے ساتھ بیٹھنے لگی اور دیکھتے دیکھتے ہی اس نے سلائی' کٹائی سیکھ لی۔ دوست کے گھر سے وہ فیشن میگزین لے آتی اور ہر ڈیزائن ہو بہو تیار کرنے لگی۔ صفیہ کو آسرا ہوگیا' رانیہ جلد ہی خود بھی کپڑے ڈیزائن کرنے لگی اور ایک بوتیک پر بھی کپڑے رکھوانے لگی۔ خورشید بیگم کی انا کو شدید ٹھیس پہنچی۔ ان سے پوچھے بغیر بہو اور بیٹیاں کاروبار کرنے لگی تھیں۔ انہوں نے اوپر آکر صفیہ بیگم کو خوب ہی لتاڑا۔ اپنی ناک کٹ جانے کا واویلا مچایا۔ وہ حیران تھیں کہ اگر انہوں نے زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا شروع کردیا ہے تو کسی کی بھی زبان پر حرف کیوں آنے لگا ہے؟

وہ عبدالوہاب کو بھاوج اور بھتیجیوں کے کرتوں کا ایسا نقشہ کھینچ کر سناتیں کہ دور دیس بیٹھے عبدالوہاب کا دل کھٹا ہوجاتا۔ اصل میں اب خورشید بیگم وردہ کا خرچا بند کروانا چاہتی تھی۔ تکلیف تو ثانیہ کو بھی بہت تھی کہ اس کا شوہر اپنی کمائی بھیجی پر لٹا رہا ہے اور اب تو اکثر جب بھی عبدالوہاب کا فون آتا وہ صفیہ کے کاروبار کی وہ تعریفیں کرتی گویا بس ان کا کاروبار ہی بھرپور منافع دے رہا تھا۔ لیکن اس معاملے میں عبدالوہاب نے کسی کی ایک نہ سنی تھی۔ اللہ نے عبدالوہاب کو چاند سا بیٹا عطا کیا تو وہ بھاگا بھاگا پاکستان آیا اور اپنے بچے کے ساتھ بھائی کے بیٹے کے لیے بھی بہت ساری چیزیں لایا۔ ثانیہ کے آگ تو لگی سو لگی۔ خورشید بیگم کے بھی تلوں سے لگی تو سر پر جا کر بجھی۔ انہوں نے فوراً ساری چیزوں پر فیصلہ کیا

''یہ میرے نومی کا حق ہے۔'' کہہ کر ساری چیزیں الماری میں گھسیڑ دیں اور بازار سے جا کر سستا سا ایک جوڑا ایک ریڑھی پر بکنے والا پلاسٹک کا گھوڑا لادیا۔ ان کی اوقات یہی تھی۔

صفیہ بیگم وقت کی ستم ظریفی پر مسکرا بھی نہ سکیں۔ جہانزیب ان کا منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہونے والا بیٹا اور پوتا تھا۔ باپ سر پر نہیں رہا تھا تو بھی انہوں نے بیٹے کے ناز اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

وردہ ایم بی بی ایس کے پہلے سال میں پہنچ گئی تھی۔ مہینے دو مہینے بعد گھر آتی۔ اسے ان سب کا خواب پورا کرنا تھا۔ ماں کا سہارا بننا تھا۔ چھوٹی بہنوں کی فکر کرنا تھی۔ وہ وقت سے پہلے سمجھدار ہوگئی تھی۔ لڑکیوں والی کوئی شوخی اس میں تھی ہی نہیں۔ سنجیدہ اور بردبار' جن حالات میں وہ ایم بی بی ایس کررہی تھی' وہاں ویسے بھی کسی دوسری خرافات کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

رانیہ ایف اے کرچکی تھی اور ماں کے ساتھ سلائی میں پورا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اس کا ڈیزائننگ والا شوق اس کے کام آرہا تھا کہ ایک اور مصیبت آگئی۔ خورشید بیگم نے

عبدالرحمٰن اور اعجاز احمد کے ساتھ ساتھ سجیلہ کا بھی رشتہ طے کردیا اور تین ماہ بعد ہی شادی بھی رکھ دی لیکن یہ شادی وہ نئے گھر میں کرنا چاہ رہی تھیں۔ جانے کب سے انہوں نے یہ حویلی بکنے پر لگا رکھی تھی اور کسی کو یا کم از کم صفیہ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی۔ صفیہ تو مبارک باد دینے نیچے آئیں تھیں اور یہ کہ شادی کے سارے کپڑے وہ اور رانیہ خود سئیں گی مگر خورشید بیگم کی نفرت اور حقارت کا کوئی عالم نہ تھا۔

''اے درزی مر گئے کیا شہر کے جو میں تم سے کپڑے خراب کرواؤں' اتنا مہنگا کپڑا بھیجا ہے عبدالوہاب نے' سب سے اچھا درزی بٹھاؤں گی میں۔'' خورشید بیگم نے ہاتھ پر لوشن مل کر اس کی خوشبو سونگھی۔

''جیسی آپ کی مرضی امی۔'' وہ سر جھکا کر رہ گئیں۔

''اچھا تم نے سن تو لیا ہوگا کہ حویلی بیچ دی میں نے۔'' صفیہ نے گھبرا کر ساس کی طرف دیکھا۔

''اچھا' مگر کیوں؟'' وہ اتنا ہی کہہ سکیں۔

''بس پرانا ہوگیا یہ گھر' ڈیفنس میں لے لیا۔ بنگلہ عبدالوہاب نے۔ اس سے تو چھوٹا ہے مگر ہے بڑا شاندار' باہر ایک باغیچہ بھی ہے اور ہر کمرے کے ساتھ الگ باتھ روم' محل سے مخل۔'' ان کا غرور اور فخر سے دمکتا چہرہ۔ ''اللہ سلامت رکھے میرے عبدالوہاب کو' جی! آمین۔'' وہ دعا گو ہوئی۔

''میں نے عبدالرحمٰن سے کہہ دیا ہے تم لوگوں کے لیے کرائے کا کوئی چھوٹا موٹا دو کمروں کا گھر دیکھ لے۔''

''جی.....!'' اصل دھماکا تو ہوا ہی اب تھا' یعنی وہ ان کے ساتھ نئے گھر میں نہیں جا رہے تھے۔ وہ بیٹھے سے کھڑی ہوگئی پھر بیٹھ گئی۔ اضطراب نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کرلیا تھا۔

کہاں جائیں گی وہ سات بچوں کو لے کر اور اکیلی کیسے رہیں گی۔ یہ تو بھرا پرا گھر تھا اور پھر کرایہ یوٹیلی بلز' سو خرچے ہوتے گھر چلانے کے لیے۔ کہاں سے آئے گا اتنا پیسہ' لے دے کے ایک دکان کی آمدنی کا کچھ حصہ' جس سے دونوں چھوٹیوں کی فیس ادا ہو جاتی۔

''امی..... میں کیسے..... بچوں کے ساتھ..... اکیلی..... کہاں سے کروں گی۔'' ان کے آنسو چھلک اٹھے۔

''دیکھ صفیہ.....'' خورشید کے لہجے میں رحم کا شائبہ تک نہ تھا۔

''میرے بیٹے کب تک تمہارا بوجھ اٹھاتے پھریں گے' شادیوں کے بعد ان کے اپنے بچے ہوں گے' سو خرچے اور تمہارے ایک نہ دو پورے سات بچے۔ شکر کرو عبدالوہاب نے بڑی کے کالج کا خرچہ اٹھا رکھا ہے ورنہ کون دیتا' آج کل' آج اس کا ایک بچہ..... کل دو تین' وہ تمہارے بچوں کے بارے میں سوچے گا کہ اپنے بچوں کے بارے میں' تمہیں اب خود ہی ہمت کرنا ہوگی..... ایک تو تو پیدائشی بدقسمت ہے۔ پہلے ماں باپ کو کھا گئی اور پھر شوہر کو بھی..... تجھے اپنی زندگی کا نظام کیسے چلانا ہے تو خود ہی سوچ اور دس پندرہ دن میں ہی سوچ کیونکہ ہم نے اسی مہینے یہ حویلی خالی کردینی ہے۔''

رشتے اتنے سفاک بھی ہوسکتے ہیں۔ صفیہ سر جھکائے بیٹھی رہیں' ان میں اٹھ کر اوپر جانے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ آنسو گود میں رکھے ہاتھوں کو بھگوتے رہے۔

''دادی ٹھیک کہتی ہیں امی۔'' رات کو جب انہوں نے وردہ کو رو رو کر فون پر سب کچھ سنایا تو اس نے جواب میں یہی کہا کہ دادی ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم کب تک دوسروں کا منہ دیکھتے رہیں گے۔

''ایک نہ ایک دن تو یہ سب ہونا ہی تھا۔ چلو اب ہوگیا۔ اب پریشان نہ ہوں۔ چاچو جو گھر ڈھونڈ کر دیتے ہیں ٹھیک ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔'' وردہ تسلی دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ میڈیکل کی مشکل پڑھائی اسے کچھ اور کرنے کا خیال بھی نہیں آنے دیتی تھی۔ گھر کا انتظام ہوگیا اور صفیہ بچوں کو لے کر وہاں شفٹ ہوگئی تھیں۔

صفیہ کو خورشید بیگم نے کہا تھا کہ انہیں اپنے بارے میں خود ہی سوچنا ہے۔ تو انہوں نے کمر کس لی تھی۔ ''سلائی سینٹر'' کھولنے کے ساتھ ساتھ حمنہ اور فاریہ نے شام کی ٹیوشنز پکڑ لی تھیں۔ کالج سے آنے کے بعد وہ شہر کے پوش علاقوں میں ٹیوشنز پڑھانے چلی جاتیں۔ انہیں معقول معاوضہ مل جاتا تھا' چار پانچ گھنٹے کی ٹیوشنز کے بعد انہیں اتنی رقم مل جاتی تھی کہ وہ اپنی اور چھوٹی بہنوں کی فیسیں ادا کرسکیں۔

خورشید بیگم نے شادی کا کارڈ اعجاز اور چھوٹی رضیہ کے ہاتھ بھجوایا۔ وہ جانا چاہتی تھیں' لیکن ساتھ آیا کپڑوں کا بنڈل ان کی عزت نفس پر تازیانہ بن کر لگا۔ خورشید بیگم نے اپنی اور تانیہ کی اترن بھجوائی تھی کہ کانٹ چھانٹ کر پورے کرلیے جائیں اور یہ کہ ان کے سمدھی بہت اونچے لوگ ہیں۔ اس لیے کم قیمت کپڑے پہن کر ان کی عزت کو داغدار نہ کیا جائے۔ صفیہ نے وہ بنڈل شکریے کے ساتھ واپس کردیا تھا۔

''میں کوشش کروں گی کہ اپنی محنت کے بل بوتے پر ان کے شایان شان شادی میں شامل ہوسکوں۔'' اعجاز اور رضیہ بنڈل واپس لے گئے۔ خورشید بیگم کو ان کی خودسری ایک آنکھ نہ بھائی اور گھر آکر بے نقط سنا گئیں۔ صفیہ نے خاموشی سے سب سنا اور شادی میں شریک ہونے سے خود کو روک لیا۔ لیکن مہندی کی رات عبدالوہاب لینے آگیا۔ اس کی آنکھ میں شرم و حیا باقی تھی۔ بڑے بھائی کی محبت بھی دل میں تھی اور وہ جانتا تھا اگر خفیہ طور پر بڑا بھائی اسے ایک معقول رقم نہ دیتا تو وہ کبھی باہر نہ جا پاتا اور وردہ کی تعلیم کا خرچا اٹھانا اسی احسان کو اتارنے کی ایک کوشش تھی۔ صفیہ لاعلم تھیں لیکن وردہ کی وجہ سے وہ اس کی احسان مند تھیں۔ سودیور کا مان رکھ لیا اور اس کے ہمراہ چلی گئیں۔ کسی نے انہیں دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بس رسمی علیک سلیک' انہوں نے خاموشی سے فنکشن میں شرکت کی اور چلی آئیں۔ بچا کر رکھے گئے کچھ روپے اور ساس سسر کا جوڑا' کسی نے نہیں پوچھا۔ بچیاں کیوں نہیں آئیں۔ گھر آئی تو سب کے لبوں پر ایک ہی سوال تھا۔

''دادی ٹھیک طرح سے ملیں..... کچھ کہا تو نہیں؟''

صفیہ نے کچھ جواب نہیں دیا اور خاموشی سے لیٹ گئیں تھیں۔ عبدالوحید کی یاد اس رات ساری دیواریں پھاند کر اودھم مچانے آگئی تھی اور ان کا تکیہ ساری رات بھیگتا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

وردہ کا ایم بی بی ایس مکمل ہوا ساتھ ہی چھوٹا جہانزیب اسکول میں داخل ہوگیا تھا۔ ان چھ سات سالوں میں صفیہ نے بہت کڑا وقت بھی دیکھا اور خوش اسلوبی سے صدیقہ اور رانیہ کے فرض سے سبکدوش ہوگئیں۔ وہ کسی بھی بیٹی کو زیادہ دیر بٹھائے رکھنے کی اہل نہیں تھیں۔ رانیہ کے لیے رشتہ اس کی ایک دور کی کزن لے کر آئی تھی۔

لڑکا اکیلا تھا۔ نہ ماں نہ باپ' ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں سپروائزر تھا۔ صفیہ نے تھوڑی سی چھان بین کرائی اور ہاں کردی۔ وہ وردہ کی شادی پہلے کرنا چاہتی تھی' لیکن اس نے سختی سے منع کردیا تھا کہ ایسا تو وہ سوچے بھی ناں..... عبدالوہاب نے یہاں بھی خاموشی سے اپنا کردار نبھایا تھا۔ حویلی میں جو ان کا حصہ بنتا تھا' اس کی رقم وہ صفیہ کو دے گیا تھا۔ شادی انہوں نے نہایت سادگی سے کی تھی۔ چند جوڑے کپڑے' ضرورت کے برتن' ایک بیڈ اور الماری۔ یہ ساری چیزیں انہوں نے صدیقہ اور رانیہ کے کمائے ہوئے پیسوں سے ہی خریدی تھیں۔ رانیہ اسلام آباد چلی گئی' صدیقہ بہاولنگر..... وردہ واپس آگئی۔ ہاؤس جاب اس نے اپنے ہی شہر کے ہاسپٹل سے کیا اور پھر اسی ہاسپٹل میں اپلائی بھی کردیا ایک خیراتی اسپتال تھا' لیکن تنخواہ اچھی تھی۔ ساتھی ہی اس نے گھر میں بھی چھوٹا سا کلینک بنالیا' بس محلے کی عورتوں کا علاج' پہلے تو کسی نے اس چھوٹی سی لڑکی کو قابل ہی نہ سمجھا' پھر آہستہ آہستہ مریضوں کی تعداد بڑھنے لگی' زندگی میں کچھ آسانی آگئی۔ اب انہوں نے نسبتاً بہتر علاقے میں گھر لے لیا اور نچلے

حصے میں وردہ نے کلینک بنالیا تھا۔

دو کمرے تھے۔ برآمدہ' سیکنڈ ہینڈ فرنیچر ڈلوا کر اس نے کافی حد تک اس کو سیٹ کرلیا۔ اوپر والے حصے میں رہائش رکھ لی گئی۔ زندگی محض مشقت سے عبارت تھی۔ سال کے وقفے سے اس نے چھوٹی حمیرا کو بھی اپنے گھر کا کردیا۔ اس نے اور صفیہ نے شروع دن سے ایک ہی اصول رکھا' زیادہ ڈیمانڈ نہیں۔ برسر روزگار لڑکا' اچھی شریف فیملی' اس سے زیادہ نہ سوچا نہ چاہا اور اللہ کا شکر تھا۔ لڑکیاں اپنے گھروں میں سکھی تھیں' صفیہ چاہتی تھیں اب وردہ بھی شادی کرلے لیکن وہ تیار ہی نہیں تھی' جب تک ساری بہنیں اپنے گھروں کی نہ ہوجاتیں اور جہانزیب کسی قابل نہ ہوجاتا' وہ اس خواہش کو پال ہی نہیں سکتی تھی۔

پھر ایک دن سالار آپا ان کے گھر بڑی پھوپو کا سب سے چھوٹا بیٹا' وردہ سے کوئی چار پانچ سال چھوٹا تھا مگر قد کاٹھ خوب نکالا تھا۔ صفیہ عرصے بعد سسرال سے آئے کسی فرد کو دیکھ کر خوش ہوئیں۔ فرداً فرداً سب کا حال پوچھا' سالار کی خوب آؤ بھگت بھی کی۔ وہ جھجکتا رہا۔ اسے بولنے کی اور وہ بھی بے تحاشا بولنے کی بیماری تھی۔ جتنی دیر بیٹھا رہا' ماحول خوشگوار بنائے رکھا۔ صفیہ کو خوشی ہوئی تو لڑکیاں بھی اپنے شوخ اور ہینڈسم کزن سے مل کر خوش ہوئیں۔ وردہ کلینک میں مصروف تھی اوپر نہیں آسکی' لیکن وہ جاتے ہوئے اس سے ہیلو ہائے کرنے آگیا۔

''مجھے ڈاکٹرز لڑکیاں پسند نہیں۔'' سلام دعا کے بعد بیٹھتے ہوئے اس نے جو پہلی بات کی ڈاکٹر وردہ نے چونک کر اس لاپرواہ سے لڑکے کو دیکھا۔

''آپ کی مرضی ہے۔'' وہ بال پین کو ہولے ہولے ٹیبل پر بجاتی رہی۔ یہ اس کے مضطرب ہونے کی نشانی تھی۔ اسے سالار کے اٹھ کر چلے جانے کی جلدی تھی۔

''ڈاکٹر وردہ.....'' پورے کلینک کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس کو مخاطب کیا۔ وردہ نے ناگواری سے دیکھا۔

''میں تم سے بڑی ہوں' سالار' کوئی باجی' آپا.....'' وہ اس کی بات پر زور سے ہنسا۔

''باجی' آپا.....؟ اصل میں آپ مجھ سے سالوں بعد ملی ہیں ناں اس لیے مجھے جانتی نہیں۔ یہ باجی..... آپا..... بہن..... میں یہ تکلف نہیں پالتا۔ سب کو نام لے کر بلاتا ہوں۔ میری نیت صاف ہے' رشتہ' رشتہ ہوتا ہے۔ پکارنے سے یا نام رکھ لینے سے کوئی فرق نہیں آتا رشتے میں' اپنی وے۔ میں اب آتا جاتا رہوں گا۔ اچھا لگا مل کر آپ سے۔'' باقی خوں ''اس نے آپ سے'' پر زیادہ زور دیا تھا۔ وردہ چہرے پر ناگواری لیے دیکھتی رہی۔ وہ کوئی امپچور لڑکی تو تھی نہیں' جو اس کی بے سروپا باتوں پر کوئی ردعمل ظاہر کرتی۔ خاموشی سے ہنستی رہی اور اس کے اٹھ جانے پر سکون کا سانس لیا۔

دن گزر رہے تھے۔ بہت اچھے نہیں تو بہت برے بھی نہیں۔ لیکن وردہ کے لیے زندگی جیسے ٹھہر سی گئی تھی۔ باپ کی بے وقت موت نے اسے جیسے زندگی کو جینا ہی بھلا دیا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو جوانی میں بڑھاپا گزارتے دیکھا تھا اور ماں کے اندر کا دکھ اس کے دل سرائیت کرگیا تھا۔ بیوہ ماں اور بھائی بہنوں کے سوا اسے کچھ دکھتا ہی نہ تھا۔ اس نے کبھی جی بھر کر خود کو آئینے میں نہیں دیکھا تھا کہ آنکھوں کی بے رونقی اس سے کہیں کوئی سوال نہ کر بیٹھے۔ اب باقی بہنوں کی شادیوں کے ساتھ بیاہی بہنوں کے سو چونچلے بھی پورے کرنے پڑتے تھے کہ انہوں نے سسرال میں منہ دکھانا ہوتا تھا۔ ایک واحد رانیہ تھی جو کبھی کوئی ڈیمانڈ لے کر نہیں آئی تھی لیکن اس کا اب تک بے اولاد ہونا بہت بڑا دکھ تھا۔ صفیہ کتنی منتیں مان چکی تھی لیکن رانیہ کی گود ابھی خالی ہی تھی جب کہ حمیرا اور نبیلہ دو دو بچوں کی مائیں بن گئی تھیں۔ صدیقہ ایک بیٹے کی۔

چھوٹی پھوپو کی شادی کا کارڈ آیا تو ایک بار پھر انہیں ان کی کم مائیگی کا احساس دلا گیا۔ خورشید بیگم نے اب کی بار بھی اونچا گھر ڈھونڈا تھا اور ہمیشہ کی طرح اچھے کپڑے پہننے کی تاکید کی تھی۔ شکر تھا کہ اب کی بار انہوں نے قیمتی کپڑے نہیں بھجوائے تھے۔ بس ہدایات بھجوائی تھیں۔ انہوں نے خاموشی سے تیاری کی اور صفیہ اور وردہ شادی

میں شرکت کے لیے پہنچ گئیں۔ خلاف توقع پھوپیوں نے وردہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ہر فیملی سے ایک آدھ بچہ ڈاکٹر بن ہی رہا تھا۔

شادی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ اس گھر کی آخری شادی تھی۔ سو خورشید بیگم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دنیا کی ہر نعمت انہوں نے بیٹی کو جہیز میں دے ڈالی تھی۔ وردہ عرصے بعد اپنے کزنز سے مل رہی تھی۔ ماشاء اللہ سب جوان اور اپنی اپنی فیلڈ میں کامیاب تھے۔ صفیہ کے دل میں ہوک اٹھ رہی تھی کہ کوئی پھوپی اپنی بھتیجیوں کا خیال ہی کرلے لیکن ان کے رویے انہیں کوئی بھی خوش کن امید باندھنے سے منع کرتے تھے۔ شادی کے اختتام پر خورشید بیگم نے صفیہ کو روک لیا تھا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ وردہ اندر کہیں شاید کزنز کے ساتھ تھی۔

"کیسی گزر رہی ہے صفیہ؟" بالآخر خورشید بیگم فراغت پاتے ہی آن بیٹھیں۔

"شکر ہے اللہ کا۔ پیٹ بھر کر کھاتے بھی ہیں' تن بھی ڈھک جاتا ہے۔" صفیہ کے چہرے پر طمانیت تھی۔

"تو اب کیا ساری عمر بیٹی کی کمائی سے ہی پیٹ بھرنے کا ارادہ ہے؟" خورشید بیگم نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔ صفیہ چونک کر سیدھی ہوئیں۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں اماں جی' وہ اپنی مرضی سے....."

"بس کرو صفیہ' جب سارے زمانے کی ذمہ داری اس کے ناتواں کندھوں پر ڈال دو گی تو وہ کیا انکار کرے گی۔" خورشید بیگم نے بات کاٹ کر بہت طنزیہ کہا تھا۔ صفیہ تڑپ اٹھیں۔

"ایسی بات نہیں ہے اماں جی۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ ایک لمحے کی تاخیر نہ کروں لیکن وہ میری سنتی کہاں ہے۔ آپ سمجھائیں ناں اسے۔"

"ارے چھوڑو۔ تم نے بچوں کے دل میں دوھیال کی محبت اور عزت رہنے کہاں دی۔ آئے کبھی ملنے' سلام کرنے؟ چلو مصروفیت کے باعث ہم بچوں کی شادی پر نہیں آسکے لیکن کیا رشتہ ٹوٹ گیا ہمارا؟" وہ ہمیشہ کی طرح اسے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی تھیں۔ صفیہ کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا کہہ بھی سکتی تھیں لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

خورشید بیگم اور بھی بہت کچھ سناتی رہیں' جس کا لب لباب یہ تھا کہ انہیں بیٹیوں کی کمائی کھانے کا چسکہ پڑ گیا ہے۔ وہ دُکھے دل کے ساتھ واپس آئیں۔ وردہ بھی کچھ چپ چپ تھی لیکن دونوں کی چپ میں فرق تھا کچھ اور دن بیت گئے۔ سالار کا آنا جانا بہت بڑھ گیا تھا۔ صفیہ اسے روکنا چاہتی تھیں۔ وہ کسی بھی قسم کی تہمت یا الزام سہارنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔ سو اب صفیہ نے دبے لفظوں اس کے زیادہ آنے پر اعتراض کرنا شروع کردیا تھا لیکن وہ بھی ایک کان سے سنتا' دوسرے سے اُڑا دیتا۔

وہ دھڑلے سے آتا' چائے' کھانا' جو دل چاہتا آرڈر کرتا۔ کبھی کبھار بازار سے پیک کروا کر ساتھ لے آتا یا پھر جہانزیب کو بائیک پر بٹھا کر گھماتا رہتا۔ اس نے کبھی چھوٹی لڑکیوں سے فرینک ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایک حد میں رہ کر بات کرتا جبکہ ڈاکٹر صاحبہ کے ہر کام میں ضرور دخل اندازی کرتا لیکن اس بات کو لے کر کبھی کسی کے دل میں کوئی غلط خیال نہیں آیا تھا کہ دونوں کی عمروں میں اچھا خاصا فرق تھا۔ صفیہ کے خدشات بھی اس نے ختم نہیں کیے تو کسی حد تک دُور ضرور کردیے تھے۔ زندگی رواں دواں تھی کہ ایک دم سے کہانی میں موڑ آیا۔

سالار احمد نے ممانی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کرکے گویا بم پھوڑ دیا۔ صفیہ کئی لمحے سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"میں نے کچھ غلط کہہ دیا مامی؟" صفیہ کی طویل خاموشی پر اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں' تم سب کچھ غلط کرنے پر تلے ہو۔" صفیہ نے سر جھٹک کر خود کو مصروف کرلیا۔

"اپنی ماں کو جانتے ہو؟ اسے جس دن بھنک مل گئی کہ تم یہاں بلا ناغہ آتے ہو وہ اسی روز مجھے اور میری بیٹیوں کو چوک میں ٹانک دے گی۔ سالوں کی محنت سے میں نے یہ حصار بنایا ہے اور تم اس کو ایک پل میں ملیامیٹ کرنے پر تل گئے ہو۔ آئندہ تم یہاں مت آنا۔" صفیہ نے فیصلہ سنادیا۔

اس کی ایک خواہش کے بدلے جو تاوان انہیں چکانا پڑتا' وہ اس کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ سسرال والوں نے تو پہلے ہی ناتا توڑ رکھا تھا۔ کبھی لڑکیوں کی خودسری کو جواز بنایا' کبھی صفیہ کو زبان دراز مشہور کیا' تو اب کیا بعید تھا۔ سالار نے آنا نہیں چھوڑا لیکن کم کردیا۔ صفیہ نے اشارتاً لڑکیوں کو بھی سمجھادیا لیکن معاملہ ختم نہ ہوا۔ سالار نے آنا تو کم کردیا لیکن اب وہ دن میں دو بار ڈاکٹر وردہ کو فون کرنا نہ بھولتا۔ بات حال چال پوچھنے سے شروع ہوئی اور پھر گفتگو کا دورانیہ بڑھنے لگا۔

پہلے پہل تو وردہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر فون بند کردیا کرتی تھی' پھر اس کی بے سروپا باتوں کو سننے لگی' دھیان دینے لگی۔ اس کے سنائے لطیفوں پر ہنسنے بھی لگی اور اس سب کا خاطر خواہ اثر یہ ہوا کہ اس کی شخصیت پر چھایا سنجیدگی کا جمود ٹوٹنے لگا۔ وہ خوامخواہ ہی خود پر دھیان دینے لگی۔

صفیہ خوش ہوئیں کہ اس نے خود پر توجہ دینا شروع کردی ہے۔ اسی اثناء میں رانیہ ایک رشتہ بھی لائی' جو کہ انجینئر لڑکے کا تھا لیکن وردہ نے ایک بار پھر انکار کردیا۔ صفیہ نے زور ڈالا۔ وہ ساس کی باتیں بھولی نہیں تھیں لیکن وردہ کی ایک ہی ضد تھی جب تک باقی تینوں بہنوں کی شادی نہیں ہوجاتی اور جہانزیب کم از کم کالج نہیں پہنچ جاتا' وہ ایسا سوچے گی بھی نہیں۔ صفیہ نے ایک بار پھر ہار مان لی لیکن اب کہ انہوں نے پہلے چھوٹیوں کا بیاہ جلد از جلد کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ چاہتی تھیں وردہ کی ساری ذمہ داریاں جلد از جلد پوری ہوں اور وہ اپنے بارے میں بھی سوچے۔

اور وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ وردہ اپنے بارے میں سوچنے لگی ہے۔ بھلے یہ سوچ ابھی تک واضح نہیں تھی لیکن لاشعوری طور پر وہ ایک دروازہ کھول چکی تھی' جس سے سالار احمد اندر آن براجمان ہوا تھا۔

اس روز وہ نائٹ ڈیوٹی کرکے لوٹی تھی۔ سونے کی کوشش میں تھی کہ صفیہ نے آکر بتایا' سالار آیا ہے اسے لینے' اس کی ماں کی طبیعت بے حد خراب ہے۔ وردہ فوراً اٹھ گئی جبکہ صفیہ شش و پنج میں تھیں۔ انہیں سالار کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ وہ وردہ کو روکنا چاہتی تھیں لیکن روک نہ سکیں۔ وردہ منہ پر چھپاکے مار سالار کے ساتھ بیٹھ کر چلی گئی۔ صفیہ نے ابھی تک وردہ کو سالار کی خواہش کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ وہ جانتی تھیں سالار کی ماں کبھی سالار کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دے گی اور کچھ عرصہ بعد سالار خود بھی اپنی ہم عمر بیوی پاکر یہ سب بھول بھال جائے گا۔ انہوں نے تھوڑی دیر بعد وردہ کا نمبر ملا کر نند کا حال چال پوچھا اور قدرے مطمئن ہوگئیں۔

خلاف توقع پھوپو گرم جوشی سے ملیں۔ فالج کا ہلکا سا اٹیک ہوا تھا' جسے وہ اپنی سخت جانی کے باعث جھیل گئی تھیں۔ دوپہر کو کھانے پر خاص اہتمام کروایا' اس کا سر پھٹ رہا تھا۔ وہ گھر جاکر کچھ دیر سونا چاہتی تھی لیکن پھوپو اسے آنے نہیں دے رہی تھیں۔ کھانا کھلایا' چائے پلائی اور آرام کرنے کے لیے کمرہ بھی دیا۔ وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ مزید انکار نہ کرسکی اور پڑ کر سوگئی۔

صفیہ گھر میں پریشان ہوتی رہیں۔ وہ سو کر اٹھی تو شام کے سائے گہرے ہوچکے تھے۔ پھوپو سے اجازت چاہی' سالار چھوڑنے آیا اور گہرے ہوتے سایوں میں اس نے کئی جگنو وردہ کی مٹھی میں تھما دیے تھے۔ وہ اپنے اور اس کے بیچ عمر کے تفاوت کو سمجھتی تھی' لیکن غیر ارادی طور پر مسکرائے گئی اور اس رات جب اس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو پہلی بار دل محبت کی تال پر محو رقص تھا۔

وردہ کی خاموشی نے سالار کے حوصلے کو شہ دی اور اب وہ برملا اپنی محبت کا اظہار کرنے لگا۔ کبھی آئس کریم

کھلانے کے بہانے' کبھی ماں کے چیک اپ کے بہانے۔ وہ اکثر اسے اپنے ساتھ بائیک پر بٹھالے جاتا۔ صفیہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں لیکن خاموش تھیں۔ وہ کچھ کہہ کر بیٹی کا دل برا نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ سالار ان کی بیٹی کے جذبات سے کھیلے اور تب ہی انہوں نے سالار کو کہہ دیا تھا کہ وہ ماں کو لے کر آئے اور وہ ماں کو لے بھی آیا۔

صفیہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ انہیں اپنی نند کے اتنی جلدی مان جانے کا اندازہ نہیں تھا۔ نند صاحبہ سترمنٹ بیٹھیں اور اپنی امارت کے قصے ہی بیان کرتی رہیں۔ گھر میں کتنی مشینیں تھیں اور کس برانڈ کی۔ برانڈڈ کپڑے' جوتے' سارے خاندان کی' خاندان کی لڑکیوں کی باتیں کرلیں' وردہ کا نام تک نہ لیا۔ ہاں جاتے وقت وردہ کو البتہ خوب پیار کیا اور ایک تعریفی جملہ بول کر دیپ جلا گئیں۔

اگلے دن سالار آیا تو چپ چپ تھا اور یہ چپ کئی دنوں تک چھائی رہی۔ بالآخر وردہ ہی نے توڑ نکالا اور چپ خوشی کے نغمے میں ڈھل گئی۔ سالار اپنا خواب پورا کرنے امریکہ سدھار گیا۔ اس کے لبوں پر خوشی دیکھنے کے لیے وردہ نے پیسے کا انتظام کہاں سے کیا' کوئی نہیں جانتا تھا۔ امریکہ جانے کی بھنک تو اس نے صفیہ کو بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ محبت عقل خور ہے۔ بڑے بڑے سیانے اس کے آگے پانی بھرتے نظر آتے ہیں۔

وردہ نے اپنی عمر کا سنہرا دور سنجیدگی اور ذمہ داری میں گزار دیا تھا' اب اس کے دل میں میٹھی میٹھی کسک نے جگہ بنائی تو اسے خیال آیا کہ اپنے بارے میں سوچنے کا اسے پورا حق حاصل تھا۔

تین ماہ تو سالار کی کوئی خیر خبر نہ آئی اور جب آئی تو وردہ کے لیے تحفے کے ساتھ آئی۔ اس نے موبائل فون بھیجا تھا اور ساتھ میں پرفیومز اور بیگز۔ وردہ کے چہرے پر رنگ بکھرے تھے۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں جگمگاتی انگوٹھی کو دیکھ کر مسکرائی تھی جو سالار نے جانے سے ایک دن قبل اسے تحفتاً دی تھی۔ بھلے سونے چاندی کی نہ تھی لیکن اس میں جڑے سرخ نگینے میں سالار کا دل دھڑکتا تھا اور وہ ہر پل اس دھڑکن کو اپنے دل کی دھڑکن کے قریب پاتی تھی۔

سال گزر گیا' سالار کے خوش رنگ وعدے اسے ملتے رہے اور وہ انہیں سینت سینت کر الماری' درازوں میں رکھتی رہی اور پھر اس کے وعدے رکھنے کی جگہ نہ رہی۔

❁.....❁.....❁

پانچ سال طویل عرصہ ہوتا ہے۔ اس نے کبھی سالار سے واپس آنے کا نہیں پوچھا۔

سالار نے بھی کبھی بتایا نہیں۔ وہ سر جھکائے مریضوں کی مسیحائی کرتی رہی اور اس کا مسیحا دور بیٹھا اسے ہجر کا زہر پلاتا رہا۔ خاندان میں کتنے موقع آئے' سب سے ملنے کے لیکن وردہ نہیں گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے سالار کے بارے میں کوئی ایسی خبر ملے جو وہ نہ جانتی ہو اور اس خبر سے وہ ٹوٹ کر بکھر جائے۔ باقی بہنیں بھی اپنے گھروں کی ہوگئی تھیں۔ جہانزیب میڈیکل کے پہلے سال میں پہنچ گیا تھا۔ اس کی سنجیدگی واپس پلٹ آئی تھی۔ صفیہ نے تو کچھ کہنا سننا ہی چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے بہت بار کوشش کی تھی کہ اس سے سالار کے بارے میں پوچھیں لیکن باوجود کوشش کے ہمت نہ کر پائی تھیں۔

پھر ایک دن وہ لوٹ آیا۔ بالکل اچانک۔

وردہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔ دبلا پتلا سا سالار' بھرے بھرے کسرتی جسم کے ساتھ ایک مضبوط و توانا مرد میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ چپ چاپ آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ جیسا ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا۔ وہ خاموشی سے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتی' مضطرب سی بیٹھی تھی۔ وہ تحفے نکالنے لگا۔

کپڑے' جوتے' بیگز' واچز' بریسلٹ۔

یہ ساری چیزیں اس کی کمزوری نہیں تھیں۔ نہ ہی اس نے ان چیزوں کو کبھی اہمیت دی تھی۔ پانچ سالوں نے اس کی الماریوں کو بھر دیا تھا۔

''میں نے تمہیں پل پل یاد کیا۔'' وہ بولا۔ وردہ سے

نظریں اُٹھانا مشکل تھیں۔ عمر کے پینتیس سال میں قدم رکھ رہی تھی اور ایک اٹھائیس' انتیس سال کے لڑکے کے سامنے اسے اپنا آپ سمیٹے رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اس کی آواز پر لبیک کہنا چاہتی تھی لیکن ہمت لبوں پر آ کر ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھی۔

''کون سا لمحہ ایسا تھا جس میں' میں نے تمہیں نہ سوچا ہو۔'' وہ ایک انتظار کی دیوار پر ٹنگی بے رنگی تصویر میں اپنی باتوں کے رنگ بھر رہا تھا۔ تصویر زندہ ہو رہی تھی۔

''اب کی بار میں تمہیں نیا موبائل دے کر جاؤں گا' واٹس ایپ والا۔'' اس نے چونک کر سر اُٹھایا۔ تصویر میں رنگ پھیلنے لگے۔ اس نے کمال مہارت سے آنکھیں صاف کیں اور چہرے پر زخمی مسکراہٹ لا کر بولی۔

''پھر سے جاؤ گے؟''

''اکیلا تھوڑی نہ جاؤں گا۔'' معنی خیزی لہجے میں در آئی۔ وہ نظر چرا گئی۔ اس شام امی سے اجازت لے کر وہ اسے کھانا کھلانے لایا۔ پھر بازار لے گیا' شاپنگ کروائی۔ وہ منع کرتی رہی' جو چیزیں وہ باہر سے لایا تھا' وہ ہی بہت زیادہ تھیں۔ رنگ ہی رنگ تھے۔ اس روز وہ بہت عرصے بعد خوش ہوئی تھی۔ دل کھول کر۔ سالار اگلے دن پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوا اور اس کے ہاتھوں میں خواہشوں کی رنگین تتلیاں تھما گیا۔ وہ تمام رات سو نہ سکی تھی لیکن صبح تازہ دم تھی۔ لاشعوری طور پر وہ پھوپو کی آمد کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔

ہاسپٹل جاتے ہوئے اس نے خوامخواہ اہتمام کر لیا تھا۔ پیلا رنگ اس پر کھلتا تھا' میچنگ بیگ اور جوتے آج اس کی تیاری کو نیا رنگ بخش رہے تھے۔ وہ بات بات پر کھلکھلا بھی رہی تھی۔ اس کی اس تبدیلی کو اسپتال میں بھی سب نے نوٹ کیا تھا۔ سہ پہر کو واپس گھر آئی تو سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ صفیہ اسی طرح کاموں میں مصروف تھیں' جیسا کہ روز ہوتی تھیں۔ کچھ نیا نہیں تھا۔ انہوں نے کچن میں جھانکا۔ کچھ خاص نہیں پک رہا تھا۔ دال چاول۔

''بھوک لگی ہے آپا؟'' نرمین نے اسے یوں جھانکتے دیکھ کر پوچھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ عجیب طرح کی بے قراری رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی۔ وہ بنا کچھ کھائے لیٹ گئی۔ صبح سے سالار کا بھی کوئی فون نہیں آیا تھا۔ کسی کل چین نہیں تھا۔ اس نے بیڈ پر سالار کی دلائی ہوئی ساری چیزیں بکھرا دیں اور ایک ایک چیز کو اُٹھا کر اس کی محبت کو محسوس کرنے لگی۔ اسے اپنی کیفیت پر خود حیرانی ہو رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔ نرمین اس کے لیے چائے لائی اور ساتھ میں خوش خبری بھی۔

''سالار بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک پہنچنے کا کہہ رہے تھے۔'' چائے کا ذائقہ یک لخت دوبالا ہو گیا۔ ایک گھونٹ کے بعد اس نے فوراً دوسرا گھونٹ لے لیا۔

''میں شام کو واپس چلی جاؤں گی آپا۔'' نرمین نے کہا تو اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ سترہ' اٹھارہ سال کی نرمین میں بلا کی سنجیدگی آ گئی تھی۔ شادی کے بعد تو وہ جیسے ہنسنا ہی بھول گئی تھی۔

''آج رُک جاتیں!'' وردہ نے اصرار کیا۔

''سسرال میں شادی آ گئی اچانک' مظہر نے تیاری کا کہا ہے۔ سو مجبوری ہے۔ آپ کو کوئی کام تھا؟'' کمرے کا پھیلاوا دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ہاں..... نہیں..... نہیں تو' تم جاؤ۔ ٹھیک ہے۔'' وہ دوبارہ چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ وقت اتنا طویل کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ الماری کھولے کھڑی تھی۔ ایک کے بعد ایک جوڑا مسترد کیے جا رہی تھی۔ آج وہ دل کھول کر سجنا چاہ رہی تھی۔ پھر ایک سفید رنگ کا جوڑا نظروں کو بھا ہی گیا۔ سالار کہتا تھا سفید رنگ میں وہ کوئی پری لگتی ہے۔ اس نے سوٹ کے ساتھ کی میچنگ جیولری نکالی اور خود شاور لینے چلی گئی۔

بال سنوارتے ہوئے اس نے ہر زاویے سے خود کو پرکھا' بھلے وہ پینتیس کی تھی' لیکن ستائیس اٹھائیس کی لگتی تھی اور اب تو سالار اس سے بڑا ہی لگتا تھا۔ ایک مضبوط

سہارا۔ شام ہونے کو تھی۔ اس نے ماں کو بتادیا تھا۔ شام میں کچھ مہمان آنے والے ہیں' انتظام کرلیا جائے۔

صفیہ نے تفصیلات جاننے کی ضرورت نہ سمجھی۔ سامان لینے بازار چلی گئیں۔ تیار ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو آئینے میں تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھیں کہ نرمین نے سالار کے آنے کا بتایا۔ وہ یک دم ہی کنفیوز ہوگئیں۔

''مم..... میں آتی ہوں' تم چلو۔'' انہوں نے نرمین سے کہہ کر ایک بار پھر اپنا جائزہ لیا اور جوتے پہن کر باہر آ گئیں۔

سالار کی آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ شاید وہ نرمین یا پھوپو سے محو گفتگو تھا۔ نرمین نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ سالار سامنے ہی براجمان تھا۔ اسے دیکھ کر گرمجوشی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بہت انتظار کرواتی ہیں آپ!'' اس نے کہا۔ اس نے دائیں طرف نگاہ کی اور ٹھٹک گئی اور دل نے شاید پہلی بار بیٹ مس کی۔ سجی سنوری لڑکی' جس کی نظریں سالار کو ہی تک رہی تھیں۔

''سالار تم نے بتایا نہیں اور چپکے سے شادی کرلی۔'' صفیہ کی آواز اسے کسی گہرے کنویں میں دھکیلنے کے لیے کافی تھی۔ انہوں نے بے یقینی سے سالار کو دیکھا۔ شاید وہ انکار کردے۔ لیکن اس کے چمکتے چہرے پر جو خوشی تھی' وہ ناقابل فہم نہیں تھی۔

''بس مامی' آناً فاناً ہی ہوگیا سب۔'' وہ ہنسا۔

''پہلی نظر کی محبت شاید ایسی ہی ہوتی ہے۔''

''پہلی نظر کی محبت؟'' دیوار پر ٹنگی تصویر سے ایک ایک کرکے رنگ اُڑنے لگے۔

صفیہ اب مہمانوں کو چائے پیش کررہی تھیں اور ڈاکٹر وردہ حنوط ہوگئی تھی۔ محبت موم کرتی ہے تو محبت پتھر بھی کرتی ہے۔ وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ سالار اپنی محبت کو لے کر کب گیا؟ صفیہ نے کب برتن سمیٹے؟ انہیں پتا ہی نہ چلا۔

صفیہ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتی تھیں اس وقت ان کی بیٹی بھربھری مٹی کی دیوار ہے۔ روئے گی' آنسو بہائے گی تو پکی ہوجائے گی۔ سو انہوں نے اسے رونے دیا۔

وہ وہیں ساری رات روئی۔ اسے سالار کی شادی کا دُکھ نہیں تھا۔ وہ سالار کی بے وفائی پر بھی نہیں رو رہی تھی۔ وہ خود پر رو رہی تھی۔ اس کمزوری پر رو رہی تھی جو کبھی بھی اس کی ذات کا حصہ نہیں رہی تھی اور اس نے محض چند باتوں کے عوض اپنی عزتِ نفس داؤ پر لگادی تھی۔ اس نے تو وہ عمر بھی بکل میں چھپے چھپے گزار دی تھی جو عموماً خطرناک کہلاتی ہے۔ بس ایک بھول ہی ہوئی تھی اور یہ سب کرنے والا کوئی اور نہیں' سالار احمد تھا۔ اس کی سگی پھوپو کا بیٹا۔

روئی' بہت روئی' مگر پھر اس نے سنبھلنے میں بھی زیادہ دن نہیں لگائے۔ ریزہ ریزہ وجود کو سنبھالنا آسان نہیں تھا تو مشکل بھی نہیں تھا۔ وہ پھر پہلے جیسی ہوگئی۔ چپ چاپ' سنجیدہ۔ اس نے پہروں بیٹھ کر سوچا لیکن اسے ایسا کوئی آس کا جگنو نہیں ملا تھا جو سالار نے اسے تھمایا ہو۔ ہنسنا' کھیلنا' مذاق کرنا اس کی عادت تھی اور کچھ بھی نہیں۔ اس کی عادت سے اس نے اگر کچھ اخذ کیا تو یہ اس کی اپنی غلطی تھی۔ سالار نے کب اسے محبت کا کھلونا تھمایا تھا۔ وہ خود ہی ان راہوں پر چل نکلی تھی' خواب سجا بیٹھی تھی۔

سالار کا فون کئی بار آیا لیکن اس نے بات نہیں کی تھی۔ کیا بات کرنا تھی اسے؟

''تم اس طرح کیوں بی ہیو کررہی ہو؟'' اس کے اجنبی رویے پر اس کا میسج آیا۔

اس کا دل چاہا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔ اس قدر انجان بن رہا ہے یہ شخص' اس نے سالار کے سارے واٹس ایپ میسجز پڑھے' کہیں کوئی دھوکا نہیں تھا۔ اس کے ہر فون کال میں ہونے والی گفتگو کو ازسرنو دہرایا۔ کوئی فریب اسے محسوس نہیں ہوا تھا۔

پھر کہاں غلطی ہوئی تھی اس کے سمجھنے میں؟ یا اس کے

جانچنے میں؟

اس روز بلا ارادہ ہی ہاسپٹل سے واپسی پر اس کے قدم پھوپو کے گھر کی طرف اُٹھ گئے۔ اس نے گاڑی کا رخ موڑتے ہوئے وہ سارے سوال ذہن میں ترتیب دے لیے تھے جو اسے سالار احمد سے کرنے تھے۔ نیم وا گیٹ کو دھکیلتے ہوئے اس نے ایک بار سوچا۔

سالار کا جواب جو بھی ہوتا' اس کی عزتِ نفس کو کچلنے کے لیے کافی ہوتا۔ پھر بھی وہ ایک بار اس کے روبرو کھڑا ہونا چاہتی تھی۔ گھر میں خاموشی تھی۔ شاید سب سو رہے ہیں۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ کی۔ سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ آہستہ روی سے چلتی وہ ٹی وی لاؤنج کے داخلی دروازے تک آن پہنچی تھی اور اس سے قبل وہ ہاتھ بڑھا کر دروازہ دھکیلتی' کوئی دروازہ کھول کر باہر نکلا اور اس سے ٹکرا گیا۔ وہ بمشکل خود کو گرنے سے بچا پائی۔

''تم یہاں؟'' سالار کی حیرت میں ڈوبی آواز اس کی سماعت کو چھو گئی۔ ''آؤ اندر چلو' شکر ہے تم آئی تو۔'' اس نے بڑی خوشدلی سے اس کے یوں اچانک آنے پر خوش آمدید کہا۔

''مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے سالار۔'' اس نے اُمڈ آنے والے دُکھ کو اندر دھکیلا اور خود پر مضبوطی کا گہرا خول چڑھا لیا۔

''میں جانتا ہوں تم کیا پوچھو گی؟'' سالار سنجیدگی سے بولا۔

''تم تو میرے اپنے تھے سالار۔'' اس کے دل سے آہ نکلی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے اندر لے آیا۔

''یہاں بیٹھو۔'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کسی معمول کی طرح بیٹھ گئی۔ سارے الفاظ ذہن میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔

''میں اب بھی تمہارا ہوں وردہ۔'' کئی لمحوں کے توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

''سینڈی' میری وائف..... بلڈ کینسر کی مریضہ ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''وہ اپنی زندگی سے مایوس لڑکی ہے اور ایسی حالت میں اسے کوئی اپنانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ حرام موت مرنے چلی تھی اور میں نے اس کا سہارا بننے کا وعدہ کر لیا تھا۔ چار مہینے جیتی ہے یا چھ مہینے' میرا اس کا ساتھ تب تک ہے۔ میری تم سے بس اتنی درخواست ہے کہ میرے لوٹنے کا انتظار کرنا۔ دروازہ بند مت کرنا۔ مجھے امید ہے تم میری یہ غلطی معاف کر دینے کا ظرف رکھتی ہو گی۔'' وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور وردہ کو ان سارے سوالوں پر ندامت محسوس ہو رہی تھی جو اس نے سالار کا گریبان پکڑ کر کرنا تھے۔ سالار اب بھی اس کا تھا' یہ اطمینان کافی تھا۔ اس نے چھکا سر اُٹھا کر سالار کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں اب بھی وارفتگی تھی۔

ہائے ری عورت' عورت کو مرد مات نہیں دیتا' اس کے اندر کی عورت اسے ہمیشہ شکست سے دوچار کرتی ہے۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتی رہی۔ کئی لمحے سرک گئے۔ فون کی بیپ نے خاموشی کو توڑا۔ عفیہ تھیں' پریشان ہو گئی ہوں گی۔ انہیں یاد نہیں رہا تھا کہ بتا دے۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور فون سنتے ہوئے باہر نکل گئی۔ سالار اس کے پیچھے پیچھے آیا اور ایک گہری سانس لے کر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''بے وقوف ترین عورت' پتا نہیں اتنی قابل ڈاکٹر کیسے بن گئی۔'' وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا' پھر پلٹ آیا۔ اس نے چوگا ڈال دیا تھا۔ وردہ کو اس تک پہنچنا ہی تھا۔ مسائل میں پھنسی' بے یار و مددگار عورت کے لیے محبت کا چوگا ہی کافی ہوتا ہے۔ کبھی کم' کبھی زیادہ' ڈالتے رہنا چاہیے۔ عورت کہیں نہیں جاتی' آپ کے اردگرد ہی منڈلاتی رہتی ہے۔

اور یہ چوگا ہی تھا جو وردہ' ڈاکٹر وردہ کو سالار کے آگے پیچھے دیکھنے نہیں دیتا تھا ورنہ وہ دیکھتی بھی تھی' سنتی بھی تھی لیکن پھر بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ اس کے اندر اس کمینی سی خواہش کو بیدار کر دینے والا بھی سالار ہی تھا جو وہ اس کی بیوی کے مرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ تین' چار یا چھ مہینے' بھلے بارہ بھی ہو جائیں' کیا فرق پڑ جاتا۔

سالار واپس چلا گیا۔ بیوی بھی اس کے ساتھ چلی گئی اور ڈاکٹر وردہ اس کی ہر چیٹ یوں پڑھتی جیسے اب کی بار تو سینڈی کی موت کی خبر ضرور بھیجی ہوگی۔ دن مہینوں اور مہینے سال میں بدل گئے۔ اسے شک سا ہونے لگا کہ سینڈی نے اپنا علاج کرالیا ہے۔ اس نے سالار سے پوچھا تو وہ کتنی دیر ہنستا رہا' وہ برا مان گئی۔

''تمہیں شاید خبر نہیں' سینڈی زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔'' وہ یک لخت سیریس ہوگیا۔ ''میں نے اسے وقتی سہارا دیا ہے۔ اس کی زندگی کتنی لکھی ہے یہ تو میں نہیں جان سکتا ناں..... بلکہ ایک انسان ہونے کے ناطے میری تو اتنی بھی اوقات نہیں کہ اس کو کسی اچھے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروادوں۔ کم از کم میرے ضمیر پر بوجھ تو نہ ہو۔ میں اسے سپرد خاک کروں تو میرے کندھے بارِ ندامت سے جھکے تو نہ ہوں۔'' ایک ٹھنڈی آہ بھری گئی اور محبت کی ماری ڈاکٹر کو اتنی دُور بیٹھے آہ کی ٹھنڈ سے پھریری سی آ گئی۔

اگلے دن اچھی خاصی رقم اور موسمی پھلوں کی ٹوکریاں لیے وہ پھوپو کے گھر پہنچ گئی۔ پھوپو نے حیل وحجت کی اور نہ ہی حیرت کا اظہار' پیسے پکڑ کر تکیے کے نیچے کھسیڑے اور ٹوکریاں کھلوا کر فریج میں رکھوا دیں۔ وہ کافی دیر پھوپو کے پاس بیٹھی ان کی ہائے ہائے سنتی رہی۔

صالحہ بھابی نے اسے چائے پلائی اور پھر اپنی بنائی کڑھی کی تعریف کر کے اسے زبردستی کھانا بھی کھلا دیا۔ اس کے دل میں کہیں تھا کہ پھوپو سینڈی کی کوئی بات کریں۔ جو اس کے شل ہوتے حوصلوں کو سہارا دے لیکن وہ اس بات کی طرف نہیں آئیں۔ وہ یہاں بیٹھنا نہیں چاہ رہی تھی' لیکن اس کا جانے کو بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ صالحہ بھابی ایک دو بار اندر گئیں۔ شاید وہ بھی اس کے جانے کی منتظر تھیں۔

''اچھا بیٹا..... آتی جاتی رہا کرو۔ تمہاری ماں کو تو کبھی توفیق نہیں ہوتی۔'' پھوپو نے آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے بالواسطہ اسے جانے کا اشارہ دے دیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی' دل کی بے چینی سوا ہوگئی تھی۔ وہ مرے مرے قدموں سے باہر نکل آئی' صالحہ بھابی اندر کسی سے فون پر مصروف تھیں۔ وہ انہیں اللہ حافظ کہنے کے لیے وہیں رک کر انتظار کرنے لگی۔

''تم اس سے پیچھا چھڑا کیوں نہیں لیتے۔'' صالحہ بھابی کی جھنجھلائی آواز آئی۔ اس نے اپنا موبائل کھول کر ایس ایم ایس چیک کرنے شروع کیے۔ سالار کے میسجز سے ان باکس بھرا پڑا تھا۔ سینڈی کی سیریس حالت کا واویلا تھا ہر میسج میں۔

''میں کچھ نہیں جانتی سالار۔ اس قصے کو اب ختم کرو۔ بہت کھینچ لیا۔ تمہیں کوئی کمی نہیں۔'' صالحہ بھابی کی آواز نے اس کی ساری حسیات جیسے بیدار کردیں۔ وہ غیر اخلاقی حرکت سے خود کو روک نہیں پائی۔ یہ شاید صالحہ بھابی کا ہی بیڈ روم تھا اور وہ سالار سے بات کر رہی تھیں۔

''کیوں بنا رکھا ہے تم نے اسے پاگل' بہت ہوگئی یہ فضول محبت' اپنے گھر پر توجہ دو' مجھے خوامخواہ اس سے ڈر لگنے لگا ہے۔ کہیں آہ نہ پڑ جائے اس کی۔ سینڈی کی محبت کم ہے کیا تمہارے لیے؟'' اب کہ ذرا وہ ہنسیں۔ سالار جانے کیا کہہ رہا تھا کہ وہ ہنسے ہی جا رہی تھیں۔ بہت کچھ تھا جو غلط تھا' لیکن وردہ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ وہ اس محبت کا پھول مٹھی میں دبائے پھر رہی تھی۔ جس میں محبت تو کیا احساس نام کی بھی خوشبو نہیں تھی۔

اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اب وہ کمرے کا منظر بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ صالحہ بھابی کا منہ دوسری طرف تھا اور وہ دبی دبی آواز جسے وہ سمجھ رہی تھی فون میں سے آ رہی تھی' وہ سامنے ہی موجود تھی اور وہی نہیں بیمار لاچار سینڈی بھی میک اپ سے مزین چہرہ لیے بیڈ پر سالار کے کندھے سے سر لگائے بیٹھی تھی۔ سالار امریکہ میں نہیں تھا۔ اسی گھر کے ایک کمرے میں' وہ اپنی ہم عمر بیوی کے ساتھ بیٹھا اسے کب سے ہجر کی آگ میں جلا رہا تھا اور وہ آنکھیں بند کیے اس کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہے جا رہی تھی۔ اسے کبھی شک تک نہ ہوا تھا کہ سالار اسی کے شہر کے ایک کمرے میں اپنی تندرست بیوی

کے ساتھ زندگی انجوائے کرتا' اسے بیوقوف بنا رہا تھا اور وہ بند آنکھوں سے اس کی ہر بات پر یقین کرتی رہی تھی۔ وہ کھلے دروازے سے پلٹ آئی۔

اسے اپنا آپ بہت کم قیمت لگ رہا تھا۔

محبت کیوں اتنا بے مول کر ڈالتی ہے؟

اس کے پاس بہت سارے دکھ تھے رونے کے لیے۔

اور وہ ان پر پھوٹ پھوٹ کر روئی بھی۔

خود پر نفرین بھی بھیجی اور رشتوں کے مسخ ہونے کا احساس بھی خون خون ہو گیا۔

وہ کمزور نہیں تھی' بنا دی گئی تھی' سو اس نے سب کچھ مٹا دیا۔

ہر وہ بات جو سالار کے حوالے سے اس کی یادداشت میں محفوظ تھی۔ ہر وہ کمزوری جو سالار کی محبت نے اسے بخشی تھی۔ اس نے سالار کا نمبر بھی ڈیلیٹ کیا اور اپنا نمبر بھی بدل لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

کئی برس بیت گئے۔ پانچ' چھ یا شاید سات برس۔ صفیہ چل بسی تھیں اور جہانزیب اسپشلائزیشن کرنے کے لیے امریکہ چلا گیا تھا۔ وردہ کے بالوں میں چاندی چمکنے لگی تھی اور چہرے کی جھریاں اسے عمر رسیدہ ثابت کرنے لگی تھیں۔ اس کا شمار بہت اچھے ڈاکٹرز میں ہونے لگا تھا۔ اس نے زندگی سے محبت کو اکھاڑ پھینکا تھا اور لق دق صحرا میں زندگی گھسیٹ رہی تھی اور تب ہی ایک دن سالار اسے ہاسپٹل کے کوریڈور میں کھڑا نظر آ گیا۔ وقت نے اس پر شاید مہربانی کم کر دی تھی۔ گرے بالوں کے ساتھ پریشان حال سالار کو وہ لمحوں میں پہچان گئی تھی اور کبھی اس نے کئی سال لگا دیے تھے پہچاننے میں۔

وہ اپنے روم کی کھڑکی سے مسلسل اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ آدھے گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا اور وہ مسلسل اسی پوزیشن میں تھا' اللہ جانے اکیلا تھا یا کسی کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے نرس سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو پتہ چلا اس کی بیوی کینسر کی آخری اسٹیج پر ہے اور اسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ اس نے سارے کوائف منگوائے۔ سعیدہ واقعی آخری سانس گن رہی تھی۔ وہ اس سے ملنے وارڈ میں چلی گئی۔ صالحہ بھابی کو اس نے دور سے پہچان لیا تھا اور صالحہ نے بھی ذرا تا خیر کیے اس کو پہچان لیا تھا۔ وہ گرمجوشی سے اس کی طرف بڑھی تھیں۔ آنکھوں میں سارے رشتوں کا مان سموئے۔

''تم یہاں ہو وردہ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی۔'' اس نے مختصراً کہا اور مریضہ کو دیکھنے لگی۔ اس کے لیے دیے انداز پر صالحہ چپ کر گئیں۔

''آپ ان کی کون؟'' اس نے ذرا سی نظر اٹھائی۔

''میں صالحہ..... وردہ'' وہ جوش سے بولیں' لیکن وردہ کے سپاٹ لہجے نے ان کا جوش و ولولہ ٹھنڈا کر دیا۔

''جی میری چھوٹی بہن ہیں' ڈاکٹر وردہ۔''

وردہ نے ایک نظر صالحہ پر ڈالی اور صالحہ کو لگا وہ خاکستر ہو گئی ہو۔ وردہ نے کچھ نہیں کہا اور آگے بڑھ گئی تو صالحہ کا درد بے جا نہیں تھا۔

وہ اس کی ماں جائی تھی۔ وہ جو ایک ڈراما سالار اور اس کے خاندان نے سالوں اس کے ساتھ کھیلا تھا اس کا ایک کردار صالحہ بھابی بھی تھیں۔ وہی صالحہ بھابی جو اس پر واری صدقے جاتی تھیں اور جن کی کئی بار اس نے اس طرح مدد کی تھی کہ دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہونے دی تھی۔ اس کی سماعت میں اس دن کی آخری گفتگو ابھی تک کوڑے برساتی تھی۔

عورت پاگل یا بے وقوف نہیں ہوتی۔ یہ تو محبت ہوتی ہے جو اسے ایسا بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس دن پھوپو کے گھر سے نکلتے ہوئے اسے خود پر بے حد غلیظ ہونے کا گمان ہوا تھا سارے جہاں کی غلاظتیں اسے اپنے وجود سے چمٹی محسوس ہوتی تھیں۔ اس نے کیسے کیسے اپنے وجود کو اس محبت سے پاک کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

''مجھے معاف کر دو وردہ.....'' وہ کھڑکی سے پار جھانکتی گہری سوچ میں غرق تھی۔ جب سالار کی آواز اسے حقیقی دنیا میں کھینچ لائی۔ وہ سرعت سے مڑی' سالار اس سے چند

سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر حجاب ❁ نومبر ۲۰۱۸ء 38 سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر

قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا' لیکن بیچ میں کئی صدیاں حائل تھیں۔

پیپل کے تنے سے چپکی چڑیا پر ایک گرم آنسو گرا۔

''میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی۔'' سالار ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''ٹپ ٹپ ٹپ؟'' ایک کے بعد ایک گرے کئی قطرے اس کی آنکھوں سے پھسلے۔ وردہ چہرے پر ایک مسکراہٹ سجاتی اور آگے بڑھ گئی۔

''سوری..... میں آپ کو صحیح طرح پہچان نہیں پائی۔'' اس نے چہرے پر اجنبیت طاری کی تو وہ آگے بڑھا۔

''وردہ.....'' اس نے پکارا۔ وہ اسے اس سے اسی رویے کی توقع تھی۔

''میں ڈاکٹر وردہ ہوں اور اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو پلیز' سکون سے بیٹھ کر بتایئے۔ اسٹاف ممبرز میں سے کسی سے کمپلینٹ ہے یا؟'' اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے اس نے اتنا نارمل کہا کہ سالار کی ہمت جواب دے گئی۔ چند لمحے کے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''جی..... میں سالار ہوں..... آپ کا کزن' شاید آپ نے پہچانا نہیں؟'' امید کی رسی کا سرا پکڑنے کی ایک اور ناکام کوشش کی تھی اس نے۔ وردہ کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی۔

''آپ کی مسز بیمار ہیں ناں..... کینسر کی مریضہ' ماشاء اللہ بڑی حوصلہ مند خاتون ہیں۔ اتنی دیر لڑ لیا بیماری سے۔'' وہ پین کے سرے کو ٹیبل پر بجاتی رہی۔

''نہیں.....'' وہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کا جھوٹ اس کے آگے آیا تھا۔ صالحہ بھابی صحیح کہتی تھیں کہ کہیں اس کی آہ نہ لگ جائے اور ان کی ساری زندگی پر ڈاکٹر وردہ کی آہوں کا غبار چھا گیا تھا۔ سالار نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''مجھے معاف کردو وردہ' میرا جھوٹ میرے گلے پڑ گیا۔ میں نے تمہیں دھوکا دیا اور اللہ نے مجھے سزا دی۔ سعیدہ کو سچ مچ کینسر ہوگیا اور واقعی وہ چند دن کی مہمان ہے۔ پلیز..... ہمیں سچ مچ تمہاری آہ لگی ہے۔ سچ مچ.....'' ڈاکٹر وردہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے کب بددعا کی تھی۔

کتنا آسان ہوتا ہے ان مردوں کے لیے' بے وقوف بنانا۔ محبت کے نام پر دھوکا دینا اور پھر جب ان کی اپنی کرنی ان کے آگے آتی ہے تو انہیں لگتا ہے کہ بددعا لگ گئی۔ اس نے تو کبھی برا حرف اس کے لیے منہ سے نہیں نکالا تھا۔ کبھی برا سوچا تک نہ تھا۔

محبت کو ہر کوئی اپنے ظرف کے مطابق برتتا ہے۔

''اللہ آپ کی مسز کو شفائے کاملہ عطا کرے۔ میں تو دعا ہی کرسکتی ہوں' آپ کے لیے۔ آئی ایم سوری۔ میں واقعی آپ کو نہیں جان پائی مسٹر۔'' بہت بے گانگی سے اس نے کہا۔

سالار کی آنکھیں ڈبڈبائیں' وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ لیکن وردہ کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

''محبت ہارنے اور محبت میں ہارنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک ''ہار'' زندہ رکھتی ہے' دن رات کسک بن کر دل میں پلتی ہے اور دوسری روح سلب کرلیتی ہے۔ جیتے جی مار دیتی ہے۔''

اور محبت میں ہاری عورت..... آٹے کی چڑیا کی مانند ہوتی ہے۔ جس پر نہ تو کوئی رنگ چڑھتا ہے اور نہ ہی وہ اڑان بھر سکتی ہے۔ اسے پیپل کے تنے سے چپکا دو یا نیم کے پیڑ سے' کیا فرق پڑتا ہے.....؟

ڈرائنگ روم پریڈ

صدف آصف

وہ نئے دور کی لڑکی تھی۔ زندگی سے بھرپور' چمکتی آنکھوں میں ترقی کا خواب سجائے' حقیقت پسندی سے آشنا' باحوصلہ زندگی کے کھردرے' کڑوے رویوں کو حقائق کی آنکھوں سے دیکھنے پرکھنے اور برتنے والی لڑکی' جو ماں بابا کی ایک خواہش پوری کرنے کے چکر میں کئی بار خود کو مارتی' اپنی روح پر گھاؤ برداشت کرتی اور اب بے حوصلہ سی ہونے لگی تھی' اس نے سوچ لیا تھا کہ اب مزید کسی ڈرائنگ روم پریڈ کے لیے تیار نہیں ہوگی۔

''اللہ جی..... ہم لڑکیاں کب تک اس پتلی تماشہ کا حصہ بنتی رہیں گی؟'' آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے فریاد کی۔ اچانک دور سے آتی قدموں کی چاپ پر واپس بستر میں دبک گئی۔

آہٹ پر بند آنکھوں کی جھری سے اس نے روشنی کی دودھیا لکیر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ہیجان میں مبتلا ہوتے ہوئے کروٹ بدل کر سونے کا ڈراما کرنے لگی۔

''اتنا اندھیرا کیوں ہے بھائی؟'' سمیرا دھپ دھپ کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور زور سے بٹن پہ ہاتھ مار کر کمرہ روشن کردیا۔

''یہ لڑکی کب بڑی ہوگی؟'' اسے اپنے بستر پر سر سے پیر تک چادر تان کر سونے کی اداکاری کرتے ہوئے دیکھ کر سمیرا کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

''عنایا..... اے عنایا..... اٹھو..... ناں۔'' اس نے بے صبری سے اپنی کزن کے چہرے سے چادر کھینچی۔

''کیا مصیبت ہے' سونے دیں ناں یار.....'' وہ چادر کا کونہ چھین کر واپس چہرے پہ ڈالتے ہوئے بولی۔

''اٹھتی ہو یا لگاؤں ایک ہاتھ۔'' سمیرا نے چادر ہٹائی اور اس پر گلاس بھر کر پانی پھینک دیا۔

''اف آپی..... آپ بھی دوسروں کی طرح ظالم ہیں۔'' عنایا کپڑے جھاڑتی ہوئی بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور چھکوں پہکوں رونے لگی۔

''عینی..... میری جان۔'' اپنی کزن کے رونے پر سمیرا کا دل پسیج گیا۔ آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تو اس کے سُر آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

''ہوا کیا ہے..... کچھ تو بتاؤ.....؟ ہوسکتا میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔'' سمیرا نے محبت سے پچکارتے ہوئے پیشکش کی تو اس نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''سچ بول رہی ہوں..... بتاؤ تو۔'' یقین دہانی کے بعد اس کے کشیدہ اعصاب پُرسکون ہونے لگے۔

''آپی..... پلیز زز..... مجھے میری ماں اور بابا کے عتاب سے بچالیں.....'' وہ اس سے لپٹتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولی۔

''اوف..... اب میرے سیدھے سادے سے خالہ خالو نے تمہارا کیا بگاڑ دیا؟'' سمیرا نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اسے ناقدانہ نظروں میں تولنے کے بعد ہنستے ہوئے پوچھا۔

''آہا..... ہا..... بڑے معصوم ہیں ناں جیسے۔'' اس کے انداز پہ سمیرا کھلکھلائی۔

''دونوں نے اکٹھا کرکے میری جان عذاب میں ڈال دی ہے۔'' عنایا نے چڑتے ہوئے بتایا۔

''ان کی چھوڑو' تم اپنی بتاؤ' ویسے انہوں نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے جو تمہیں میرے کمرے میں چھپنے کی نوبت پیش آگئی؟'' وہ اطمینان سے صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولی۔

''کچھ زیادہ نہیں' بس مہمانوں کے آنے سے پہلے..... میں گھر سے بھاگ آئی۔'' اس نے رک رک کر بتایا تو سمیرا نے اسے گھورا۔

''اوہ..... یاد آیا..... کل خالہ بتا رہی تھیں کہ تمہیں دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ شرم نہیں آتی یہاں چھپتے ہوئے' وہ لوگ کتنا پریشان ہوں گے۔'' سمیرا نے اسے شرمندہ کیا۔

''ہاں..... پریشان تو..... ہوں گے مگر.....'' اس نے مجرموں کی طرح سر ہلایا' والدین کی تکلیف کا خیال اسے شرمندہ کرنے لگا تھا۔

''سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم نے ایسی بے ہودہ حرکت کی؟'' خالہ خالو کی پریشان صورتیں سمیرا کی آنکھوں میں ٹھہر گئیں تو عنایا پر غصہ بڑھتا چلا گیا۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں' میں یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتی ہوں؟'' اچانک اس کی آنکھوں کے کٹورے لبریز ہوگئے۔

''ہاں تو' یہ تو آئے دن کا معمول بن گیا ہے' جب کوئی رشتہ لے کر آنے لگتا ہے بنو یا تو بیمار پڑ جاتی ہے یا ہمارے گھر آکر چھپ جاتی ہے۔ تیئیسویں سال میں لگ چکی ہو۔ اب کیا زندگی بھر شادی نہ کرنے کا ارادہ ہے؟'' وہ سر پہ ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔

''آپی میں سب کو کیسے سمجھاؤں۔ مجھے سچ مچ میں شادی نہیں کرنی' میں اپنا پیارا گھر چھوڑ کر کہیں اور جانے والی نہیں' ماں کے بغیر میری سانس رکنے لگتی ہے۔ ویسے بھی میں' میں اپنے بابا کی پرنسز ہوں اور اب کسی اور کی کنیز بن کر مجھے اس کی غلامی نہیں کرنی۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو سمیرا کو اس پر ترس آگیا۔

''ضروری تو نہیں شادی کے بعد تمہیں سسرال میں کنیز بننا پڑے' ہوسکتا ہے' رانی بن کر تم کسی کے دل پہ راج کرو۔'' سمیرا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ سمجھانا چاہا۔

''یہ سب باتیں فلموں اور کہانیوں میں اچھی لگتی ہیں' حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے۔ ویسے بھی ماں کا بڑا حوصلہ ہے ورنہ سسرال والوں نے نباہ آپی کا جو حال کیا ہے اس کے بعد تو انہیں میری شادی کا نام بھی نہیں لینا چاہیے۔'' اس کا لہجہ بھر آیا تو سمیرا سانس بھر کر رہ گئی۔

''میری گڑیا..... نباہ کی قسمت میں ایسے ناقدرے لوگ تھے مگر سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔'' سمیرا نے پیار سے پچکارا۔

''یہ بھی خوب کہی..... اچھا دور کیوں جاتی ہیں۔ دوسری مثال ہماری سونی خالہ کی ہے' شادی سے پہلے وہ فیملی میں ہونے والے ہر فنکشن کی جان سمجھی جاتی تھیں' اسٹائلش کاٹن کے کپڑوں کا کلف ٹوٹتا نہیں تھا' سلکی بال ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوتے تھے اور اب ہر تقریب میں اپنے گولو مولو کی ناک صاف کرتی یا نیپی بدلتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ اس سے ٹائم بچ جاتا ہے تو خالو میاں کی ناز برداریوں میں لگی رہتی ہیں۔ اپنا آپ تو جیسے بھول چکی ہیں۔ وہ ہماری کالج فرینڈ عرشیہ مجیب جس کے خوب صورت ہاتھ پیروں سے ہمیں عشق تھا' ہر مہینے پارلر جا کر مینی کیور اور پیڈی کیور پر اپنی ساری پاکٹ منی بخوشی خرچ کرتی تھی' ملی تھی پچھلی عید پر عجیب کھردرے سے ہاتھ دوپٹے میں چھپاتی ہوئی بڑی مظلوم سی لگی' پتا چلا سسرال جا کر روٹیاں تھوپ تھوپ کر بچوں کے باپ کو

سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر حجاب نومبر ۲۰۱۸ء 41 سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر

کھلاتے ہوئے اسے ہاتھ پیر تو چھوڑ دو اپنے چہرے کا بھی خیال رکھنے کا ٹائم نہیں ملتا۔'' وہ بچوں کی طرح شکوے کرتی ہوئی بڑی پیاری لگ رہی تھی۔

''اتنا منفی نہیں سوچتے' دنیا میں ہزاروں لڑکیاں ہیں جو شادی کے بعد اپنے سسرالوں میں خوشحال زندگی بھی گزار رہی ہیں' ہر ایک کی زندگی دکھوں کا محور نہیں بنتی۔'' سمیرا نے ناک چڑھائی۔

''چھوڑیں بھی آپی..... اکثر یت آپ کو روتی بسورتی ہی ملے گی۔'' اس نے تو نہ ماننے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''اچھا چلو..... گھر چلو۔'' اس نے بحث سمیٹتے ہوئے اسے منانا چاہا۔

''مجھے نہیں جانا ویسے بھی ایک مہینے سے گھر میں بڑا تماشا لگا ہوا ہے۔ لڑکی دیکھنے کے بہانے جو آتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اور اپنے نمونے جیسے بھائی یا بیٹے کی شادی کے بدلے میں فرمائشوں کی لمبی لسٹ تھما کر چلا جاتا ہے..... حالاں کہ کچھ کی اوقات سامنے کھڑے ہو کر بات کرنے جیسی بھی نہیں ہوتی' پھر بھی میرے ماں بابا ان جیسوں کے نخرے اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ میں تو یہ سوچتی ہوں کہ ابھی کوئی رشتہ نہیں بنا تو یہ حال ہے بعد میں کیا کریں گے۔'' اس کا تلخ لہجہ سمیرا کو برا نہیں لگا' وہ اس کے اندر اٹھنے والے درد کو سمجھتی تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو عینی تقریباً ہر لڑکی کو ایسے درد بھری راہ پر چلنا پڑتا ہے۔'' وہ اذیت سے مسکرائی۔

''مجھے تو معاف ہی رکھیں۔ مجھے اب مزید نہیں کرنی ڈرائنگ روم پریڈ۔'' اس نے جل کر ہاتھ جوڑ دیے۔

''بد اندیش' نا سمجھ کہیں کی' یہ ساری باتیں زندگی کا حصہ ہیں۔ ان باتوں سے بچنے کے لیے کیا تم خالہ خالو کے سینوں پر ہمیشہ مونگ دلتی رہو گی۔'' اس نے اپنے سے چار سالہ چھوٹی کزن عنایا کو پیار سے جھاڑتے ہوئے لیکچر دینا شروع کیا تو وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بیٹھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

عنایا ذرا الگ مزاج کی لڑکی تھی۔ توانائی سے بھرپور زندگی میں کچھ کر دکھانے کی امنگ دل میں چھپائے بابا کی لاڈو پری کو صرف اپنی پڑھائی سے مطلب تھا' دوران تعلیم ہی اس نے شہر کی مشہور آئی ٹی کمپنی جوائن کر لی تھی۔ اس کا آئیڈیل اس کے بابا خلیل احمد تھے جو مقامی کالج میں پروفیسر تھے' ماں دردانہ خلیل ایک پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل تھیں۔ اس کی ایک بڑی بہن نباہ بھی تھی جو مقامی بینک میں جاب کرتی تھی مگر شادی کے بعد کنویں کا مینڈک بن کر رہ گئی تھی۔

شروع سے نباہ ماں کی شیدائی تھی اور عنایا کے اپنے بابا سے دوستانہ مراسم تھے۔ دنیا میں اس کی نظر میں اگر کوئی قابل تعریف شخصیت تھی تو وہ خلیل احمد کی تھی' جن کی جگہ وہ کسی اور کو نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے بابا کے لاڈ و پیار کی وجہ سے بچپن سے ہی خود کو بابا کی شہزادی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ان سے ناز اٹھواتی' اپنے ہر غم اور خوشی کی کہانی ان کو ہی سناتی۔ جب تک نبا کی شادی نہیں ہوئی اس کی زندگی میں سکون ہی سکون تھا مگر بڑی بیٹی کی شادی کے ایک سال بعد ہی دردانہ نے اس کے لیے اچھے رشتے کی تلاش کا کام شروع کر دیا۔ وہ بہت مطمئن تھی کہ بابا اس بار بھی اس کی ڈھال بن جائیں گے اور ماں کو اپنے ارادوں میں ناکامی ہوگی مگر اس کی ہر صحیح غلط بات کی حمایت کرنے والے خلیل احمد نے اس بار خاموشی اختیار کر لی بلکہ اس کے غصہ دکھانے پر سمجھانے بیٹھ گئے اور یہ بات عنایا سے کسی بھی طرح برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ چڑ چڑ کر ہر رشتے سے انکار کرتی' عین اسی دن بیمار ہو جاتی جب کوئی اسے دیکھنے آنے والا ہوتا مجبوراً دردانہ کو بہانے بنا کر آنے والوں کو رد کرنا پڑتا' کچھ اور نہ بن پڑتا تو وہ برابر میں رہائش پذیر اپنی کزن سمیرا کے گھر جا کر چھپ جاتی جس پر اسے والدین کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑتا مگر وہ کسی بھی طرح خود کو شادی کے سنہری پنجرے میں قید کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ آئے دن اپنی حیرت کا برملا اظہار کرتی کہ کیسے ظالم والدین ہوتے

ہیں جو اپنی اولاد کو پال پوس کر بڑے آرام سے غیروں کے حوالے کردیتے ہیں۔ شومئی قسمت اگر دردانہ کے سامنے بیٹی کے منہ سے پھول جھڑنے لگتے تو وہ اس کی بے وقوفی پر ماتھا پیٹتے ہوئے اس کے اچھے نصیب کی دعا مانگنے بیٹھ جاتی تھیں۔

❁.....❁.....❁

زندگی کے بارے میں عنایا کی بڑی واضح سوچ تھی' اس کا خیال تھا کے شادی کے بعد انسان اپنی شخصی آزادی کھو دیتا ہے اور اسے بہت ساری پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے اس نے طے کیا کہ وہ شادی کے بغیر اپنے ماں بابا کے ساتھ رہ کر دنیا کے سامنے اپنے آپ کو منوا کر رہے گی' وہ بیٹی کی جگہ بیٹا بن کر ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے گی۔

عنایا کی خواہش تھی کے وہ کچھ ایسا مختلف کرے جو کسی دوسرے نے نہ کیا ہو' اسے لگی بندھی زندگی گزارنے میں ذرا دلچسپی نہیں تھی۔ اسی لیے اپنی جاب کو پورا وقت دیتی اور بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام کرتے ہوئے اپنی فیلڈ میں مہارت حاصل کرتی چلی گئی۔ ویسے بھی اس کے لیے کام' کام نہیں بلکہ ایک بہترین مشغلہ تھا اور آفس ایک اکیڈمی کی حیثیت رکھتا تھا جہاں اس کی محنت اور قائدانہ صلاحیتیں نکھر کے سامنے آئی تھیں۔ اسی وجہ سے آفس میں اس نے بہت جلد اپنا ایک مقام بنالیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جو یہاں جونیئر کے طور پر کام کرنے آئی تھی' اپنی محنت کے بل بوتے پر جلد ہی اسے ٹیم لیڈر بنادیا گیا۔ فی الوقت اس کے زیر نگرانی چھ ورکر کام کرتے تھے۔ جن کے ساتھ پروجیکٹ مکمل کرتے ہوئے اسے انجانی سی خوشی محسوس ہوتی' آگے بڑھنے کا جنون دن بہ دن تقویت پکڑنے لگا۔ وہ آئی ٹی کی فیلڈ میں کچھ کر دکھانا چاہتی تھی' اسی لیے سب کچھ بھلائے تندہی سے تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ کام کی طرف مکمل طور پر متوجہ رہتی۔ اس کی زندگی میں سکھ و چین کی کمی نہ تھی کے اچانک دردانہ کی ''رشتہ ڈھونڈ مہم'' نے زندگی عذاب کر کے رکھ دی تھی۔

اس نے ماں کو کئی بار سمجھایا کہ وہ دوسری نباہ نہیں بننا چاہتی' اسے ''ڈرائنگ روم پریڈ'' سے نفرت ہے مگر دردانہ ایک کان سے سنتیں اور دوسرے سے اڑا دیتیں' اس کا احتجاج بھی کسی کام نہیں آیا اور دردانہ نے لڑکے والوں کو خوش آمدید کہنا شروع کردیا۔

عنایا بڑی بہن کی تکلیفوں کو بھلا نہیں پائی تھی' جو ماں کی رشتہ مہم کے درمیان منہ لٹکائے' چلتا پھرتا اداسی کا اشتہار دکھائی دیتی تھی۔ دراصل نباہ' اس کے مقابلے میں کم رو تھی' اس کا رنگ بھی دبتا ہوا سا تھا' اسی لیے جب بھی کوئی اسے دیکھنے آتا' وہ ایک دن پہلے سے ڈیپریشن کا شکار ہونے لگتی۔ اذیت اس وقت سوا ہوجاتی جب لڑکے والے بڑی کی جگہ عنایا کو پسند کر جاتے۔ جس پر وہ بہن کے سامنے خود کو چور سا محسوس کرتی تھی' دردانہ نے اس مسئلے کا حل یوں نکالا کہ عنایا کو ان لوگوں کے سامنے آنے سے بہانے بہانے سے روکنا شروع کردیا۔ اس بات پر اسے اور شرمندگی محسوس ہوتی تھی کہ وہ بہن کی خوشیوں میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

''جانے یہ سلسلہ کب ختم ہوگا؟'' نباہ ماں کا بنایا ہوا گھریلو ابٹن بے دردی سے چہرے پر ملتے ہوئے بڑبڑاتی تو عنایا کو اس پر ترس آنے لگتا۔

''ماں..... یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے؟'' وہ اکثر اوقات ماں سے لڑنے کچن میں پہنچ جاتی تھی۔

''کیا مطلب؟'' دردانہ جو سخت گرمی میں لوازمات کی تیاری میں بے حال ہوئی جاتی تھیں' چونک کر بیٹی سے پوچھتی تھیں۔

''جن کے لیے آپ یہ ساری تیاریاں کر رہی ہیں ناں' وہ آئیں گی' ٹھونس ٹھانس کر کھا پی کر چل دیں گی' کچھ اور نہیں کریں گی' بس جاتے جاتے میری آپی کے دل پہ نیا زخم سجا جائیں گی۔'' اس کے لہجے میں درد تھا۔

''افوہ..... عینی مجھے نہ ستاؤ۔ پہلے ہی نباہ کو سمجھانے میں مجھے ایک گھنٹہ لگا ہے۔ بھئی اب یہ دستور زمانہ ہے'

ہم اس کے برخلاف چل بھی تو نہیں سکتے۔ مجھے دو دو بیٹیاں بیاہنی ہیں۔'' دردانہ نے رول میں چکن بھرتے ہوئے چڑ کر چھوٹی بیٹی کو سنایا۔

''آپ جیسی ماؤں کی وجہ سے لڑکے والوں کی ایسی فطرت بن گئی ہے کہ وہ جب تک دس گھروں میں جھانک نہ لیں۔ ہاں نہیں کرتے' میرا بس چلے تو چائے پیش کرنے بجائے ایسے لوگوں کو زہر کا پیالا تھما دوں۔'' اس نے دانت کچکچا کر کہا اور کچن میں داخل ہوتی نباہ کو دیکھا' جس کی اتری صورت دل دکھا گئی۔

''بس کر دو عینی..... مجھے اب اس بارے میں کچھ نہیں سننا۔'' بڑی بیٹی کو اندر آتا دیکھ کر انہوں نے بات ختم کرنا چاہی' ورنہ اس کا دماغ درست کرنے میں منٹ نہ لگاتیں۔

''جانے یہ مائیں' بہنیں' بیٹوں' بھائیوں کے لیے چاندسی دلہن ڈھونڈنے سے پہلے اپنے خلائی مخلوق جیسے بھائیوں کی صورت پر غور کرنا کیسے بھول جاتی ہیں اور کچھ نہیں تو آئینے میں اپنی شکلیں ہی دیکھ لیا کریں۔'' ماں کے گھورنے پر وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔ دردانہ نے چور نگاہوں سے بڑی بیٹی کو دیکھا تو کئی مرتبہ رد کیے جانے کا کرب پھیکی مسکراہٹ بن کر اس کے لبوں پر پھیل گیا۔

اس گھر میں یہ بحث اس وقت تک جاری رہی جب تک نباہ کی شادی نہیں ہوگئی۔ اس کے جانے کے بعد عنایا نے ایک سال ہی سکون کا سانس لیا ہوگا کہ وہ ہی کہانی دوبارہ دہرائی جانے لگی' بس فرق یہ تھا کردار بدل گیا تھا' اب کی بار ٹرالی گھسیٹنے کا کام نباہ کی جگہ عنایا کو کرنا پڑ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

سمیرا کے سمجھانے پر وہ شام کو لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر مہمانوں کے سامنے پیش ہوگئی' کچھ آنکھیں اس کی جانب اٹھیں اور نگاہوں میں پسندیدگی چھا گئی' ایک بڑی بی بڑی گہرائی سے اس کا جائزہ لینے لگیں' عنایا کے جسم پر چونٹیاں سی رینگ گئیں' اس کا پورا وجود پسینے میں بھیگ گیا۔ وہ ٹپ کر چائے ناشتہ پیش کیے بغیر بڑی شان سے جا کر ایک کم عمر لڑکی کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''انایا..... ہاں جی' نام تو بہت خوب صورت ہے آپ کا.....'' ایک عورت نے اس کے نام کا تلفظ بگاڑا۔ اس نے بغیر نگاہ اٹھائے دھیرے سے مسکراہٹ کو دبایا۔

''میری بیٹی کا نام عنایا ہے۔'' دردانہ نے دھیرے سے تصحیح کی۔ وہ جانتی تھیں کہ اسے اپنا نام اپنی ذات کی طرح بہت عزیز ہے۔

''او جی ایک ہی بات ہے۔'' انہیں دردانہ کا ایسے کہنا برا لگا تو نخوت سے جواب دیا۔

''ویسے..... کتنا کما لیتی ہو؟'' دوسری کا لالچ بھرا لہجہ اسے ناگوار گزرا۔

''کیوں..... کیا آپ نے میرا بینک اکاؤنٹ کھلوانا ہے؟'' عنایا کے تڑاخ سے جواب دینے پر ساری آنکھیں ایک ساتھ کھل گئیں۔

''آئے ہائے آج کل لڑکیوں میں ذرا برداشت نہیں۔ بھلا سسرال میں گزارا کیسے ہوگا۔'' بڑی عمر کی اماں نے پان چباتے ہوئے طنز کے تیر برسائے۔

''عنایا بیٹا چلو سب کو چائے پیش کرو۔'' ماں کی تنبیہہ اور آنکھوں سے ٹپکتی درخواست پر اس نے سارے ہتھیار ڈال دیے۔

''جی بہتر۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سب کو چائے پیش کرنے کے بعد خاموشی سے باہر نکل گئی دردانہ نے ان معزز خواتین کے چہروں پر واضح طور پر ناپسندیدگی اور طنز دیکھا۔ اس کی خوب صورتی کا جادو بھی ان پر بے اثر رہا' بعد میں انہوں نے رشتے والی کے سامنے عنایا پر زبان دراز کا ٹھپہ لگا کر اسے مسترد کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

دردانہ کو انکار کے اس انداز نے بہت تکلیف پہنچائی مگر وہ پی گئیں' مسترد کیے جانے کا دکھ عنایا کو بھی بے چین کیے دے رہا تھا مگر بظاہر وہ خود کو خوش باش ظاہر

کرتے ہوئے اس نے ہلکے پھلکے انداز میں ماں سے التجا کی کہ اب وہ بھیڑ بکریوں کی طرح کسی کے سامنے اپنی نمائش کی اجازت نہیں دے گی۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔'' دردانہ نے مصلحتاً اقرار میں سر ہلا دیا۔

ماں کے مان جانے کے باوجود عنایا جانتی تھی کہ دردانہ اتنے آرام سے نہیں بیٹھیں گی اسی لیے اسے شادی جیسے مسئلے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی دیرپا حل ڈھونڈنا ضروری ہوگیا تھا۔ جو اسے دوسری صبح آفس جاتے ہی مل گیا۔ جب کمپنی کی طرف سے اسے ایک لیٹر موصول ہوا جس میں اسے دوسرے شہر میں کھلنے والی نئی برانچ کی سربراہی کرنے کی پیشکش کی گئی تھی۔ وہ خوشی سے کھل اٹھی۔ سب کچھ حسب منشاء تھا۔ بس ایک ہی قباحت یہ تھی کہ اسے ماں بابا کو چھوڑ کر لاہور شفٹ ہونا پڑتا۔ اس نے کچھ دن سوچ بچار کے بعد اس پیشکش کو قبول کرلیا تھا۔

عنایا کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ مہینے منظر سے ہٹ جانے کی وجہ سے شاید دردانہ شادی شادی کھیلنا بند کردیں۔ اس نے گھر میں کسی کو اپنے ٹرانسفر کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ ماں بابا اس بات سے خوش نہیں ہوں گے۔ وہ الجھی الجھی سی خاموشی کے ساتھ جانے کی تیاریوں میں لگ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

ارحم فرید شہر کے معروف بزنس مین کا بیٹا ہونے کے علاوہ ایک پُرکشش شخصیت کا مالک بھی تھا۔ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع و عریض جائیداد کا اکلوتا وارث بھی تھا' عنایا سے اس کی ملاقات ایک آئی ٹی ایگزیبشن میں ہوئی' اسے یہ کھردرے لہجے والی نرم و نازک سی لڑکی بھا گئی تھی۔ عنایا نے ایک بار ہیلو ہائے کرنے کے بعد اسے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا اور وہ جاتے جاتے پلٹ پلٹ کر اسے ہی دیکھتا رہا' یوں لگا زندگی کا حسن تو عنایا کے دم سے ہے۔ وہ اس کی زندگی کی پہلی رات تھی جب اس نے بزنس کے علاوہ کچھ اور سوچا۔ صبح جب وہ خلاف معمول ناشتے کی ٹیبل پر لیٹ پہنچا اور ماں نے گلابی آنکھوں کا سبب پوچھا تو بے ساختہ اس کے منہ سے عنایا کا نام نکل گیا۔ فرید صاحب تو اسی وقت رشتہ لے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' بیگم فرید نے سمجھا بجھا کر روکا مگر یہ اعلان ضرور کردیا کہ ارحم کے بزنس ٹور کے سلسلے میں امریکا جانے سے قبل رشتہ لے کر جائیں گے۔

پہلی ملاقات میں ہی ارحم دردانہ کے ساتھ ساتھ خلیل احمد کو بھی بہت پسند آیا لیکن انہوں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ تاہم ارحم کے گھر والوں کی جانب سے کیے جانے والے اصرار نے دردانہ کو ہمت دی اور انہوں نے بیٹی سے بات کرنے کی ٹھانی۔

''تو پھر میں ارحم کے گھر والوں کو کیا جواب دوں؟'' دردانہ نے بیٹی کے کاندھے کو ہلایا۔

ماں کی بات سنتے ہی اس کے احساسات کے کانچ پہ ہلکی سی خراش پڑی لیکن وہ انجان بنی کھڑی رہی۔

''بیٹا..... اس رشتے میں تمہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ان کے سامنے پیش نہیں ہونا پڑا اور نہ ہی کسی الٹے سیدھے سوال کا جواب دینا پڑا۔'' وہ جتانے لگیں۔

''ہوں.....'' عنایا نے سر ہلایا۔

''اہم بات تو یہ ہے کہ ڈرائنگ روم پریڈ کے بغیر ہی تم ان لوگوں کو پسند بھی آگئیں۔'' دردانہ نے اس کے اعتراضات کا ایک ایک کرکے جواب لوٹایا۔

''ماں شادی زندگی کی بہت بڑی ضرورت سہی لیکن اتنی بھی نہیں کہ اس کے بغیر گزارا نہ ہوسکے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''عینی..... ہم جیسے سفید پوش گھرانے میں لڑکیوں کے ایسے کون سے بے حساب رشتے آتے ہیں جو مزید انتظار کیا جائے اور ارحم تو ویسے بھی لاکھوں میں ایک ہے' بغیر کسی وجہ کے انکار کرکے میں ناشکری نہیں کرسکتی۔'' انہوں نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

عنایا کیسے شادی کے لیے ہاں کرسکتی تھی جبکہ اسے ایک ہفتے میں اپنا شہر چھوڑ کر لاہور چلے جانا تھا' اس نے خود میں ہمت پیدا کی اور مجبوراً ماں کو اپنے ٹرانسفر کے حوالے سے سب کچھ بتادیا۔ یہ بات سنتے ہی دردانہ دل پہ ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھتی چلی گئیں' انہیں بیٹی سے ایسی خودسری کی توقع نہیں تھی۔ ایک دم دل کے مقام پر ایسا درد اٹھا کہ وہ پسینہ پسینہ ہونے لگیں' عنایا جو اپنی سنائے چلی جارہی تھی ماں کی کراہ پر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ دردانہ دل پہ ہاتھ رکھے کپکپاتے ہوئے ایک دم زرد پڑ چکی تھیں۔

❁.....❁.....❁

ماں کی بیماری نے عنایا کی جیسے روح نکال کر رکھ دی تھی' اسے کچھ ہوش نہ رہا بس ماں کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی۔ ایک مہینے میں دردانہ کی حالت بہتر ہونا شروع ہوئی تو اس نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ جب سے دردانہ کو اٹیک ہوا تھا' اس کی جان جیسے حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ اپنا آفس' کیریئر' ٹرانسفر اور پرموشن سب بھول گیا' یاد رہا تو بس ماں کی بیماری جس کی ذمہ دار وہ خود کو سمجھنے لگی تھی' اس نے زندگی میں پہلی بار باپ کو اتنا خاموش دیکھا تھا۔ وہ جی جان سے ماں باپ کی خدمت میں لگ گئی' ساری شرارت ضد اور بچپنا بھول کر اتنی ذمہ دار بن گئی کہ خلیل صاحب بیٹی کو دیکھ کر رہ جاتے' سب کی دعاؤں اور محبتوں کے بعد آخر دردانہ کی حالت میں سدھار پیدا ہونا شروع ہوا تو عنایا کی جان میں جان آئی۔

ماں کی طبیعت تھوڑی سنبھلی تو انہوں نے ایک بار پھر وہ ہی سوال دہرایا۔

''زندگی کا کوئی بھروسا نہیں..... میں اپنی زندگی میں تمہیں ہنستا بستا دیکھنا چاہتی ہوں بیٹا۔''

''ماں میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتی۔'' اس نے سہمی ہوئی بچی کی طرح دردانہ سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''دیکھو عینی..... میں آخری بار تم سے ارحم سے شادی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں' یقین جانو اس کے بعد کبھی بھی نہیں پوچھوں گی۔'' دردانہ کے کمزور لہجے میں چٹانوں جیسی سختی محسوس کر کے وہ ہار گئی اور اس ایک نکتے پر سوچنے لگی' جس سے والدین کو خوشی حاصل ہوسکے۔

❁.....❁.....❁

''ڈاکٹر صاحب..... ماں کو مزید یہ والی دوائی دینی ہے؟'' اس نے نسخہ پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

''جی دوائی کے ساتھ ان کی غذا کا بھی خاص خیال رکھنا ہوگا۔'' ڈاکٹر اعظم کے ہونٹوں پہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ آ گئی۔

''او کے..... میں فی الحال ان کو سوپ اور زود ہضم غذائیں دے رہی ہوں۔'' عینی نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔ وہ معمول کے مطابق چیک اپ کے لیے اسپتال لے کر آئی تھی' ڈاکٹر کے تفصیلی چیک اپ کے بعد دردانہ خلیل صاحب کے ساتھ گاڑی کی جانب بڑھ گئیں اور عنایا ڈاکٹر صاحب سے ان کی طبیعت کے بارے میں مزید بات کرنے کے لیے رک گئی تھی۔

''ایک بات اور مس عنایا۔'' وہ کمرے سے نکلنے لگی تو ڈاکٹر اعظم نے پیچھے سے پکارا۔

''جی ڈاکٹر صاحب۔'' وہ دروازے پہ ہاتھ رکھ کر مڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔

''اس اٹیک نے مسز خلیل کے اعصاب کو بہت کمزور کردیا ہے' کوشش کیجیے گا کہ اب ان کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا جائے اور کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچے' شاید وہ اس بار برداشت نہ کر پائیں۔'' ڈاکٹر کا ذومعنی لہجہ اسے اندر تک لرزا گیا تھا۔

''آپ میری بات کا مطلب سمجھ رہی ہیں ناں؟''

عنایا کو خاموش دیکھ کر انہوں نے اپنی بات پر زور دیا۔

''جی۔'' عنایا نے بے خیالی میں سر ہلایا اور کپکپاتے ہاتھوں سے دروازہ بند کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

''اب کی بار ارحم کی ممی کا جواب لینے کے لیے فون آئے گا تو آپ کیا کہیں گی؟'' رات کو ماں کو چمچے سے سوپ پلاتے ہوئے اس نے لب کھولے تو وہ لمحہ بھر کو چونکیں۔

''آ..... ہاں..... ہاں..... تم بتاؤ کیا جواب دینا چاہیے؟'' وہ اس کے سوال پر گڑبڑا گئی تھیں۔

اسے ایک دم ہنسی آ گئی جسے چھپانے کی اس نے کوشش بھی نہیں کی۔

''آپ میری طرف سے ہاں کر دیں۔''

''کیا.....؟ کیا عینی.....! تم سچ کہہ رہی ہو.....''

دردانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کیسے چھپائیں۔

''ماں..... اگر آپ اور بابا کا خیال ہے کہ ارحم میرے لیے ٹھیک ہیں تو پھر مزید کچھ نہ سوچیں۔'' اس نے نیپکن سے ماں کا منہ پونچھتے ہوئے بڑے آرام سے کہا۔

دردانہ اس کے غیر متوقع جواب پر ہڑبڑا کر لاؤنج میں اخبار پڑھتے ہوئے خلیل احمد کو دیکھنے لگی۔

''لو بھئی، بیگم آپ نے اتنا بڑا معرکہ سر کر لیا اور پھر بھی ایسی اداس شکل بنائے بیٹھی ہیں۔'' ان کے چھیڑنے پر بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ دردانہ بیگم کے لبوں کو چھو گئی۔ عنایا نے ماں باپ کے چہرے پر پھیلا سکون دیکھا تو خود بھی مسکرا دی تھی۔

❁.....❁.....❁

عنایا رواج کے مطابق جب ولیمے کے بعد میکے رہنے آئی تو اسے دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ وہ بڑے سکون و سلیقے سے بیٹھی، دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے نک سک سے سجی سنوری بڑی پیاری لگ رہی تھی۔

دردانہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ نباہ اور سمیرا سے باتوں میں مگن تھی، اس کے ہر دوسرے جملے میں ارحم کا ذکر ہوتا، اس کے انداز بتا رہے تھے کہ اسے اب ہر وقت ارحم کی ضرورتوں کا خیال رہتا، ارحم یہ، ارحم وہ۔

اس کے ارحم نامے پر سمیرا اور نباہ اسے دیر تک چھیڑتیں رہیں۔ دردانہ کے لبوں پر بڑی پُرسکون مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ جو شادی کو قید سمجھتی آئی تھی، ارحم کی محبت نے اس کی سوچوں کا رخ بدل کے رکھ دیا تھا، اس کی محبت کی قیدی بن کر وہ آزادی کے مزے لوٹ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

''عینی۔'' صبح دردانہ کے پکارنے اور دستک دینے کی آواز پر اس نے دروازہ کھولا۔

''کیا ہوا ماں؟'' تر و تازہ عنایا ان کے سامنے کھڑی ہوئی تو وہ اسے تکتی چلی گئیں۔ آنکھوں میں کاجل، ہونٹوں پر سرخی، لمبے بالوں کو سلیقے سے سنوارے ہوئے خوش رنگ و خوش لباس۔ ہاتھوں میں بھر بھر کر پہنی چوڑیوں کی جلترنگ۔

''کیا یہ میری وہ ہی عنایا ہے، جسے سجنا سنورنا ڈراما بازی لگا کرتا تھا؟'' وہ بے اختیار سوچتے ہوئے مسکرا دیں تو عنایا کنفیوژ ہونے لگی۔

''عینی..... تم سسرال میں خوش تو ہو ناں؟'' جانے وہ کیا موہوم سا احساس تھا جو انہوں نے بیٹی سے یہ سوال پوچھنا ضروری سمجھا۔

عنایا کے ہونٹوں پر ابھرتی شرمگیں مسکراہٹ اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ چہرے پہ پھیلے سکون میں ان کے سوال کا جواب چھپا ہوا تھا۔ دردانہ نے آگے بڑھ کر بیٹی کی چمکتی پیشانی کو چوم لیا تھا۔

❁

چلو ہم مسکرائیں

نزہت جبین ضیاء

"کیا ہوا طوسیہ..... تم خوش نہیں ہو؟" عارض نے اپنے برابر والی سیٹ پر بیٹھی طوسیہ پر گہری نظر ڈال کر سوال کیا۔

"میں تو بہت خوش ہوں عارض اور میں چاہتی ہوں کہ مما بھی اتنی ہی خوش ہوں..... عارض میں اس خوشی کو تمہارے بعد سب سے پہلے مما سے شیئر کرنا چاہتی ہوں مگر.....؟" طوسیہ کے لہجے میں اداسی در آئی۔

"وہ خوش تو ہوں گی ناں؟" معصوم نظروں سے عارض کو دیکھا۔

"ہاں..... ہاں یقیناً" عارض نے روڈ پر گاڑیوں کے اژدھام پر نظریں جماتے ہوئے ملائمت سے طوسیہ کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تو طوسیہ نے سیٹ سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔

آنکھیں بند کیں تو گزشتہ ماہ وسال کا نقشہ بند آنکھوں میں دھیرے دھیرے اتر آیا اور وہ ماضی کے پے در پے کھلتے دریچوں میں گم ہوتی چلی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

اس روز موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کسی وقت بھی بارش برسنے والی تھی اور عائلہ کو اپنے پروجیکٹ کے ضروری سامان کی خریداری کرنا تھی۔ اس کا ٹیسٹ تھا اور ہر صورت آج ہی بازار جانا تھا۔ مجبوراً طوسیہ کو لے کر مارکیٹ آ گئی۔ مطلوبہ چیزیں خرید کر وہ لوگ رکشے میں واپس آ رہی تھیں کہ ہلکی بارش بھی شروع ہوگئی۔ وہ لوگ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ سامنے سے آتی بائیک بارش کی وجہ سے سلپ ہوئی اور بائیک سوار کوشش کے باوجود اس پر قابو نہ رکھ سکا اور بائیک سیدھی رکشہ سے آ ٹکرائی۔

"یا الٰہی خیر....." طوسیہ اور عائلہ خوف کے مارے بری طرح چلائیں ایک سیکنڈ میں دیکھتے ہی دیکھتے رکشے والا بھی توازن برقرار نہ رکھ سکا اور رکشہ فٹ پاتھ سے ٹکرایا اور طوسیہ رکشے سے اچھل کر باہر آ گری۔ عائلہ زور سے چلائی۔ طوسیہ کے ہوش وحواس گم ہوگئے تھے۔ لوگ جمع ہوگئے عائلہ کو تو معمولی خراش آئی تھی مگر گرنے کی وجہ سے طوسیہ کے پیر میں چوٹ لگ گئی تھی۔ عائلہ رونے لگی۔ طوسیہ درد سے کراہ رہی تھی۔ تب ہی گاڑی سے اتر کر ایک نوجوان آگے آیا۔

"یہاں قریبی کلینک ہے..... میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں۔"

"جی نہیں..... میں ٹھیک ہوں۔ ہم رکشے سے چلے جائیں گے۔" طوسیہ نے جلدی سے کہا اور خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن درد کی وجہ سے وہ صحیح طور پر کھڑی نہ رہ سکی۔

"آپ کو چوٹ لگی ہے محترمہ..... اندرونی چوٹ خطرناک ہوتی ہے اس لیے لاپروائی ٹھیک نہیں۔" وہ دوبارہ بولا۔

"بیٹی پاس ہی کلینک ہے چلی جاؤ۔" قریب کھڑے ایک معمر شخص نے بھی مشورہ دیا تو طوسیہ اور عائلہ عارض کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

"میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس خطرناک موسم میں آپ لوگ باہر کیوں نکلیں؟" عارض نے گاڑی اسٹارٹ کرتے مرر سے عائلہ کو دیکھ کر سوال کیا۔

"ہمارا گھر یہیں کچھ فاصلے پر ہے اور میں ہوم اکنامکس کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ مجھے ارجنٹ پروجیکٹ کمپلیٹ کرنا تھا اس لیے بہت مجبوری میں آنا پڑا۔" عائلہ نے تفصیل بیان کی تو طوسیہ اسے گھورنے لگی۔ عائلہ کو ہر کسی سے رشتہ جوڑ لینے کی بیماری تھی۔

"اوہ اچھا گڈ....." وہ سر ہلا کر بولا۔

"میرا نام عارض شکیب ہے۔ میرا اپنا بزنس ہے۔ مما کا اکلوتا بیٹا ہوں۔" عارض نے خود ہی اپنا تعارف کروایا۔

''اور ایک اہم بات یہ کہ میں انتہائی شریف بندہ ہوں..... آپ لوگوں کی مدد اپنی فطرت کی وجہ سے کر رہا ہوں۔ کسی لالچ کی وجہ سے نہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ ممانے میرے لیے لڑکی پسند کر رکھی ہے۔ اس لیے آنکھ اور فطرت کے ساتھ ساتھ میری نیت بھی بالکل صاف ہے۔'' اس کی لمبی چوڑی بات پر دونوں جز بز ہوگئیں خاص طور پر طوسیہ جو اس کو آج کل کے لڑکوں کی طرح سمجھ بیٹھی تھی۔

''جی جی..... بہت شکریہ۔'' کلینک کے باہر اترتے ہوئے عائلہ بولی۔

معمولی چوٹ تھی۔ دوا لے کر وہ دونوں باہر نکلیں تو دور دور تک رکشے کا نام ونشان نہیں تھا۔ ابھی بھی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ پیدل چلنے کی ہمت نہیں تھی۔ طوسیہ کے لیے چلنا تھوڑا مسئلہ پیدا کر رہا تھا۔ تب ہی عارض کی گاڑی دونوں کے قریب آ کر رکی۔

''اگر مناسب سمجھیں تو میں آپ لوگوں کو گھر چھوڑ دوں؟'' کھڑکی سے سر نکال کر شرافت سے پوچھا۔ طوسیہ پس وپیش کر رہی تھی لیکن عائلہ اس کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''کبھی کبھی کتنی پریشانی ہوجاتی ہے۔'' طوسیہ باہر دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''ہمارے ابا جی گورنمنٹ سرونٹ ہیں، ہم دو بہنیں ہیں۔ طوسیہ آپی ایم ایس سی کر رہی ہیں اور میں ہوم اکنامکس کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ طوسیہ آپی کی منگنی ہوچکی ہے اور سمیر بھائی ہمارے رشتے دار ہیں۔ آپی جیسے ہی ایگزمز سے فارغ ہوں گی ان کی شادی ہوجائے گی۔'' عائلہ نے پندرہ منٹ کے سفر میں ساری تفصیلات اس کو بتائیں۔

''ارے واہ..... بہت بہت مبارک ہو عائلہ سسٹر، اب تو میری دعوت بھی پکی ہے تمہاری آپی کی شادی پر۔'' عارض خوش دلی سے بولا۔

''جی بالکل۔'' عائلہ چہچہائی کچھ دیر پہلے کے ایکسیڈنٹ کی کوفت بھی ختم ہوچکی تھی۔ طوسیہ نے گاڑی گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر رکوادی۔

''بہت بہت شکریہ۔'' طوسیہ نے گاڑی سے اتر کر عارض کو دیکھ کر کہا۔

''شکریہ کیسا؟ مجھے اچھا لگا، میرا سفر بھی اچھا گزرا..... عائلہ بیسٹ آف لک۔ اتنی پریشانی کے بعد تم اپنا پروجیکٹ کمپلیٹ کروگی۔'' عارض نے پہلے طوسیہ اور پھر عائلہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''تھینک یو عارض بھائی۔'' عائلہ مسکرائی۔

گھر آ کر عائلہ نے ایکسیڈنٹ سے لے کر عارض کے ساتھ آنے کی تفصیل لفظ بہ لفظ صالحہ بیگم کو سنائی۔

''ہائے اللہ.....'' صالحہ بیگم ایکسیڈنٹ کا سن کر گھبرا گئیں۔

''شکر ہے اللہ کا، زیادہ نہیں لگی اماں۔'' طوسیہ نے تسلی دی۔

''اللہ پاک اس بچے کو سلامت رکھے۔'' صالحہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر عارض کو دعا دی۔ عائلہ فوراً ہی اپنے کام میں لگ گئی اور طوسیہ اماں کے بستر پر ہی لیٹ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

عارض جیسے ہی گھر میں داخل ہوا، سامنے لاؤنج میں زیبا بیگم کو غصے کی حالت میں بیٹھے دیکھا۔ تب اسے اچانک یاد آ گیا۔

''اف توبہ.....'' اس نے سر پر ہاتھ مارا۔ آج ممانے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ گھر جلدی آجانا زارا آنے والی ہے۔

''آئی ایم ویری سوری ممما۔'' ماں کا حد درجہ بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر ان کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

''بات مت کرو مجھ سے..... تمہیں کچھ احساس ہے کہ کمٹمنٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ماں کی زبان کا پاس بھی ہے تمہیں؟'' انہوں نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ممما..... آئی ایم رئیلی ویری ویری سوری..... دراصل

ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا تو اس کو گاڑی میں ہاسپٹل لے کر چلا گیا اور آج کا پروگرام ذہن سے بالکل نکل گیا۔'' وہ عاجزی سے ان کے گھٹنے تھام کر بولا۔

''عارض..... تمہیں دنیا جہان کے مسائل ماں کی زبان اور خوشیوں سے زیادہ اہم لگتے ہیں نہ صرف ماں بلکہ تمہاری بہن کی دو طرفہ خوشی کو بھی تم یکسر نظر انداز کر بیٹھے کہ ایک معمولی اور غیر اہم لڑکی کے لیے تم میری بات کو بھول گئے۔ وہ تو شکر ہوا کہ زارا کی طرف زیادہ بارش ہوگئی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی زارا نے کال کر کے آج کا پروگرام کینسل کرنے کے لیے کہا ورنہ اگر وہ لوگ آجاتے تو.....؟ اور موبائل بھی بند جارہا تھا اگر موبائل تمہارے کام کا نہیں تو کسی غریب کو دے دو کیوں بلاوجہ بوجھ اٹھائے پھرتے ہو.....؟'' آج تو زیبا بیگم بہت زیادہ ہی ناراض تھیں۔ صغیرہ اماں بھی چپ چاپ کھڑی تھیں۔

''پیاری مما..... بس آخری بار معاف کردیں۔ آج کے بعد ایسی غلطی دوبارہ نہیں ہوگی۔'' وہ کان پکڑے، سر جھکائے، نادم سا کھڑا تھا۔ زیبا بیگم نے بغور اپنے لمبے چوڑے بیٹے کی طرف دیکھا اور کرسی سے اٹھیں۔

''اوکے۔'' کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

شکیب احمد مالی لحاظ سے کافی مستحکم تھے کچھ وراثت میں جائیداد بھی ملی تھی۔ انہوں نے شہر کے پوش ایریا میں اچھا سا گھر بنالیا تھا۔ اپنی بیوی زیبا بیگم اور دو بچوں زارا اور عارض کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ زارا اور عارض فطرتاً اچھے تھے۔ روپے پیسے کی فراوانی کے باوجود ان کی عادتیں بگڑی نہیں تھیں۔ زیبا بیگم فطرتاً تھوڑی سی تنک مزاج تھیں۔ انہیں اپنی مرضی اور حکم چلانے کی عادت تھی۔ زارا نے بی اے کیا تھا اور عارض نے انٹر۔ تب اچانک شکیب صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ایسے میں زیبا بیگم نے سمجھ داری اور عقل مندی سے گھر اور بچوں کو سنبھالا۔ روپے پیسے کی کمی نہ تھی اس لیے مالی پریشانی نہ ہوئی۔

زارا کا رشتہ بھی طے ہوچکا تھا۔ عدیل پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا اور اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ رہتا تھا۔ عارض فطرتاً سمجھ دار تھا۔ والد کی وفات کے بعد اور زیادہ ذمے دار ہوگیا تھا۔ زارا کی شادی کی تقریباً تیاری تو مکمل تھی۔ اس لیے زارا نے بی اے کیا تو زیبا بیگم نے اس کی شادی کردی تھی۔

ردابہ اس وقت میٹرک میں تھی۔ چھوٹی سی بچی تھی۔ والدین حیات نہیں تھے۔ عدیل نے محبت لاڈ و پیار سے پالا تھا۔ ہر خواہش پوری کرتا۔ زارا آئی تو ردابہ اس سے بھی مانوس ہوگئی۔ وہ اکثر زارا کے ساتھ آجاتی۔ زارا کے آجانے سے گھر میں رونق ہوجاتی۔ ورنہ زیادہ تر زیبا بیگم اور صغیرہ اماں ہی گھر میں رہتے۔ صغیرہ اماں بہت پرانی کل وقتی ملازمہ تھیں۔ جن کو گھر میں گھر کے فرد کی سی حیثیت حاصل تھی۔ عارض اپنے والد کی خواہش کے مطابق اکاؤنٹس پڑھ رہا تھا تاکہ آگے چل کر بزنس سنبھالے۔

شادی کے دو سال بعد زارا ایک پیارے سے بیٹے مانی کی ماں بن گئی۔ زیبا بیگم بہت خوش تھیں اور اپنے رواج کے مطابق زارا کو سوا مہینے کے لیے اپنے گھر لے آئیں۔ زارا یہاں آگئی تو ردابہ گھر میں بولائی بولائی پھرتی اسے زارا کی عادت ہوگئی تھی اور سب سے زیادہ ننھے مانی کے لیے بے چین رہتی۔ وہ بھی اکثر بھابی کے ساتھ آجاتی۔ اس بار آئی تو زیبا بیگم اور زارا نے زبردستی ردابہ کو روک لیا۔ ردابہ رات کو دیر تک مانی کے ساتھ کھیلتی رہی۔

آج کل عارض پر بھی بہت کام کا دباؤ تھا۔ وہ ابھی بھی اپنا لیپ ٹاپ سنبھالے اپنے کمرے میں کام میں مصروف تھا۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی سامنے ردابہ کھڑی تھی۔

''آپ جاگ رہے ہیں؟'' احمقانہ سوال پر عارض نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا۔

''دراصل مانی کے لیے فیڈر بنانے اٹھی تھی۔ آپ کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھی تو آگئی..... آپ کام کررہے ہیں تو آپ کے لیے چائے بنادوں؟'' لمبی چوڑی بات کے بعد اصل مقصد بیان کیا کیونکہ اسے بھی

چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

"وائے ناٹ؟ اگر تمہیں تکلیف نہ ہو تو ضرور ایک کپ گرما گرم چائے لے آؤ۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"اوکے ابھی لائی۔" وہ مسکرا کر پلٹ گئی اور پانچ منٹ کے بعد وہ گرما گرم چائے کا کپ لیے حاضر تھی۔

"تھینک یو سو مچ۔" کپ لے کر چائے کا گھونٹ بھرا۔

"واہ..... چائے تو بڑی زبردست بنائی ہے تم نے میں تو تم کو چھوٹی اور لاڈ پیار میں بگڑی ہوئی لڑکی سمجھتا تھا مگر تم نے تو ثابت کر دیا کہ تم کام بھی کر سکتی ہو۔" عارض خوش دلی سے بولا۔

"آپ نے ابھی میرے کام دیکھے کہاں ہیں؟ بھابی سے پوچھ لیں کتنی سگھڑ، بچی ہوں میں۔"

"بات میں دم تو ہے۔" عارض نے اس کی بات کی تائید کی۔

"اچھا چلیں آپ کام کریں اپنا' بھابی ویٹ کر رہی ہوں گی۔" وہ مسکرا کر جانے کے لیے پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ آج پہلی بار عارض نے ردابہ سے اس طرح سے بات کی تھی۔ وہ تو ردابہ کو لاڈ پیار میں بگڑی ہوئی مغرور لڑکی سمجھتا تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو زارا جاگ رہی تھی۔

"دے دی چائے عارض کو؟" زارا نے مانی کو تھپکتے ہوئے اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو پوچھا۔

"جی بھابی۔" وہ بستر پر لیٹ گئی۔

"بھابی آپ کے فادر کی ڈیتھ کب ہوئی تھی؟" بیڈ پر لیٹ کر ردابہ نے زارا کو مخاطب کیا۔

"ابھی کچھ عرصہ پہلے۔" زارا نے لیٹتے ہوئے جواب دیا۔ "کیوں.....؟" جواب کے ساتھ سوال بھی کیا۔

"زیبا آنٹی نے گھر کو اور آپ لوگوں کو اچھی طرح سے سنبھالا اور گھر کا نظام اتنے اچھے سے چلاتی ہیں۔ عارض بھی کتنی محنت کرتے ہیں۔ آپ کی بھی اتنی اچھی تربیت ہوئی ہے۔ میں نے تو بچپن سے گھر کا ماحول عجیب سا دیکھا بھائی میں اور آپا اماں بس....." اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"اوہ..... تمہیں آدھی رات کو کیسی باتیں سوجھ رہی ہیں پاگل لڑکی..... کلمہ پڑھو اور سونے کی کوشش کرو۔ اب تو سب اچھا ہو رہا ہے ناں اپنے گھر میں؟" زارا نے اس کو دیکھ کر کہا۔

"جی جی..... جب سے آپ آئی ہیں..... اللہ کا شکر ہے سب اچھا ہے ورنہ واقعی میں چڑچڑی اور بدتمیز ہوا کرتی تھی۔" کھلے دل سے اعتراف کیا تو زارا کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

دوسرے دن صبح عارض حسب معمول جلدی اٹھ کر لاؤنج میں آیا تو مما ناشتے کی ٹیبل پر زارا کے ساتھ موجود تھیں اور ردابہ کچن میں صغیرہ اماں کے ساتھ ناشتے کی تیاری میں مصروف تھی۔

"صغیرہ اماں، جلدی سے میرا ناشتہ لے آئیں۔" وہ سلام کر کے اپنی کرسی گھسیٹ کر زور سے بولا۔

"بھئی..... آج تو ردابہ کچن میں صغیرہ کی مدد کروا رہی ہے ناشتے کی تیاری میں۔ بہت اچھی بچی ہے۔ سادہ اور پُرخلوص طبیعت ہے اس کی۔" مما کے منہ سے ردابہ کے لیے یہ الفاظ سن کر عارض نے حیرت سے ان کو دیکھا۔ وہ بہت کم کسی کی تعریف کیا کرتی تھیں۔

"یہ لیں آنٹی..... بھابی کھا کر بتائیں کہ آج کا ناشتہ کیسا بنا ہے؟" ردابہ ٹرے میں ناشتہ لے کر آئی تو میز پر عارض کو دیکھ کر چونکی۔

"ارے..... آپ بھی آ گئے آپ کیا لیں گے ناشتے میں؟"

"آپ کیا کیا بنا لیتی ہیں باتوں کے علاوہ؟" عارض نے شرارت سے پوچھا۔

"آلو کے پراٹھے' مولی کے پراٹھے' حلوہ پوری، سادہ پراٹھا' کچوری' کارن فلیکس' چائے' انڈا بوائل' انڈا فرائی' انڈا ہاف فرائی' آملیٹ' آلو کی ترکاری۔" وہ ایک سانس میں کسی منجھے ہوئے خان جی کے ہوٹل کے بیرے والے

onlinemagazinepk.com/recipes

aanchal.com.pk
رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ

نئے اُفق

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے

نومبر 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

خون ریز: انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ طاقت کا حصول چاہتا ہے۔ انسانی تہذیب کے عروج و زوال کی داستانوں میں طاقت کا حصول ہی سب سے بڑی خواہش رہی ہے۔ طاقت اس وقت قوت بنتی چلی جاتی ہے، جب اس میں انسانیت کی فلاح مقصد ہو لیکن جونہی طاقت حاکمیت میں بدلتی ہے تو ظلم بڑھنے لگتا ہے۔ انصاف کی جگہ جبر لے لیتا ہے۔ خون ارزاں ہو جاتا ہے اور زندگی سسکنے لگتی ہے۔ ریشمی محبتوں، معاشرتی جبر، انسانی رویوں، دیدہ نادیدہ خطروں اور سازشوں کی خوں ریز داستان

سراب: کسی فلسفی نے کیا خوب کہا ہے کہ دنیا کا نظام تین طبقے چلاتے ہیں ایک نچلا طبقہ جو تین وقت کی روٹی پر راضی ہو جاتا ہے اگلے دن کا نہیں سوچتا ایک اوپر کا طبقہ جس کے لیے دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے رشتوں کا تقدس شرم و حیا سب کچھ ثانوی ہوتا ہے مگر سب سے زیادہ خطرناک اور حساس طبقہ مڈل کلاس ہوتا ہے جو نیچے آنا نہیں چاہتا اور اوپر والے اسے اوپر آنے نہیں دیتے۔ فیس بک پر رنگین خواب دیکھنے والی دوشیزہ کی روداد

درد کا درماں: آج کے دور میں جب سگی اولاد اپنی نہیں رہتی تو دوسروں کی اولاد سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے ایسے شخص کا فسانۂ غم جس نے دوسروں کی اولاد کو اپنا سمجھ کر اس پر ساری محبتیں نچھاور کریں پھر بھی خالی ہاتھ رہا۔ ہمیں یہاں کیسے کروں گے: قید میں سانس لیتا ایک بچہ جب جوان ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ماں سے ملے اس کے ہاتھ سے روٹی کھائے لیکن جب وہ اپنی ماں کے پاس پہنچتا ہے تو خواہش ادھورہ رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

انداز میں بولی۔

"اف....." زارا نے سر پکڑ لیا۔ عارض کو ہنسی آ گئی۔

"بھئی مجھے تو ایک عدد پراٹھا اور ایک ہاف فرائی انڈا درکار ہے۔ ایک کپ گرما گرم چائے کے ساتھ۔"

"ارے بیٹی..... تم کس چکر میں پڑ گئیں۔ ادھر آ کے بیٹھو ناشتہ کرو صغیرہ دے دے گی عارض کو ناشتہ۔" زیبا بیگم نے روابہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"او کے آنٹی۔" وہ سعادت مندی سے کرسی پر بیٹھ گئی سب لوگ مسکرا دیے۔ دوپہر میں عارض گھر آیا تو مما اور زارا گھر پر نہیں تھے۔

"مما..... مما۔" وہ آوازیں دینے لگا۔

"آنٹی بھابی اور مانی کو لے کر ہاسپٹل گئی ہیں۔ آج مانی کا چیک اپ کروانا تھا۔" کچن میں صغیرہ اماں کے ساتھ کام کرتی وہ عارض کی آواز پر باہر آ کر بولی۔

"اوہ ہاں یاد آ گیا صبح مما نے بتایا تھا۔" عارض نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"صغیرہ اماں، پلیز کھانا لگا دیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔" کہتا ہوا وہ فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ فریش ہو کر آیا تو روابہ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی۔

"تم رہنے دو تم یہاں مہمان ہو اور مہمان کا کام خاطر کروانے کا ہوتا ہے خاطریں کرنے کا نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا..... یہ بتائیں کہ کھانا کیسا پکا ہے؟" وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ پہلا نوالہ حلق سے اتارتے ہی سوال کیا۔

"بہت اچھا پکا ہے بہت۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ یہ کھانا صغیرہ اماں نے پکایا ہے.....؟" دوسرا سوال کیا۔

"ہوں.....!" ابرو چڑھا کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"جی جی آپ بالکل ٹھیک ہی سمجھ رہے ہیں کیونکہ کھانا صغیرہ اماں نے ہی پکایا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی صغیرہ اماں بھی مسکرا دیں۔

"جی جناب..... بچپن سے صغیرہ اماں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھا رہا ہوں ایک ایک لقمے میں اماں کے ہاتھوں کا ذائقہ محسوس کرتا ہوں۔" عارض نے فخریہ انداز سے کہا۔

"واؤ گڈ....." وہ مسکرائی۔

"ویسے مجھے بہت شوق ہے مگر آپا اماں کچھ کرنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ اب بھابی بھی سب کچھ خود کرتی ہیں۔ ہمارے یہاں کے گھروں میں مائیں اور بھاوجیں لڑکیوں کو طعنے دیتی ہیں کہ کچھ سیکھ لو گھر داری کر لیا کرو۔ سسرال جا کر ہماری ناک مت کٹوا دینا۔ کچھ سیکھ کر جاؤ۔ سسرال میں میکے کا نام روشن کرنا مگر.....!" وہ ایک لمحے کو رکی۔

"مگر کیا؟" عارض نے پوچھا۔

"مگر ہمارے گھر میں اس کے بالکل الٹ ہے۔ یہاں پر پہلے آپا اماں اور اب بھابی کو بار بار یہ احساس دلانا پڑتا ہے کہ خدارا اس معصوم لڑکی کو کچھ گھر داری سکھا دو۔ کھانا پکانا سکھا دو۔ آخر کل مجھے بھی اگلے گھر جانا ہے۔ کم از کم اپنے میکے کا نام تو روشن کروں مگر نہ بھئی نا..... یہاں کا تو نظام ہی الٹا ہے۔" وہ لگاتار بول رہی تھی۔ عارض کھانے سے ہاتھ روک کر اس کو مسلسل بولتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

"اف..... کتنا بولتی ہے یہ لڑکی۔" پنک اور وائٹ کلر کے سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں شولڈر کٹ بالوں کو وہیٹ کیچر میں جکڑے وہ بولتی ہوئی بہت معصوم لگ رہی تھی۔ عارض کو محویت سے دیکھتا پا کر اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے مسلسل بول رہی ہے۔

"اوہ..... کیا میں زیادہ بولتی ہوں؟" معصومانہ انداز میں کیے گئے سوال پر عارض نے سر پیٹ لیا۔

"اچھا..... میں آپ کے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی تو عارض نے سر ہلایا۔ چائے بنا کر لائی تو زیبا بیگم اور زارا بھی آ گئی تھیں۔

"دیکھیں آنٹی..... میں نے آپ کے بیٹے کا کتنا خیال رکھا ہے۔ کھانے کے بعد چائے بھی دے دی۔ آپ ایویں فکر کر رہی تھیں کہ میرا بچہ تھکا ہارا آئے گا۔"

روابہ نے زیبا بیگم کو مخاطب کیا۔

''اف..... آپی یار میں تمہارے لیے نوبل پرائز کا بندوبست کرتا ہوں..... تم کیسے برداشت کررہی ہو گزشتہ دو سال سے اس بنا اسٹاپ بولتی چڑیا کو۔ سچی چیں چیں چیں چیں، میرے تو کان میں سیٹیاں بجنے لگی ہیں۔'' زارا کے قریب آ کر عارض نے سرگوشی کی تو زارا نے آنکھیں نکال کر مکا دکھایا۔ عارض ہنستا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

''آج سمیر کی والدہ آئی تھیں۔'' صالحہ بیگم عصر کی نماز سے فارغ ہوئیں تو سامنے بیٹھے وقار صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے جائے نماز تہہ کر کے شیلف پر رکھی۔

''اچھا سب خیریت ہے ناں، کیا کہہ رہی تھیں؟'' وقار صاحب نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کپ خالی ٹرے میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''بس وہی، شادی جلدی کرنا چاہ رہی ہیں۔ ویسے وقار احمد..... ہم نے رشتہ کرنے میں جلدی تو نہیں کردی؟ سمیر لاابالی سا ہے۔ جب سے رشتہ ہوا ہے طوسیہ پر بھی پابندیاں لگانے لگا ہے۔'' صالحہ بیگم کا لہجہ فکرمندانہ تھا۔

''ارے نہیں صالحہ بیگم..... تم خوامخواہ وہم مت پالا کرو۔ وہ آج کل جاب کی وجہ سے تھوڑا سا فکرمند ہے کیونکہ کمپنی کے حالات ٹھیک نہیں اور لڑکے تو ایسا کرتے ہی ہیں۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ اللہ سب بہتر کرنے والا ہے۔ بس پھر شادی کی تیاریاں شروع کردو اور آپا (سمیر کی والدہ) سے مشورہ کر کے کوئی تاریخ طے کرلو۔'' وقار احمد نے ملائمت سے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا تو صالحہ بیگم اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

''تمہارا ایکسڈنٹ کب ہوا؟ امی بتا رہی تھیں کہ تمہارا ایکسڈنٹ ہوا تھا لاسٹ ویک۔'' رات کو طوسیہ بستر پر آ کر لیٹی تب ہی سمیر کی کال آ گئی۔

''بس معمولی سی چوٹ آئی تھی۔ رکشہ سلپ ہو گیا تھا۔'' طوسیہ نے بتایا۔

''معمولی تھی یا بہت بڑی..... تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔ مجھے بتانے کی زحمت بھی نہیں کی تم نے اور یوں غیر لڑکے کے ساتھ ڈریسنگ بھی کروالی اور اس کی گاڑی میں گھر بھی آ گئیں۔ اگر معمولی چوٹ تھی تو تم خود ڈاکٹر کے پاس جا سکتی تھیں۔'' سمیر کا انداز طنزیہ تھا۔

''سمیر..... وہ اتفاق سے ایک صاحب کی گاڑی آ گئی اور انسانی ہمدردی کے تحت انہوں نے ہیلپ کردی بس۔'' طوسیہ اس کی بات پر پریشان ہو کر صفائیاں دینے لگی۔

''انسانی ہمدردی ہنہ..... اچھی طرح جانتا ہوں ایسے انسانی ہمدرد اور ہیلپ فل لوگوں کو۔ تم بچی تو نہیں کہ تمہیں حالات کے بارے میں بتانا اور سمجھانا پڑے کہ یوں غیر محرم کے ساتھ گھومنا پھرنا بری بات ہے اور کسی کے دل میں کیا ہے اس بات کا علم تم رکھتی ہو کیا؟'' اس کا انداز برہم اور لہجہ تلخ تھا۔

''اوکے..... سوری آئندہ خیال رکھوں گی۔ دراصل اس وقت عائلہ بھی پریشان تھی۔''

''اوکے اوکے بس..... صفائی مت دو۔'' ادھر سے کھٹاک سے کال بند کردی گئی۔

''کیا ہوا..... کیا کہہ رہے تھے سمیر بھائی؟'' عائلہ نے پوچھا جو سامنے بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی مگر نظر اور کان مسلسل طوسیہ پر تھے۔

''وہ شاید اماں نے پھپھو کو ایکسڈنٹ اور عارض صاحب کے ساتھ آنے والی بات بتادی ہے، اسی پر ناراض ہو رہے تھے۔'' طوسیہ نے نادم ہوتے ہوئے کہا۔

''اف..... ایک تو ہماری بھولی اماں کو بھی اتنی تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ جانتی بھی ہیں پھپھو کی فطرت کو آپ سے حال احوال نہ پوچھا اور جا کر بیٹے کے کان بھر دیے اور سمیر بھائی..... سے کہتی ناں کہ میں نے کوئی تفریح نہیں کی کسی کے ساتھ نہ ہی بلاضرورت ہم گاڑی میں بیٹھے۔ ایک شریف آدمی نے انسانی ہمدردی کے تحت ہماری مدد کی تھی۔'' عائلہ کو بے تحاشہ غصہ آ گیا۔

''چھوڑو عائلہ..... کچھ مردوں کی نیچر ہوتی ہے کہ صرف ان کو ہی اٹینشن دو۔ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔'' طوسیہ عادتاً دھیمے لہجے میں بولی۔ اس کی یہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ مثبت سوچ رکھتی تھی۔

''اللہ پاک تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرے آپا۔'' عائلہ نے تاسف سے بہن کی طرف دیکھا اور دل سے دعا دی۔

''آمین۔'' طوسیہ نے جواباً کہا اور منہ تک چادر اوڑھ لی تاکہ عائلہ مزید کوئی بات نہ کر سکے۔

وقار صاحب نے صالحہ بیگم کو کچھ پیسے دیے تھے تاکہ وہ جا کر طوسیہ کے لیے چھوٹا موٹا سونے کا سیٹ خرید لیں اور شادی کے وقت سہولت ہو جائے۔ وقت گزرتے پتا نہیں لگتا اور بیٹی کی تیاریاں تو ویسے بھی شادی کے دن تک ختم نہیں ہوتیں۔ عائلہ کالج سے لوٹی تو کھانے اور ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر تینوں ماں بیٹیاں بازار جانے کی تیاری کرنے لگیں۔

''آپی..... میں نے کل ڈرامے میں ایک جھمکوں والا سیٹ دیکھا ہے چھوٹا سا ہے مگر بہت پیارا ہے۔ ویسا اگر مل جائے تو اچھا ہے ورنہ ہم ویسا سیٹ بنوالیں گے۔'' عائلہ نے اسکارف پہنتے ہوئے کہا۔

''دیکھتے ہیں۔'' طوسیہ نے عبایا پہنتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔

''طوسیہ بیٹی..... چھوٹا کلچ لے کر چلو تاکہ ہاتھ میں پکڑے رہو۔ شولڈر بیگ مت لینا۔ رقم زیادہ ہے، احتیاط ضروری ہے۔ آج کل کے حالات سے ڈر لگتا ہے۔'' صالحہ بیگم نے کمرے میں آ کر کہا۔

''جی اماں..... میں نے کلچ بھی لیا ہے۔'' طوسیہ نے کہا اور دروازے لاک کر کے تینوں باہر کی سمت نکلی آئی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

عارض کو آفس میں بیٹھے بیٹھے اچانک یاد آیا کہ دو دن بعد مما کی برتھ ڈے ہے کیوں نہ اس بار میں ان کو سرپرائز دوں اور یہ ہی سوچ کر وہ گاڑی لے کر بازار کی طرف چل دیا۔ اب اسے یہ علم نہیں تھا کہ مما اور زارا گولڈ کی شاپنگ کس جیولری شاپ سے کرتی ہیں وہ ایسے ہی آ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مما کے لیے خوب صورت سی چین خرید لے۔ مختلف شاپس پر سے ہوتا ہوا وہ ایک شاپ کے سامنے رک گیا کیونکہ یہاں پر رش قدرے کم تھا، تین چار خواتین ہی تھیں۔

''جی سر.....'' شاپ کیپر عارض سے مخاطب ہوا۔

''یار اچھی سی چین، پینڈنٹ تو دکھاؤ۔'' آواز پر عائلہ چونکی اور پیچھے مڑ کر دیکھا کاؤنٹر کی دوسری جانب عارض کھڑا تھا۔

''آپی عارض بھائی.....'' عائلہ نے انتہاک سے ڈیزائنز پسند کرتی طوسیہ کو ٹہوکا دیا۔ اسی لمحے عارض کی نگاہ سامنے کی جانب اٹھی تو آنکھوں میں شناسائی کی چمک جاگی۔

''السلام علیکم عارض بھائی۔'' عائلہ نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' عارض مسکرایا۔ طوسیہ نے بھی سلام کیا۔ صالحہ بیگم حیرت سے عارض کو دیکھ رہی تھیں۔

''اماں..... یہی عارض بھائی ہیں جو ہمیں ہاسپٹل لے کر گئے تھے۔''

''اور عارض بھائی..... یہ اماں ہیں۔'' عائلہ نے تعارف کرایا۔

''السلام علیکم!'' عارض نے قریب آ کر صالحہ بیگم کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ جیتے رہو بیٹا اللہ پاک سلامت رکھے۔'' انہوں نے دعا دے ڈالی۔

''جی آنٹی یہ سیٹ ڈن کر دوں۔'' دکان دار کو شاید ان کا آپس میں مصروف ہو جانا اور خریداری کی طرف سے لاپروائی اچھی نہیں لگی تب ہی صالحہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''جی جی بھائی..... یہ والا ڈن کر دیں۔'' طوسیہ نے پہلے ماں اور پھر عائلہ کی طرف دیکھ کر ان کی رضامندی محسوس کرتے ہوئے دکان دار سے کہا۔

''چلیں بھئی اب میری بھی ہیلپ کردیں..... میری مما کی برتھ ڈے ہے میں ان کو سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ ایسے کاموں اور خواتین کی شاپنگ سے قطعی نابلد ہوں تو چین کی چوائس میں میری مدد کردیں۔'' عارض نے طوسیہ اور عائلہ کی جانب دیکھتے ہوئے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

اور عین اس وقت جب کہ عارض سونے کی ایک بھاری اور خوب صورت چین اٹھا کر طوسیہ اور عائلہ کو دکھا رہا تھا۔ عائلہ کی پشت دروازے کی جانب تھی جب کہ طوسیہ کا چہرہ سامنے تھا اور ساتھ عارض کا سائیڈ پوز..... طوسیہ مسکرا کر پسندیدگی کا اظہار کررہی تھی۔

''ارے واہ عارض بھیا زبردست..... اسے ڈن کرلیں۔'' عائلہ نے بھی کہا لیکن..... اس وقت شیشے کے پار سے دو مشکوک نگاہوں کا مرکز صرف اور صرف مسکراتی ہوئی طوسیہ اور عارض تھے۔ زہریلی نگاہوں میں غصہ اور شک نمایاں تھا۔

''او کے تھینک یو سو مچ بوتھ آف یو۔''

''آپ لوگوں نے میری مشکل حل کردی۔'' عارض نے تشکر سے دونوں کی جانب دیکھا۔

''چلیں..... وہ والا حساب برابر ہوگیا جب آپ نے ہماری ہیلپ کی تھی۔'' عائلہ نے فوراً حساب چکتا کیا۔

''ہم لوگ بھی آپی کے لیے سیٹ لینے آئے ہیں آپی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے۔'' عائلہ نے اپنی بات کو جاری رکھا۔

''گڈ مبارک ہو۔'' وہ طوسیہ کو دیکھ کر مسکرایا۔

''عارض بھائی..... میں آپ کو بھی انوائیٹ کروں گی آئیں گے ناں؟'' عائلہ نے کہا۔

''ضرور کیوں نہیں۔ یہ لو میرا کارڈ مجھے کال کردینا۔'' عارض نے خوش دلی سے کہا۔

''بیٹا..... اپنی والدہ کو لے کر آنا۔'' صالحہ بیگم کو یہ شریف اور سیدھا سادہ لڑکا اچھا لگا تھا۔

''جی آنٹی ان شاء اللہ۔'' سعادت مندی سے سر جھکایا۔

اپنی اپنی ادائیگی کرکے وہ لوگ دکان سے باہر نکلے۔ صالحہ بیگم کو اور شاپنگ بھی کرنی تھی ان لوگوں کا رخ کپڑوں کی دکانوں کی طرف تھا جب کہ عارض کار پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ ان لوگوں کا یوں اچانک سے ملنا محض ایک اتفاق تھا لیکن کبھی کبھی معمولی اتفاقات بڑے بڑے طوفانوں کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔

❁.....❁.....❁

عارض پڑھائی مکمل کرکے بزنس میں آ گیا تھا۔ عارض اور ردابہ کا باقاعدہ رشتہ طے کردیا گیا تھا اور شادی کم از کم دو سال بعد طے پائی۔ عارض اور ردابہ دونوں ہی خوش تھے گو کہ نہ آپس میں محبت کی باتیں، نہ میل ملاقات نہ عہد و پیمان بس ایک دوسرے کو پسند کیا۔ ردابہ کو عارض کی متانت بردباری اچھی لگی جب کہ عارض کو ردابہ کی صاف گوئی اور معصومیت پسند آئی تھی۔ دونوں ہی بہت خوش اور مطمئن تھے اور سب سے زیادہ خوش تو زارا تھی ایک جانب بھائی تھا وہ بھی اکلوتا تو دوسری طرف نند تھی تو وہ بھی اکلوتی دونوں طرف سے تیاریاں زارا کو ہی کرنی تھیں اور وہ اس شادی پر سارے ارمان نکالنا چاہتی تھی بقول اس کے اس شادی کے بعد مانی کی شادی آنی ہے۔ اس روز وہ تقریباً فارغ ہی تھا جب اس کے موبائل کی بیل بجی۔

''السلام علیکم عارض بھائی.....'' عائلہ کی آواز عارض نے پہچان لی تھی۔

''وعلیکم السلام..... کیسی ہو گڑیا اور سب خیریت؟'' عارض نے جواب دے کر گرم جوشی سے سوال بھی کر ڈالا۔

''الحمدللہ..... جی سب خیریت سے ہیں آپ کو گڈ نیوز دینی تھی۔'' عائلہ نے کہا۔

''ارے واہ..... سیم ہیئر میرے پاس بھی گڈ نیوز ہے۔'' عارض کا لہجہ خوش گوار تھا۔

''اچھا گڈ..... میرے پاس یہ خوش خبری ہے کہ طوسیہ آپی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے اور ابا جی اور اماں نے آپ کو بھی انوائیٹ کیا ہے آپ کو ضرور آنا ہے۔''

"بہت بہت مبارک ہو مجھے ہال کا ایڈریس سینڈ کردو۔ ضرور آؤں گا اور ایک خوش خبری میری طرف سے یہ ہے کہ میری بھی منگنی ہوگئی ہے۔" عارض کا لہجہ کھنکتا ہوا تھا۔

"ارے واہ..... بہت بہت مبارک باد پھر تو مٹھائی بنتی ہے۔" عائلہ خوش ہوکر بولی۔

"ہاں ضرور کھلاؤں گا بلکہ گھر لے آؤں گا۔" وہ ہنسنے لگا۔

"اچھا میں ایڈریس سینڈ کرتی ہوں۔" عائلہ نے اجازت چاہی۔

"اوکے ٹیک کیئر۔" عارض نے جواباً کہا۔ عائلہ نے ہال اور گھر کا پتا سینڈ کردیا۔

"مما..... ایک بار میں نے ایک لڑکی کی ہیلپ کی تھی ناں؟ بارش میں اس کا ایکسڈنٹ ہوگیا تھا تو؟" رات کو عارض نے زیبا بیگم سے ذکر کیا۔

"ہاں ہاں..... یاد ہے۔" زیبا بیگم نے کہا۔

"جی جی..... مما وہ لوگ سیدھے سادے شریف اور سفید پوش سے لگتے ہیں۔ ایک بار ان کی والدہ سے بھی سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ اب اس لڑکی کی شادی ہے۔ انہوں نے ہمیں بھی انوائیٹ کیا ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں چلا جاؤں۔ تھوڑی سی ان کی مالی مدد بھی ہوجائے گی۔" عارض کی فطرتاً ہمدردی کی عادت تھی اور وہ ہر کام والدہ کو بتا کر کرتا تھا۔

"ویسے تو مجھے ایسی دوستیاں یا تعلقات قطعی پسند نہیں ہیں۔ لیکن تم جانا چاہتے ہو تو تھوڑی سی دیر کے لیے چلے جانا۔" زیبا بیگم نے بے زاری سے جواب دیا۔ ان کے خیال میں کچھ لوگ ہمدردی حاصل کرنے کا ہنر رکھتے ہیں۔

"اوکے۔" عارض سر ہلا کر رہ گیا۔

دوسرے دن عارض اپنی منگنی کی مٹھائی لے کر اس وقت جب کہ وقار صاحب بھی گھر پر موجود تھے۔ ان کے گھر آیا۔ دس پندرہ منٹ کی بات چیت سے ہی وقار صاحب کو اندازہ ہوگیا کہ عارض شریف اور خاندانی لڑکا ہے۔ عزت دینا اور کرنا جانتا ہے۔ مغرب کا وقت ہوگیا تھا۔ وقار صاحب اجازت لے کر نماز کے لیے مسجد چلے گئے۔ صالحہ بیگم بھی دس منٹ کے لیے اندر گئیں کہ اسی وقت سمیر آ گیا۔ عائلہ اور طوسیہ عارض کے ساتھ بیٹھے تھے اور دو منٹ پہلے عائلہ پانی لینے باہر گئی تھی کہ سمیر آ گیا۔ عارض کو بیٹھا دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا۔ چہرے پر تناؤ اور غصہ نمایاں ہوگیا۔

"السلام علیکم!" عائلہ نے کمرے میں داخل ہوکر سلام کیا تو عارض بھی کھڑا ہوگیا۔ "سمیر بھائی..... یہ عارض بھائی ہیں۔ ہمارے بھائی اور عارض بھائی یہ ہمارے ہونے والے جیجا جی ہیں۔ سمیر بھائی۔" عائلہ نے سمیر کو دیکھ کر خوش دلی تعارف کروایا۔

"ارے آپ نے تو سرپرائز دیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بات ہوئی تو آپ تو جامع کلاتھ میں تھے پھپھو کے ساتھ۔" طوسیہ اسے اچانک دیکھ کر حیرانی سے بولی۔

"اچھا جی..... تو آپ عارض صاحب ہیں؟"

"ہاں بھئی مجھے سرپرائز دینا اچھا لگتا ہے۔ سامنے والے کو شاکڈ دیکھ کر بڑا اچھا لگتا ہے۔" سمیر نے پہلے عارض اور پھر طوسیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"ویسے آپ کرتے کیا ہیں مسٹر عارض خواتین کی مدد کے علاوہ؟" کرسی پر بیٹھتا ہوا وہ طنزیہ لہجے میں عارض سے مخاطب ہوا۔

عارض کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔ سمیر کا انداز چبھتا ہوا اور لہجہ ناگوار تھا۔ عائلہ اور طوسیہ جز بز ہو رہی تھیں۔ طوسیہ فوراً اٹھ گئی۔

"میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں اور اماں کو بھی بتاتی ہوں کہ آپ آئے ہیں۔"

"نہیں نہیں..... اس کی ضرورت نہیں چائے پی کر آرہا ہوں اور پیٹ ویسے بھی بھر گیا ہے۔" لہجہ ویسا ہی زہریلا تھا اور اچٹتی سی نظر عارض پر تھی۔

''میں بعد میں مل لوں گا ماموں سے.....'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ سمیر کا انداز، لہجہ اور تلخ جملے عارض کے دل پر جا کر لگے تھے۔

''اچھا میں بھی چلتا ہوں، تمہاری ہونے والی بھابی کو شاپنگ پر لے جانا ہے۔'' عارض نے جان بوجھ کر یہ جملہ کہا تاکہ سمیر کے علم میں آجائے کہ وہ انگیج ہے۔

''او کے عارض بھائی..... اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا دونوں سمیر کی بدتہذیبی پر شرمندہ ہو رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

بارات والے دن طوسیہ اپنے گندمی رنگ پر عروسی جوڑے بھاری میک اپ اور زیورات میں اچھی لگ رہی تھی۔ شادی کے سارے انتظامات ہو چکے تھے۔ وقار صاحب اور صالحہ بیگم بیٹی کے ماں باپ ہونے کی وجہ سے ٹینشن کا ہی شکار تھے کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ ویسے بھی سمیر کی والدہ تیز طرار خاتون تھیں۔ ذرا سی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتی تھیں اوپر سے سمیر بھی تھوڑا سا نک چڑھا اور چڑچڑا سا تھا۔

کچھ مہمان آگئے تھے۔ بارات اتفاق سے وقت سے پہلے ہی پہنچ گئی۔ عارض کا دل گو کہ جانے کا بالکل نہیں چاہ رہا تھا لیکن پھر وقار صاحب اور صالحہ بیگم کا اصرار تھا اور طوسیہ اور عائلہ نے بھی کہا تھا اس نے وعدہ کر لیا تھا سو اسے پورا کرنا تھا۔ قاضی صاحب آگئے اور نکاح کی تیاریاں ہونے لگیں تب اچانک سمیر اپنی جگہ سے اٹھا اور وقار صاحب کے نزدیک آگیا۔

''بیٹھو بیٹا قاضی صاحب آرہے ہیں۔'' وقار صاحب نے نرمی سے کہا۔

''ماموں..... میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے عارض پر چبھتی ہوئی نظر ڈالی جو ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

''جی بیٹا بولو۔'' صالحہ بیگم بھی قریب آگئیں۔

''مجھے طوسیہ سے نہیں بلکہ عائلہ سے نکاح کرنا ہے۔''

اس کے عجیب و غریب اور حیران کن مطالبے پر صالحہ بیگم اور وقار صاحب ایسے چونکے جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ ان کو لگا سمیر پاگل ہو گیا ہے۔

''کیا تم پاگل ہو گئے ہو..... یہ کیا بکواس ہے..... تم ہوش میں ہو کہ نہیں؟'' اس کی بات پر وقار صاحب غصے میں آپے سے باہر ہو گئے۔ صالحہ بیگم بھی کانپ گئیں۔ دور بیٹھا عارض خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

''پاگل میں نہیں ہوا ماموں جان بلکہ اندھے تو آپ لوگ ہو گئے ہیں کہ آپ لوگوں کو اپنی بیٹی کے کرتوت دکھائی نہیں دیتے۔ وہ غیر محرم کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے، شاپنگ کرتی ہے ساتھ بیٹھ کر ٹھٹھے لگاتی ہے۔ آپ لوگوں کو نظر نہیں آتا۔'' وہ بھی جواباً غصے سے غرایا۔

''سمیر..... تم حد سے بڑھ رہے ہو اتنے گھٹیا اور گھناؤنے الزامات لگاتے تمہیں شرم نہیں آتی۔ میری شریف اور پاک باز بیٹی کو یوں بدنام کر رہے ہو۔ تم میں غیرت اور شرافت ہے کہ نہیں۔''

''آپا..... آپ دیکھ رہی ہیں یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟ کتنی نیچ اور گھٹیا باتیں کر رہا ہے۔'' وقار صاحب غصے سے کانپتے ہوئے بہن کی طرف پلٹے۔

''میں کیا کہوں وقار میاں..... میں خود شرمندہ ہوں کہ میں نے ایسی لڑکی سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ شاید میں اس بات پر یقین نہ کرتی مگر جب اس نے موبائل پر تصویر دکھائی تو میں تو شرم سے پانی پانی ہو گئی۔''

''یہ دیکھیں۔'' سمیر نے موبائل کی اسکرین وقار صاحب کے سامنے کی۔

''یہ..... یہ تو جیولر کی شاپ ہے۔ ابا جی یہاں ہم تینوں گئے تھے اور عارض بھائی بھی اتفاق سے آگئے تھے اور ہم نے ان کی مما کے لیے چین دلوائی تھی۔'' عائلہ جو سب کچھ سن رہی تھی آگے بڑھ کر صفائی دینے لگی مگر تصویر اس کمال ہوشیاری سے اتاری گئی تھی کہ اسکرین پر مسکراتی ہوئی طوسیہ اور عارض ہی نمایاں تھے۔

''اف..... یہ محض ایک غلط فہمی ہے آپا۔'' صالحہ بیگم

روتے ہوئے نند کی جانب بڑھیں۔

''غلط فہمیاں بار بار نہیں ہوتیں ممانی..... بہرحال میری شرط منظور ہے تو ٹھیک..... اب طوسیہ کی نہیں عائلہ کی بارات جائے گی۔'' سمیر کا انداز حتمی تھا۔

''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' وقار صاحب گرجے۔

عائلہ کے زاروقطار آنسو بہنے لگے۔ صالحہ بیگم دل پکڑے ایک طرف بیٹھ گئیں۔ عارض بھی معاملے کی نزاکت سمجھ کر قریب آ گیا اور موبائل اسکرین پر نظر پڑی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

''دیکھو یار..... اس طرح سے چھوٹی سی بات کا بتنگڑ مت بناؤ۔ شریف لوگوں کو خوامخواہ بدنام مت کرو۔ اس بات میں کوئی حقیقت نہیں۔ میری منگنی ہوچکی ہے۔ میں اپنی منگیتر کو بہت چاہتا ہوں۔ ہماری شادی ہونے والی ہے تم..... آج اور اس وقت یہ تماشا کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔'' عارض کو پہلے تو غصے آیا مگر معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

''میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں ایک شریف لڑکا ہوں اور مجھے اپنی جیسی شریف لڑکی چاہیے۔ میں بے غیرت نہیں ہوں کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگل لوں اور..... آج..... آج یہ تماشا کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ دنیا کو بتا سکوں کہ ایک نامحرم لڑکے کی اس قدر انوالومنٹ کیوں ہے؟ یہ تو اور شرم کی بات ہے کہ تم منگیتر رکھتے ہوئے ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہو۔'' وہ طنز سے مسکرا کر بولا۔

''بکواس بند کرا اپنی جاہل' بے غیرت انسان..... ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو منہ توڑ دوں گا تیرا۔ حد سے بڑھ رہا ہے تو۔'' عارض آپے سے باہر ہوگیا۔

''ہاہاہا۔'' وہ خباثت سے ہنسا۔

''میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ اگر تو اتنا ہی باغیرت اور ہمدرد ہے تو تُو ان لوگوں کی عزت کا بھرم رکھ لے۔ اپنا لے اس لڑکی کو جو تیرے نام کے ساتھ بدنام ہو رہی ہے۔'' سمیر نے خباثت کی انتہا کر دی تھی۔

''اماں..... ہم واپس جائیں گے۔ ہمیں یہاں شادی نہیں کرنی۔'' سمیر نے پلٹ کر اپنی ماں کو مخاطب کیا۔

''سمیر بیٹا..... اللہ کے لیے کچھ خیال کرو اس طرح میری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ میں نے بہت مشکل سے عزت بنا کر رکھی ہے۔ میری بچیوں کی شرافت کی گواہی ساری دنیا دیتی ہے اور تم یوں ایک چھوٹی سی غلط فہمی کو بنیاد بنا کر دو سال پرانا اپنا اور ہم بہن بھائی کا برسوں پرانا رشتہ ختم نہیں کر سکتے۔ تمہارے اس طرح چلے جانے سے ہم تو جیتے جی مر جائیں گے۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' وقار صاحب باقاعدہ روتے ہوئے غصہ بالائے طاق رکھ کر عاجزی پر اتر آئے۔

عائلہ روتی ہوئی اندر کی جانب بھاگی..... کسی نے طوسیہ کو اطلاع دے دی تھی اور وہ اندر بے ہوش ہوچکی تھی۔

وقار صاحب کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ عمر بھر کی شرافت اور نیکی کا یہ صلہ ملا تھا۔ عارض پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ یوں کسی کی مدد کر دینا اور فیملی کے ساتھ بات چیت کر لینا کیا یہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس مختصر سے وقت کو حوالہ بنا کر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا جائے۔ بنا سوچے سمجھے ایسا گھٹیا اور نیچ فیصلہ کر دیا جائے۔

''وقار انکل..... صالحہ آنٹی' میں آپ لوگوں سے معافی مانگتا ہوں کہ میری وجہ سے ایسا کچھ ہوگیا۔ اللہ کی قسم میں نیک اور شریف انسان ہوں مجھے اندازہ نہ تھا کہ میری ہمدردی آگے چل کر اتنے بڑے اور ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنے گی۔ میں سخت شرمندہ ہوں اور..... اور..... اپنے آپ کو آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ مجھے طوسیہ سے شادی کرنی ہے..... اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں اور مجھے اس قابل سمجھیں تو ابھی میں طوسیہ سے نکاح کرنے کو تیار ہوں۔'' عارض نے وقار صاحب کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر ندامت نمایاں تھی۔

''کیا.....؟'' وقار صاحب کے ساتھ صالحہ بیگم بھی

چونکیں۔ دونوں کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے۔

''مگر بیٹا تمہاری منگیتر ہے اور یوں شادی کرلینا تمہارے لیے مناسب نہیں..... تمہارے والدین' بہن وغیرہ.....؟''

''انکل میں سب سنبھال لوں گا پلیز لیکن..... میری دلی خواہش یہی ہے کہ طوسیہ کو آج اور ابھی نکاح کرکے اپنے ساتھ لے جاؤں..... پلیز انکار نہ کیجیے گا۔'' اس کے لہجے میں خلوص اور اپنائیت تھی۔

''مگر بیٹا.....'' صالحہ بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا اور وقار صاحب کی طرف دیکھا۔ دونوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس صورت حال کو کس طرح سنبھالیں۔

''آپ لوگ مجھ پر بھروسہ رکھیں..... آپ لوگوں کو میں یقین دلاتا ہوں کہ طوسیہ کو میں مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا میرے نام کے ساتھ اس کا نام جڑا رہے گا اور میرا ساتھ' میری توجہ' محبت اور خلوص ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔'' عارض کے لہجے میں پختہ عزم تھا۔ دونوں میاں بیوی تشکر بھری نظروں سے اس عظیم شخص کو دیکھ رہے تھے جس نے ان کے زخموں پر مرہم رکھا تھا۔ جو زخم ان کے اپنے لگا کر چلے گئے تھے وہ اپنی بیٹی کے مستقبل سے پریشان' فکر اور اندیشوں میں گھرے ہوئے تھے۔

طوسیہ کی حالت خراب تھی۔ اس پر غشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ بے عزتی اور بدنامی کے احساس سے وہ زمین میں گڑی جارہی تھی۔ روتے ہوئے عائلہ سے لپٹی ہوئی تھی۔

''عائلہ اماں اور ابا جی کی عزت یوں نیلام کردی میں نے..... اللہ پاک مجھے موت دے دے' کیوں زندہ رکھا اتنی ذلت کے بعد' میں کس طرح لوگوں کا سامنا کرپاؤں گی۔ کیسے اماں اور ابا جی سے نظریں ملا پاؤں گی؟ سمیرا اس حد تک گر سکتا ہے میں نے سوچا بھی نہیں تھا..... اس نے نہ جانے کس بات کا بدلہ لیا ہے.....؟ عائلہ پلیز مجھے تھوڑا سا زہر لادو..... میں بدنامی اور ذلت کا طوق گلے میں ڈالے زندہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے زندہ نہیں رہنا' مجھے مرجانے دو..... پلیز.....'' وہ ہذیانی انداز میں بلکتے ہوئے بین کررہی تھی۔ اتنا بڑا طوفان زندگی میں آگیا تھا۔ بھلا کیسے اور کس طرح برداشت کرپاتی۔

زندگی اچانک سے یوں پلٹا کھائے گی یہ تو کسی کے وہم وگمان میں نہیں تھا۔ کچھ گھنٹوں میں اس کے نصیب کا فیصلہ یک دم سے بدل جائے گا۔ اس کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام جڑ جائے گا۔ یہ سب کچھ قبول کرلینا اتنا آسان نہ تھا۔ جس بات کو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا وہ بات ہوچکی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ عارض کے ساتھ اس کی گاڑی میں اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ اس کے جملہ حقوق عارض کے نام محفوظ ہوچکے تھے۔ یہ کیسی رخصتی تھی.....؟ وقار صاحب اور صالحہ بیگم کا دل انجانے خدشات سے لبریز تھا۔ ایک طرف وہ دونوں خود بھی شرمندگی محسوس کررہے تھے کہ اس طرح سے کسی ماں کے بیٹے' کسی بہن کے بھائی اور کسی کے ہونے والے شوہر کو اپنی بیٹی تھما کر شاید زیادتی کے مرتکب ہورہے ہیں؟ شاید انہوں نے عارض کی بات مان کر غلط فیصلہ کیا اور..... اگر اس کی بات نہ مانتے تو ان بے شمار لوگوں کو کیا جواب دیتے جو طوسیہ کی بارات واپس جانے پر سوالات کرکر کے ان تینوں کی زندگی اجیرن کردیتے۔

طوسیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بے تحاشا روتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دے کر ماں باپ نے طوسیہ کو رخصت کیا..... عائلہ' طوسیہ سے لپٹ کر بری طرح رودی تھی۔

عارض کی کیفیت بھی عجیب سی تھی۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ کا شکار تھا۔ گو کہ جذبات میں آکر اس نے اتنا بڑا فیصلہ کرتو لیا تھا مگر اب اسے حالات کی نزاکت کا احساس ہورہا تھا۔ زیبا بیگم کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف تھا جو عارض کے دیر سے گھر آنے کو برداشت نہیں کرتی تھیں۔ ان کی پسند کے مطابق عارض اور رزابہ کا رشتہ طے ہوا تھا اور اب..... عارض نے نہ صرف ماں کے خلاف جاکر یہ قدم اٹھایا تھا بلکہ عارض کے اس فیصلے سے زارا کی زندگی پر بھی

برا اثر پڑ سکتا تھا اور..... معصوم سی لیکن لاڈوں پلی روبابہ..... جو عارض کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ عارض کے ایک فیصلے نے پتا نہیں کتنے لوگوں کے لیے مسائل کھڑے کر دیے تھے۔ جب کہ دوسری جانب وہ معصوم اور شریف لڑکی جو عارض کے نام سے خوامخواہ بدنام کی جارہی تھی۔ جس کا تعلق غریب لیکن شریف خاندان سے تھا' جس کے ماں باپ کی عزت داؤ پر لگ چکی تھی اور وہ معصوم اور بے قصور لڑکی شاید بدنامی اور اتنی بے عزتی کے بعد خودکشی کر لیتی۔ اس کی چھوٹی معصوم بہن جیتے جی مر جاتی۔ ساری عمر ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی رہ جاتی کیونکہ اس کے نام کے ساتھ بدنامی' ذلت اور رسوائی جڑ چکی تھی۔

''اف.....'' عارض نے پہلو میں بیٹھی بے تحاشا روتی اور گھبرائی ہوئی لڑکی کو دیکھا جو اچانک سے اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔ قدرت نے کیا روپ دکھایا تھا کہ دو چار بار جس شخص سے سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔ طوبیہ نے کبھی اس کو اور اس نے کبھی طوبیہ کو شاید غور سے دیکھا بھی نہیں تھا..... اور آج بالکل اچانک اس انجانے شخص سے عمر بھر کا رشتہ جڑ چکا تھا۔ اس وقت طوبیہ حالات کا شکار ہو کر جن سوچوں میں گھری ہوئی تھی' عارض اس سے بخوبی واقف تھا۔

''طوبیہ پلیز خود کو سنبھالو..... مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ اس وقت تم خود کو نئے ماحول میں ڈھالنے اور اچانک سے بدل جانے والی سچویشن سے پریشان ہو اور تمہیں اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا کہ آگے چل کر تمہیں کس قسم کے پرابلمز کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مزید کیا کچھ سننا پڑے گا؟ بہت کٹھن اور اذیت ناک وقت ہے یہ..... تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی..... کبھی یہ مت سمجھنا کہ میں نے تم پر ترس کھا کر یہ قدم اٹھایا ہے کیونکہ یہ نہ صرف تمہارے بلکہ میرے کردار پر بھی کیچڑ اچھالی گئی تھی اور میں نے اس وقت جو بہتر سمجھا وہی کیا..... اب تمہیں میرا ہر حال میں ساتھ دینا ہے۔ میری اور اپنی قربانی کو رائیگاں مت جانے دینا..... ہمیں مل کر ہر حالات کو فیس کرنا ہوگا۔ میرا ساتھ' میری مکمل سپورٹ' میرا پیار اور میرا خلوص ہمیشہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا چاہے کچھ بھی' کیسے بھی حالات ہوں..... تم..... تم..... ہمت مت ہارنا..... طوبیہ پلیز مجھ سے بدگمان نہ ہونا اور نہ مجھے غلط سمجھنا۔''

''میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جڑ گیا ہے اور مجھے یہ نام تمام زندگی عزیز رہے گا..... میں سمجھتی ہوں کہ مجھے کیسے کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے میں خود کو اچھی طرح سے تیار کر چکی ہوں۔ مجھ سے آپ کو کبھی بھی شکایت نہ ہوگی اور آپ.....'' وہ ایک لمحے کو رکی۔ اس کا لہجہ ڈول گیا تھا۔ عارض نے سوالیہ نظریں اس پر ڈالیں۔

''آپ کو میں..... آپ کی منگیتر سے شادی کرنے سے منع نہیں کروں گی..... بس مجھے اپنی زندگی سے مت نکالیے گا۔'' ایک بار پھر اس کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں پر پھسل پڑے۔ عارض خاموش رہا۔

❁.....❁.....❁.....❁

''السلام علیکم!'' حسب معمول زیبا بیگم عارض کے انتظار میں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ آواز پر سر اٹھایا۔ عارض کے ساتھ عروسی لباس میں ڈری سہمی اور لرزتی طوبیہ پر نظر پڑی تو بجائے سلام کے جواب دینے کے آنکھیں پھاڑ کر طوبیہ کی طرف دیکھا۔

''یہ..... یہ کون لڑکی ہے اور..... اتنی رات کو تمہارے ساتھ اس حالت میں.....؟'' زیبا بیگم نے حیرت اور غصے کی کیفیت میں سوال کیا۔ ان کا ماتھا بری طرح ٹھنکا تھا۔ چہرے پر ناگواری نمایاں تھی۔

''مما..... میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں.....'' عارض کو ڈر تھا کہ کہیں غصے اور شاکڈ کی وجہ سے مما کا بی پی شوٹ نہ کر جائے۔ ساتھ ہی ڈری سہمی کپکپاتی ہوئی طوبیہ کھڑی تھی۔

''ارے ارے..... اس لڑکی کو لیے اندر کیوں گھسے

چلے آرہے ہو۔ مجھے پہلے جواب دو کہ یہ کون ہے.....؟''
زیبا بیگم نے عارض کو آگے بڑھتا دیکھ کر قدرے بلند آواز میں ٹوکا۔

''کہاں سے بھاگ کر آئی ہے.....؟ کپڑوں سے لگتا ہے کہ شادی سے بھاگی ہے اپنے ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکال کر کس کے ساتھ منہ کالا کرنے نکلی ہے یہ اور..... تمہارے ساتھ کیا کر رہی ہے یہ فاحشہ.....؟''

''اف خدایا!'' طوسیہ کو لگا جیسے وہ زمین میں دھنسنے لگی ہو..... اتنے غلیظ الفاظ..... اتنا برا رویہ..... اتنی چھوٹی سوچ۔ اسے لگا وہ ایک قدم بھی بڑھائے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔

''مما..... مما پلیز.....'' عارض نے طوسیہ کی بگڑتی حالت کو دیکھا تو اس کا ہاتھ چھوڑ کر دو قدم آگے بڑھا۔

''مما..... یہ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے اور نہ ہی یہ بھاگ کر آئی ہے..... یہ شریف فیملی کی نیک اور شریف لڑکی ہے۔ حالات نے اس کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ.....''

''کہ..... کہ..... کیا.....؟ یہی کہ وہ یوں عروسی لباس میں غیر مرد کے ساتھ آدھی رات کو گھر سے بھاگ نکلے.....؟'' زیبا بیگم لفظوں کے نشتر سے طوسیہ کے وجود کو چھلنی کر رہی تھیں۔

''مما..... اللہ کے لیے یوں کسی شریف لڑکی کی کردار کشی نہ کریں پلیز..... یہ..... اب اس گھر کی عزت ہے..... آپ کی بہو ہے۔'' جملہ کیا تھا گویا بم دھماکا تھا جو زیبا بیگم کے عین سر پر ہوا تھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو.....؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ کسی بھی راہ چلتی لڑکی کو..... میری..... بہو بنا دو.....'' صغیرہ اماں بھی آ گئی تھیں اور سامنے کھڑی اس عجیب و غریب صورت حال سے پریشان ہو رہی تھیں۔

''اس گھر کی بہو روبابہ ہی بنے گی بس.....'' زیبا بیگم شدت جذبات سے کھڑی ہو گئیں۔ چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا۔

''طوسیہ..... تم سامنے والے روم میں جاؤ۔'' عارض نے طوسیہ کی جانب دیکھ کر کہا تاکہ آرام سے زیبا بیگم کو ساری بات بتا سکے۔

''نہیں..... اگر اس لڑکی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں..... میں اس کو شوٹ کر دوں گی۔'' زیبا بیگم کانپنے لگی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر صغیرہ اماں جلدی سے پانی لے کر آ گئیں ان کو پکڑ کر کرسی پر بٹھایا..... طوسیہ وہیں جم گئی۔

''صغیرہ اس سے کہو ابھی اور اسی وقت اس لڑکی کو وہیں پر چھوڑ آئے جہاں سے لایا ہے۔'' زیبا بیگم نے صغیرہ کو مخاطب کیا۔

''اس نافرمان کو اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے ذرا بھی خیال نہ آیا کہ اس کا بھی کوئی ہے..... ماں، بہن اور وہ معصوم لڑکی جو اس کے ساتھ کے سپنے سجائے بیٹھی ہے..... یوں اچانک چھپ چھپاتے اور خاموشی سے نکاح کر لینے کا کیا مطلب ہے..... ایسا کیا ہو گیا تھا کہ.....؟''

''مما..... اللہ کے لیے میری بات تو سن لیں پلیز.....'' عارض ان کی بات کاٹ کر قریب آ کر عاجزی سے بولا۔

''مما..... نہ یہ لڑکی آوارہ بدچلن ہے اور نہ ہی ہمارے درمیان کبھی بھی ایسی کوئی بات ہوئی تھی..... ایک شریف خاندان کی شریف لڑکی ہے..... میں نے کچھ غلط نہیں کیا بلکہ ایک خاندان کی عزت بچائی ہے مما..... دو مرتے ہوئے بوڑھوں کی عزت کے نکلتے جنازے کو کاندھا دیا ہے..... یہ سب کچھ اچانک ہی ہوا مما..... میں تو آج بھی اس لڑکی کی شادی اٹینڈ کرنے آپ کی اجازت سے گیا تھا مما..... مگر..... وہاں پر حالات ایسے ہو گئے کہ میں نے اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے یہ قدم اٹھایا..... اللہ گواہ ہے مما کچھ گھنٹوں پہلے تک ہم نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ حالات ایسے ہو جائیں گے۔ ایک دو بار ہماری سرسری سی اور طوسیہ کی فیملی کے ہمراہ ہونے والی ملاقات کو

جواز بنا کر میرے نام کے حوالے سے اس شریف اور معصوم لڑکی کو بدنام کیا جارہا تھا مما..... میں نے ایک معصوم کو مرنے سے بچایا ہے۔"

"بس..... میں..... آگے ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی۔ تمہیں ذرا خیال نہیں آیا کہ تمہارے رشتے سے تمہاری بہن کا گھر سلامت رہے گا؟ نہ میری عزت کا خیال آیا نہ بہن کی ہنستی بستی زندگی کا اور مجھے تو حیرت ہورہی ہے ان والدین پر کہ کیسے کسی اجنبی کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ تھما دیا..... اگر ان کے دل میں چور نہ ہوتا تو وہ مجھ سے ایک بار بات تو کرتے..... مگر..... مجھے لگتا ہے یہ سب ایک سوچی سمجھی سازش تھی..... اتنا پیسے والا امیر اور اکلوتا لڑکا پھانسنے کی چال۔"

"مما..... مما..... آپ غلط انداز میں سوچ رہی ہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔" طوسیہ کی بگڑی حالت دیکھ کر عارض ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

صغیرہ اماں کو بھی عارض اور طوسیہ پر ترس آرہا تھا۔ ان کے چہروں پر لکھی سچائی اس بات کی غماز تھی کہ وہ دونوں ہی حالات کا شکار ہوئے اور یہ قدم اٹھایا۔

طوسیہ کا دل کررہا تھا کہ وہ زمین میں دھنس جائے..... آج اس کی وجہ سے نیک اور شریف والدین کو بھی کیسے کیسے الفاظ سے نوازا جارہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا..... اگر مجھ سے کوئی رشتہ رکھنا چاہتے ہو تو..... اس لڑکی کو ابھی اور اسی وقت وہیں چھوڑ کر آؤ جہاں سے لائے ہو اور اگر ایسا نہیں کرسکتے تو تم..... تم بھی اس گھر سے جاسکتے ہو..... میں اس لڑکی کا وجود اس گھر میں ایک منٹ مزید برداشت نہیں کرسکتی۔" فیصلہ سنا کر زیبا بیگم اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

عارض نے پلٹ کر زخمی نظروں سے طوسیہ کو دیکھا۔ وہ ساکت کھڑی تھی۔ جیسے پتھر کی ہوگئی ہو۔ عارض مردہ چال چلتا ہوا اس کے قریب آیا اس کا ہاتھ تھام کر باہر کی سمت چل دیا۔ طوسیہ روبوٹ کی مانند اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔

"طوسیہ..... آئی ایم ویری ویری سوری..... مجھے مما سے یہ امید نہیں تھی۔ میں نے سوچا نہیں تھا کہ وہ اس طرح سے ری ایکٹ کریں گی..... فی الحال میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیتا ہوں لیکن تم وہاں پر میری امانت بن کر رہو گی..... مجھے تھوڑا وقت دو میں تمہیں خود آ کر لے جاؤں گا۔"

❁.....❁.....❁.....❁

"آپی..... آپی..... آپ لوگ اس وقت.....؟" عائلہ نے دروازہ کھولا تو غیر متوقع دونوں کو سامنے دیکھ کر حیرت اور پریشانی سے سوال کیا..... تب ہی وقار صاحب اور صالحہ بیگم بھی آواز سن کر صحن میں آگئے۔ طوسیہ کا آنسوؤں سے تر چہرہ اور عارض کا جھکا ہوا سر دیکھ کر وقار صاحب کو شدید دھچکا لگا۔ وہ سمجھے کہ عارض اسے واپس چھوڑنے آیا ہے۔

"طوسیہ..... تم یہاں؟" بہ مشکل ان کے لبوں سے نکلا اور وہ دل پکڑے زمین پر لڑھک گئے۔

"ابا جی..... ابا جی....." چیخ مار کر وہ ان کی طرف بھاگی..... صالحہ بیگم، عائلہ اور عارض بھی دوڑے۔ پہلا ہارٹ اٹیک ہی وقار صاحب کے لیے جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ حادثے پر حادثہ..... وہ کب تک برداشت کرتے..... مزید کسی حادثے کا شکار ہونے سے پہلے انہوں نے دنیا سے ناتا ہی توڑ لیا تھا۔ صالحہ بیگم چیخ رہی تھیں۔ عائلہ اور طوسیہ شدید غم سے نڈھال تھے۔ آج کا دن کتنا منحوس تھا کہ پے در پے صدمات مل رہے تھے اور اب جس صدمے سے دوچار ہوئے تھے اس نے سب کو پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔ عارض نے کال کر کے صغیرہ اماں کو یہاں کی سچویشن بتادی تھی کہ وہ صبح واپس آئے گا۔

صبح سویرے وہ تھکے تھکے قدموں سے گھر میں داخل ہوا۔ شکن آلود کپڑے، رات بھر جاگنے، ٹینشن اور وہاں کے حالات کی وجہ سے وہ بے حد مضمحل اور تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ چہرے پر دکھ کے آثار نمایاں تھے۔

"السلام علیکم۔" وہ صوفے پر ڈھے گیا۔

صغیرہ اماں نے کچن سے سر نکال کر عارض کے تھکے ہوئے نڈھال وجود کو دیکھا۔ وہ معاملے کی نزاکت اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔ پانی کا گلاس لیے حاضر ہوئیں۔

''بیٹا پانی پی کر فریش ہو جاؤ تو میں آپ کے لیے کھانا لگادوں۔'' انہوں نے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے گہری اور ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں اماں..... مجھے بھوک نہیں بس ایک کپ چائے لادیں۔'' وہ پانی پی کر اٹھنے لگا۔

''یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آئے ہو ناں.....؟'' مما کی بات پر وہ تڑپ کر ان کی جانب پلٹا۔

''مما پلیز..... کچھ اللہ کا خوف کریں' وہ ایک معصوم اور شریف لڑکی ہے۔ اس کا باپ صدمے سے مر گیا ہے۔ اللہ کے واسطے اپنی ضد' انا اور غرور ایک طرف رکھ کر صرف ایک ماں بن کر سوچیے..... اگر یہ حالات خدانخواستہ ہمارے ساتھ ہوتے تو.....؟ میں مانتا ہوں کہ میں نے فیصلہ آپ کی اجازت کے بغیر اور جلد بازی میں کیا ہے لیکن..... میرا مقصد ہرگز آپ کو' آپی یا رادابہ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ وہ لڑکی میرے نام سے بدنام ہو رہی تھی۔''

''اور وہ لڑکی جو..... تمہارے انتظار میں تمہارے نام سے جڑی بیٹھی ہے۔ اس کے جذبات' اس کے احساسات اور اس کا وجود تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا.....؟'' زیبا بیگم زہر میں بجھے لہجے میں بولیں۔

''جی مما..... میں جانتا ہوں' مجھے ردابہ سے محبت ہے..... میں ردابہ سے شادی کروں گا لیکن آپ طوسیہ کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا رہنے دیں۔'' وہ زیبا بیگم کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے گھٹنے پکڑ کر لجاجت سے بولا۔

زیبا بیگم نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم اس معاملے کو اتنا ہلکا لے رہے ہو عارض..... تم کو اندازہ نہیں کہ تمہاری اس حرکت سے زارا کی زندگی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے' وہ تو اچھا ہوا کہ زارا آج کل یہاں نہیں ہے ورنہ قیامت آجاتی۔''

''مما..... میں خود ردابہ سے بات کروں گا..... وہ سمجھ دار لڑکی ہے۔ ان شاء اللہ مان جائے گی۔'' وہ گڑگڑایا۔

''میں طوسیہ کو یہاں لے کر نہیں آؤں گا وہ وہیں رہے گی آپ کو کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔''

''مجھے اس لڑکی سے ہی پرابلم ہے۔'' زیبا بیگم تنک کر بولیں۔

''مما..... بے شک اسے قبول نہ کریں لیکن..... اس سے میرے نام کا حوالہ مت چھینیں..... میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔

زیبا بیگم کے سینے میں ایک ماں کا دل تھا۔ اس کے یوں گڑگڑانے سے ان کے آہنی وجود میں ہلکی سی دراڑ آئی تھی۔ چہرے کی کرختگی میں نسبتاً کمی واقع ہوئی۔ صغیرہ اماں بھی تاسف سے عارض کو دیکھ رہی تھیں۔

''میرا یا اس گھر سے اس لڑکی کا کوئی واسطہ' کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ تم نے اس سے رشتہ باندھا ہے تو تم اس سے وہیں جا کر مل سکتے ہو۔ خرچا دے سکتے ہو مگر..... وہ اس گھر میں نہیں آئے گی اور ہاں..... اس بات کو یہیں دفن کر دو کہ تم اس سے نکاح کر چکے ہو۔ بے شک وہ تمہارے نکاح میں رہے گی لیکن.....'' وہ ایک لمحے کو رکیں تو عارض نے الجھی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ اس بات کی کسی کو بھی خبر نہ ہو۔ صرف تم' میں اور صغیرہ کے علاوہ کسی کو بھی پتا نہ چلے کہ تم نے اس سے نکاح کیا ہے۔ یہ..... یہ بات سب سے پوشیدہ رکھی جائے..... اسی صورت میں تم ردابہ سے شادی کر سکتے ہو اور..... اپنی بہن کا گھر بھی برباد ہونے سے بچا سکتے ہو۔''

''او کے مما.....'' عارض نے تھکے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ گو کہ بہت کٹھن مرحلہ تھا مگر..... حالات ایسے موڑ پر آ گئے تھے کہ اس کو سمجھوتا کرنا تھا۔ عارض نے سر جھکایا اور زیبا بیگم اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

وقت بڑے سے بڑے اور گہرے زخم کو بھر دیتا ہے گو کہ کوئی زخم جلد مندمل ہوجاتا ہے تو کوئی گھاؤ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اسے بھرنے میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔ دھیرے دھیرے طوسیہ نے بھی خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ عارض برابر آتا۔ طوسیہ اس بات سے بھی بہ خوبی واقف تھی کہ عارض کی زندگی میں ردابہ آنے والی ہے۔ طوسیہ کے لیے یہ وقت بہت کٹھن تھا۔ ایک عورت اس کے شوہر کی زندگی میں آنے والی تھی مگر بعد میں آنے والی عورت پہلی تھی۔ دوسری تو وہ خود تھی جو زبردستی عارض کی زندگی میں آئی تھی۔ بدنامی، بے عزتی کے احساس کے ساتھ احتجاج کرنے کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے لیے یہی غنیمت تھا کہ عارض کا نام اس کے نام کے ساتھ جڑا ہے۔ عارض نے مما کی شرط کے حوالے سے بات بھی بتادی تھی۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ کرتی بھی تو کیا..... صالحہ بیگم نے بہتر یہی سمجھا کہ لوگوں کے سوالوں سے بچنے کے لیے وہ مکان فروخت کردیں اور دوسرے علاقے میں منتقل ہوجائیں۔

ادھر عارض اور ردابہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ زارا بہت خوش تھی۔ زیبا بیگم نے بھی خود کو نارمل کرلیا تھا۔ جب کہ عارض عجیب سی کشمکش کا شکار تھا مگر حالات سے سمجھوتہ تو کرنا ہی تھا۔

شام کا وقت تھا عارض ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا اور زیبا بیگم کے ساتھ لان میں بیٹھ کر چائے پی رہا تھا کہ زارا اور عدیل آگئے۔

"السلام علیکم۔" دونوں نے خوش دلی سے سلام کیا۔

"ارے واہ بھئی..... نوشے میاں خود موجود ہیں یہاں پر تو۔" عدیل نے عارض سے ہاتھ ملاتے ہوئے خوش گوار لہجے میں کہا۔

"ہاں بھئی عارض..... تمہارے دولہا بھائی کا کہنا ہے کہ جب دلہن رانی اپنی ہر چیز اپنی پسند سے لے رہی ہے تو دولہا میاں بھی اپنی شادی کی شاپنگ اپنی مرضی سے کریں گے۔ اس لیے آج تمہیں شاپنگ پر لے جانے آئے ہیں۔" زارا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"ہاں بھئی اب جلدی سے تیار ہوجاؤ۔" عدیل نے لقمہ دیا عارض مسکرایا اور اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مما آپ بھی چلیں ناں۔" زارا نے ٹیبل پر رکھے ہوئے بسکٹس سے ایک بسکٹ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی میں تھک جاتی ہوں۔ تم لوگ جاؤ۔" زیبا بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او کے..... صغیرہ بوا، ہم شاپنگ سے آتے ہیں تب تک آپ اچھی سی بریانی تیار کرکے رکھیے گا۔ ہم ڈنر کرکے جائیں گے اور مما آپ کی بہو کو میسج کردیا ہے وہ آجائے گی۔ آپ دونوں مل کر خوب باتیں کیجیے گا۔ ہم دو گھنٹے میں واپس آتے ہیں۔" زارا نے اٹھتے ہوئے اپنے بیگ کو اٹھا کر کاندھے سے لٹکاتے ہوئے کہا اور تینوں باہر کی جانب چل دیے۔ زیبا بیگم ان کو جاتا دیکھتی رہیں۔

آج کل عارض عجیب حالات کا شکار تھا۔ طوسیہ کے ساتھ رہتا تو عجیب مکدر ماحول ہوتا اور جب گھر واپس آتا تو گھر میں شادی کے ہنگامے عروج پر ہوتے۔ ردابہ سے بھی بات چیت ہوتی رہتی وہ بہت خوش تھی۔

صالحہ بیگم کو طوسیہ کی فکر تو تھی لیکن عارض پر بھروسہ بھی تھا۔ ادھر عائلہ کے سسرال والے بھی شادی کا تقاضا کررہے تھے۔ عائلہ کے سسرال والے بہت شریف اور ہمدرد تھے اس لیے حالات کے پیش نظر سادگی سے عائلہ کی شادی کردی گئی اور عائلہ رخصت ہوکر دوسرے شہر چلی گئی اب طوسیہ اور صالحہ بیگم گھر میں رہ گئی تھیں۔

ادھر عارض اور ردابہ کی شادی کا دن بھی آن پہنچا۔ ساری رسومات خوب دھوم دھڑکے اور عالی شان طریقے سے انجام پائیں۔ دونوں طرف سے زارا کو ہی سب کچھ کرنا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ عارض اور ردابہ دونوں دولہا، دولہن کے روپ میں غضب ڈھا رہے تھے۔ ردابہ ہال سے رخصت ہوکر عارض ولا آگئی۔

یوں تو ردابہ بیسیوں بار عارض کے کمرے میں آچکی تھی مگر آج عجیب سی جھجک محسوس ہورہی تھی۔ زارا دیگر شادی

کی رسومات کے بعد اس کو عارض کے روم میں پہنچا کر گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ردابہ کا دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ خوب صورت' دل نشین' مرمریں سا احساس اس کے رگ و پے میں اتر آیا تھا۔ خوب صورت زندگی' من پسند جیون ساتھی اور آنے والے دنوں کے لطیف احساس سے وہ آپ ہی آپ مسکرانے لگی تھی۔

عارض کمرے میں آیا گلاب اور موتیا سے مہکتا سجا سجایا کمرہ دل فریب ماحول اور جاذب نظر دلہن کا چہرہ نظروں کے سامنے تھا۔ بھاری پلکوں کی باڑ سے جھکی شرگیں آنکھیں' شرمایا ہوا نازک سا وجود عارض کے حواسوں پر چھانے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

رات دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ صالحہ بیگم رات کا کھانا جلدی کھا کر دوا لے کر سو جاتی تھیں۔ فجر کے لیے اٹھنا ہوتا تھا۔ عائلہ بھی آئی ہوئی تھی۔ صالحہ بیگم کے سونے کے بعد دونوں بہنیں کھلے آسمان تلے صحن میں چارپائی پر آ کر لیٹ گئیں۔ طوسیہ کے اندر عجیب سی بے چینی اور بے قراری تھی۔ وہ جانتی تھی آج عارض کی بارات تھی۔ اس بارے میں سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔

''آپی..... خیریت تو ہے؟ آپ صبح سے کافی ست ہیں۔ کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا اور اب بھی ٹینشن میں لگ رہی ہیں..... تین چار دن سے عارض بھائی بھی نہیں آئے..... خدانخواستہ آپ دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا۔'' عائلہ جو طوسیہ کی حرکات و سکنات اور بے چینی محسوس کر رہی تھی آخر کار پوچھ بیٹھی۔

''نہیں..... نہیں عارض بہت اچھے ہیں..... لڑائی نہیں ہوئی ہماری۔ وہ بتا کر گئے ہیں مجھے' کچھ دنوں کے لیے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا تھا ان کو۔'' اپنے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے وہ جلدی سے بولی۔

اس نے عارض اور ردابہ کی شادی کو ماں اور بہن سے چھپایا تھا۔ وہ صالحہ بیگم کو مزید کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ دونوں بہنیں یونہی باتیں کرتیں رہیں رات ڈھلتی رہی۔ چاندنی رات اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے آخر کار ان کو نیند کی وادی میں پہنچا دیا۔ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے اور طوسیہ کی زندگی بھی سولی کی نذر ہو چکی تھی۔

شادی کے اگلے دن عارض کے ولیمے کی تقریب بھی ہو گئی۔ زیبا بیگم کا خیال تھا کہ عارض اور ردابہ ہنی مون کے لیے کہیں جائیں لیکن عارض نے منع کر دیا۔

''نہیں مما..... پہلے ہی شادی کی مصروفیات اور کاموں میں میں نے کافی چھٹیاں کر لی ہیں اور کافی سارا کام پینڈنگ میں ہے۔ اس لیے فی الحال یہ پروگرام کینسل ان شاء اللہ جلد ہی پروگرام بنائیں گے۔'' عارض کی بات پر ردابہ کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

''عارض..... ہنی مون پر شادی کے بعد فوراً ہی جایا جاتا ہے۔ شادی کے سال بعد نہیں جاتے۔'' کمرے میں آ کر ردابہ نے خفگی بھرے لہجے میں عارض کو مخاطب کیا۔

''ردابہ..... آج کل مما کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ ان کو چھوڑ کر جانا مناسب نہیں۔ کبھی بھی بی پی شوٹ کر جاتا ہے۔ صغیرہ اماں بے چاری کیسے سنبھالیں گے۔'' عارض نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سمجھایا لیکن ردابہ کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

کچھ دن گزرے۔ زیبا بیگم نے بھول کر بھی کبھی طوسیہ کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ تو سرے سے اسے بہو مانتی ہی نہیں تھیں۔ عارض اب طوسیہ کے پاس بھی کم کم جاتا۔ ردابہ کے آ جانے سے زیبا بیگم کافی مطمئن ہو گئیں لیکن ردابہ کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ عارض اس سے زیادہ ماں اور کاروبار کو اہمیت دیتے ہیں۔ بس اسی بات کی وجہ سے اس پر واری صدقے جانے والی ردابہ کے دل میں دراڑ پڑ گئی اور اس کا رویہ روکھا ہو گیا۔

اس کو گھریا ذمہ داری سے کوئی لگاؤ تھا نہ دل چسپی' وہ تو صرف اور صرف عارض کی قربت' محبت اور مکمل ساتھ چاہتی تھی۔ ہر پل' ہر گھڑی اور ہر وقت عارض کے التفات

کی منتظر رہتی۔ عارض گو کہ ایک محبت کرنے والا شوہر تھا لیکن وہ ایک عملی انسان تھا جس پر گھر ماں اور طوسیہ کی بھی ذمہ داری تھی۔ اسے خوابوں میں نہیں بلکہ حقیقت میں جینے کی عادت تھی۔

''ردابہ..... اب تمہیں گھر کے کاموں میں دل چسپی لینی چاہیے مما کو کمپنی دیا کرو وہ سارا دن اکیلی ہوتی ہیں۔'' ایک روز عارض آفس سے لوٹا تو حسب معمول ردابہ کو اپنے کمرے میں کتاب پڑھتے دیکھ کر ملائمت سے کہا۔

''اس طرح تمہارا ٹائم بھی پاس ہو جائے گا اور مما کو بھی اچھا لگے گا اور مزید انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے گی تم دونوں میں۔'' اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے وہ بیڈ پر ٹک گیا۔

''سوری یار..... مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے بڈھوں کے ساتھ وقت گزارنے کا۔ چھوٹی سی تھی تو مما کی ڈیتھ ہوگئی۔ پھر بھابی آ گئیں سچ پوچھو تو مجھے ڈر لگتا ہے خاص طور پر بیمار لوگوں سے۔'' کتاب ایک طرف رکھ کر ردابہ نے صاف گوئی سے کہا تو عارض نے اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھا۔ ردابہ کو شاید اپنے جملے کی تلخی کا احساس ہو گیا تھا تب ہی جلدی سے بولی۔

''کوشش کروں گی کہ ان کے ساتھ ہی ٹائم پاس کروں۔'' لفظ ہی پر زور دے کر کہا اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔ عارض اسے جاتا دیکھتا رہا ساتھ اس کے لہجے اور الفاظ پر غور کرنے لگا۔

❁.....❁.....❁

ادھر صالحہ بیگم کی طبیعت آج کل بہت خراب تھی ان پر سانس کا شدید حملہ ہوا تھا اور وہ اسپتال میں داخل تھیں۔ طوسیہ ان کے ساتھ تھی۔ عارض ان کی وجہ سے بھی خاصا پریشان تھا۔ ان کی طبیعت لحہ بہ لحہ بگڑتی جا رہی تھی۔ طوسیہ کا برا حال تھا۔ آخر کار صالحہ بیگم تین دن آئی سی یو میں رہ کر موت کے سامنے ہار گئیں۔

طوسیہ کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی اس کے لاچار وجود کو صالحہ بیگم کے بیمار اور کمزور وجود کا سہارا ہی بہت تھا۔ عارض کی حالت بھی عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ طوسیہ کی رہائش کا تھا کہ ماں کے مرنے کے بعد طوسیہ کیسے تنہا رہے گی۔ عائلہ انتقال پر آئی تھی دسویں کے بعد واپس چلی گئی تھی۔ اب مسئلہ طوسیہ کا تھا۔

کچھ دنوں سے ردابہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ عارض اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو ڈاکٹر نے ماں بننے کی نوید سنائی۔ عارض خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ مما کی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ وہ باپ بننے والا تھا۔ اتنی بڑی خوشی نے زیبا بیگم کو ایک بار پھر تندرست کر دیا۔ وہ خوشی سے بے قابو ہو گئیں۔ ردابہ چاہتی تھی کہ ان کے رواج کے مطابق وہ ابتدائی تین چار ماہ میکے میں رہے۔

جبکہ عارض کا دل کر رہا تھا کہ ردابہ اس حالت میں اس کے ساتھ اس کے پاس رہے۔ مما کے تجربے سے فائدہ اٹھائے۔ اماں صغیرہ کے ٹوٹکوں پر عمل کرے لیکن.....

اسے ردابہ کی خوشی زیادہ عزیز تھی اور وہ اس حالت میں ردابہ پر کوئی مرضی مسلط کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگلے دن حسب معمول صغیرہ اماں صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھیں تو زیبا بیگم کو جگانے آئیں۔ زیبا بیگم کو بے حس و حرکت دیکھ کر زور سے چلائیں اور دوڑ کر عارض کو بلا لائیں۔ عارض ان کو گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے کر بھاگا تو پتا چلا کہ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا ہے۔ زارا فوراً ہی اسپتال چلی آئی۔

زارا کا ایک پیر گھر میں تو دوسرا اسپتال میں ہوتا۔ ادھر ردابہ کی طبیعت بھی خراب۔ ادھر ماں کی یہ حالت صغیرہ اماں بے چاری بھی ادھ موئی ہوئی جا رہی تھیں۔ عارض ماں کو لے کر بہت پریشان تھا کہ اب ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے کسی کا ہونا بہت ضروری تھا۔ زارا کے بیٹے کا اسکول تھا گھر کی ذمے داری تھی وہ مستقل نہیں آ سکتی تھی۔ صغیرہ اماں بوڑھی ہو چکی تھیں اب ان میں اتنا دم خم بھی نہیں تھا کہ مستعدی سے زیبا بیگم کی خدمت کر سکیں۔ طوسیہ کو عارض پل پل کی خبر دے رہا تھا۔ بہت سوچ بچار اور صغیرہ اماں سے مشورہ کر کے عارض نے سوچا کہ طوسیہ کو گھر لے آئے۔

''عارض..... آپ نے آخر مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟''

عارض کی بات سن کر طوسیہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ طوسیہ کے چہرے پر اذیت نمایاں تھی۔

"آئی ایم سوری طوسیہ..... بے شک تم مجھے خود غرض کہہ سکتی ہو مگر..... میں عاجز آ گیا ہوں۔ پریشان ہو گیا ہوں ان حالات سے' نہ جانے کیسی کیسی آزمائشیں ہیں یہ..... مجھے اندازہ ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں میری جان۔ میں اپنی نظروں میں خود گر چکا ہوں۔ ایک جانب بوڑھی بیمار انا پرست ماں ہے اور دوسری طرف..... میری کوتاہیاں' زیادتیاں اور میری اپنی خود غرضیاں ہیں۔ اللہ کی قسم طوسیہ..... تم مجھے دل و جان سے عزیز ہو۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو پلیز....."

عارض ہاتھ جوڑے اس کے سامنے جھکا ہوا تھا۔ اس کے لہجے میں دکھ' ندامت تھی۔ طوسیہ اس کی بے بسی پر تڑپ اٹھی۔ آگے بڑھ کر اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"عارض پلیز..... ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ نے تو مجھے مان و سہارا دیا۔ میرے لیے آپ کے نام کی نسبت ہی کافی ہے۔ میں ضرور آپ کے ساتھ جاؤں گی لیکن....." وہ ایک لمحے کو رکی۔

"لیکن کیا؟" عارض نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مما کو بھی یہ خبر نہ ہو کہ میں کون ہوں۔ میں ان کی ملازمہ بن کر وہاں رہوں گی۔" طوسیہ کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

"یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہو طوسیہ؟" عارض اس کی بے بسی پر تڑپ اٹھا۔

"جی عارض..... آگے جو میری قسمت..... اللہ پاک جس حال میں دکھے مجھے منظور ہوگا اور میں کبھی کبھی اپنے گھر بھی آ جایا کروں گی۔" طوسیہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"او کے..... بہت بہت شکریہ۔" عارض نے سچے دل سے کہا۔

طوسیہ دو چار کپڑوں کے جوڑے لیے عارض کے گھر آ گئی۔ زیبا بیگم نے ایک تو رات کے وقت اور پھر عروسی لباس اور بیوٹی پارلر کے میک اپ میں اسے دیکھا تھا۔ آنکھیں بھی کمزور تھیں اس لیے طوسیہ کو پہچان نہ پائیں۔ ویسے بھی طوسیہ اپنے وجود کو بڑی سی چادر میں چھپا کر رکھتی۔ ہمیشہ سر اور آدھا چہرہ چادر سے ڈھکا ہوتا۔ عارض نے ماں سے تعارف کرایا۔

"مما اب آپ کو مالش کے لیے اور دیگر ضروریات کے لیے کسی چاق و چوبند خاتون کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں نے اپنے دوست کے توسط سے ان کو آپ کے لیے ملازمہ رکھ لیا ہے۔ صغیرہ اماں بے چاری خود بیمار رہتی ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے اس کا شناختی کارڈ اپنے پاس رکھ لینا۔" زیبا بیگم نے سر سے پیر تک طوسیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی مما۔" عارض نے کہا۔

طوسیہ' زیبا بیگم کے سارے کام کرتی۔ وقت سے پہلے ان کی ضروریات کا خیال رکھتی۔ زیادہ بات چیت نہیں کرتی۔

"سنو صغیرہ۔" ایک روز زیبا بیگم نے سبزی بناتی ہوئی صغیرہ اماں کو مخاطب کیا۔

"جی بی بی۔" انہوں نے سر اٹھایا۔

"تم نے اچھی طرح سے اس لڑکی کا پتا کر لیا ہے ناں کہیں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہ ہو۔" انہوں نے خدشے کا اظہار کیا۔

"نہیں..... نہیں عارض کے دوست نے پوری گارنٹی لی ہے اس کی۔ بہت شریف نیک اور اچھے خاندان کی لڑکی ہے بے چاری حالات نے اسے اس مقام تک پہنچا دیا کبھی اس کا بھی گھر بار تھا مگر..... اب بے چاری..... ویسے آپ نے خود بھی اندازہ لگا لیا ہوگا اس کو دیکھ کر کہ کتنی چپ چاپ اور خاموش رہتی ہے پردہ کرتی ہے۔" صغیرہ اماں کے لہجے میں ہمدردی نمایاں تھی۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ

گئیں۔

اس دوران دو تین بار زارا بھی کھڑے کھڑے ماں کا حال پوچھنے آئی۔ طوسیہ کو اوپر سے نیچے تک گہری نظروں سے دیکھا۔

''مما یہ کون ہے..... کہاں سے آئی ہے؟ بظاہر معصوم اور مظلوم نظر آنے والی عورتیں چلتر اور گھنی ہوتی ہیں۔ کہیں اونچ نیچ نہ ہوجائے۔ جوان جہان ہے پردے میں رہ کر بھی گل کھلانے والیاں دیکھی ہیں بہت۔'' زارا نے آنکھیں گھما کر طوسیہ کے بارے میں اپنے طور پر منفی خیالات کا اظہار کیا۔

''نہیں نہیں..... اپنے کام سے کام رکھتی ہے یہ اچھی طرح سے مطمئن ہوکر رکھا ہے اسے۔ بہت خیال رکھتی ہے میرا۔ عارض کے دوست کے توسط سے آئی ہے۔ سیدھی سادی سی ہے۔'' زیبا بیگم کی بات پر زارا نے ناک چڑھا کر برا سا منہ بنایا۔ وہ پھر بھی طوسیہ سے شاکی ہی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر بیٹھ کر زارا چلی گئی۔

طوسیہ اپنے کام سے کام رکھتی۔ فارغ وقت میں دیے گئے کمرے میں چلی جاتی۔ کبھی کبھی گھر کی صفائی کرتی۔ روابہ تھی نہیں اس لیے عارض سے آرام سے بات چیت کرلیتی پھر گھر میں روابہ کی واپسی کے ہنگامے جاگے۔ وہ دل بھر کے آرام کرکے تین ماہ بعد واپس گھر آرہی تھی۔ روابہ کے استقبال کی تیاریاں زیبا بیگم ایسے کررہی تھی جیسے نئی دلہن آرہی ہو۔ وہ خوش کیوں نہ ہوتیں ان کے اکلوتے بیٹے کا وارث دینے جارہی تھی۔ ان کی نسل کو آگے بڑھانے والی تھی۔

مناسب غذا' دوا اور آرام نے روابہ کی صحت پر خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ وہ مزید خوب صورت ہوگئی تھی۔ زیبا بیگم نے اس کے آتے ہی بکرے کا صدقہ دے کر اس کا استقبال کیا۔

''مما آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' روابہ دو گھڑی کو ساس کے پاس آبیٹھی۔

''اللہ کا کرم ہے بہت بہتر ہوں اور مزید بہتر ہوجاؤں گی اب تم جو آگئی ہو۔'' زیبا بیگم نے روابہ کا ماتھا چومتے ہوئے پُرمحبت لہجے میں کہا۔

''آنٹی آپ کی دوا کا ٹائم ہوگیا ہے۔'' اسی لمحے طوسیہ کمرے میں آکر بولی۔ روابہ پر نظر پڑی تو ایک لمحے کو ٹھٹھکی۔

'السلام علیکم جی!''

''وعلیکم السلام۔'' روابہ نے اسے سر سے پیر تک گہری نظروں سے دیکھا۔

''تم کون ہو اور یہاں کیا کررہی ہو؟'' روابہ نے پوچھا۔

''بیٹی..... عارض نے اسے میری دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے۔'' زیبا بیگم بولیں۔

''تمہیں بتایا تو تھا کہ مما کی دیکھ بھال کے لیے ایک خاتون کو رکھا ہے۔'' تب ہی عارض نے کمرے میں آکر روابہ کو مخاطب کیا۔

''خاتون..... مگر یہ خاتون تو نہیں لگ رہی۔ یہ تو مجھ سے بھی چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔'' طوسیہ خاموشی سے دوا پلا کر کمرے سے چلی گئی تو روابہ نے اس کے جاتے ہی عارض کو مخاطب کرکے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ارے یار..... ہمیں اس سے کیا لینا دینا ہمیں یہ اطمینان ہے کہ مما اس سے مطمئن ہیں بس۔'' عارض کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

طوسیہ کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے روابہ ایک ایک چیز پر گہری نظر رکھنے لگی تھی۔

''صغیرہ اماں..... یہ لڑکی بنت وقار کیسی لڑکی ہے؟''

ایک روز صغیرہ اماں سے پوچھ لیا۔

''کیا مطلب بی بی میں سمجھی نہیں؟'' صغیرہ اماں نے نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''مطلب آپ گزشتہ دو ماہ سے اسے دیکھ رہی ہیں۔ آپ کو کیسی لگی یہ لڑکی۔ باتونی تیز طرار' چالاک' ٹوہ لینے والی یا آوارہ مزاج۔'' سارے منفی پہلو ایک کے بعد ایک زبان سے پھسلتے چلے گئے۔

''ارے بی بی نہیں.....'' صغیرہ اماں بے ساختہ بولیں۔

''بہت شریف بچی ہے۔ کام سے زیادہ نہ ادھر ادھر گھومتی ہے اور نہ ہی بات کرتی ہے۔ بس کام سے فارغ ہوتی ہے اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔''

''ہنہ.....'' ردابہ نے ہنکارا بھرا۔

''یہ عارض سے بات چیت تو نہیں کرتی؟ مطلب پیسے ویسے تو نہیں مانگتی؟'' اپنی بات کو سنبھالتے جملے میں اضافہ کیا۔

''نہیں نہیں جی..... اس کو پیسے بھی میں ہی دیتی ہوں۔ یہ تو ان کو دیکھتی بھی نہیں۔'' صغیرہ اماں کی بات پر وہ کچھ مطمئن ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

سمیر کی زندگی میں داخل ہوتے ہوتے چند قدم اور چار الفاظ کی دوری تھی کہ..... اچانک زندگی نے ایسا پلٹا کھایا کہ اسے عارض کی زندگی میں داخل ہونا پڑا۔ زندگی نے یکدم رخ موڑ لیا۔ رات تک مختلف کاموں اور مصروفیات میں الجھی الجھی طوبیہ مستقل اس حادثے کو یاد کرتی رہی جو آج ہی کے دن اس کی زندگی میں آیا تھا۔ عشاء کی نماز کے ساتھ ہی زیبا بیگم کو کھانا کھلا کر چائے پلا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دل تھا کہ اُمڈتا چلا آ رہا تھا۔ ابا جی، اماں اور عائلہ کی یاد ستا رہی تھی۔ دن بھر ہلکی ہلکی بارش سے موسم مزید خوب صورت ہو گیا تھا۔ اس وقت آسمان بادلوں سے صاف ہو چکا تھا۔ مدھم سا چاند بادلوں کی اوٹ سے اپنی ہلکی ہلکی روشنی لیے نمودار ہو چکا تھا۔

وہ دن بھر روبوٹ کی طرح زیبا بیگم کے آگے پیچھے پھرتی رہتی۔ ان کا ہر حکم بجالاتی۔ ردابہ کی جلی کٹی باتیں اور غرور میں ڈوبی ہوئی گفتگو سنتی اور رات کو اپنے کمرے میں آ کر سر سے چادر اتارتے آنسوؤں کی نمی صاف کرتی۔ پھر کھڑکی میں کھڑی ہو کر کبھی چاند سے تو کبھی اپنے آپ سے ڈھیروں باتیں کرتی اور یونہی باتیں کرتے کرتے سو جاتی۔ آج نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ یک ٹک چاند کو دیکھ رہی تھی۔

آج عارض کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ پانچ اگست اور اس سے جڑا رشتہ اسے اچھی طرح سے یاد تھا۔ ردابہ گہری نیند سو چکی تھی۔ ابھی رات کے بارہ بجنے میں کافی وقت باقی تھا۔ عارض آہستگی سے اٹھا۔ اچھی طرح سے ردابہ کی گہری نیند کی تسلی کی اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

دستک کی آواز پر طوبیہ بری طرح چونکی۔

''اس وقت کون ہے؟'' اس نے سوچا۔

''طوبیہ دروازہ کھولو میں ہوں عارض۔'' عارض کی آواز پر بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔

''سپی ویڈنگ اینورسری۔'' اندر داخل ہوتے ہی عارض نے کہا اور دروازہ بھیڑ دیا۔ ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ طوبیہ بے ساختہ اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عارض کو سب یاد تھا۔

''عارض..... عارض ہم اس دن کو پپی کہیں گے یا.....؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی روتے ہوئے اس کے لبوں سے ذومعنی جملہ نکل گیا۔

''طوبیہ پلیز..... مجھے شرمندہ مت کرو بس کچھ دن صبر کر لو..... یہ لو میں تمہارے لیے لایا تھا۔'' جیب سے چاکلیٹ اور انگوٹھی کی ڈبیہ نکال کر اس کی جانب بڑھائی۔

''تھینک یو سو مچ عارض۔''

''بس میری جان کچھ دن اور صبر کر لو۔ یقین کرو طوبیہ پہلے تو تم سے ہمدردی تھی لیکن اب..... تمہارے وجود سے محبت ہو گئی ہے شدید محبت۔''

''آئی لو یو سو مچ۔'' عارض نے جذب سے کہا۔

''آئی لو یو ٹو۔'' اسی لمحے دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ عارض اور طوبیہ نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازے کے عین وسط میں آنکھوں میں غیظ و غضب، نفرت اور حقارت لیے ردابہ کھڑی تھی۔ طوبیہ بجلی کی سی تیزی سے عارض کی بانہوں سے نکلی شرم، ندامت سے اس کا سارا وجود کانپنے لگا تھا۔ عارض بھی اس اچانک افتاد پر بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ ردابہ تو دواؤں کے زیر اثر تھی اسے امید نہیں

تھی کہ وہ یوں آجائے گی۔

"واہ..... واہ یہاں پر یہ عیاشی ہورہی ہے۔ اس بد ذات کے ساتھ رنگ رنگ رلیاں منائی جارہی ہیں اور..... یہ فاحشہ بدکردار عورت جو دن میں تو پردے کی بوبو بن کر شرافت اور پارسائی کے ڈرامے رچاتی ہے اور رات کو بے حیائی اور بے غیرتی کی دعوت دیتی ہے۔ عارض تم سے تو بعد میں نمٹوں گی پہلے اس نیچ کی خبر لے لوں۔ ذلیل بے غیرت۔" روابہ چیل کی طرح طوسیہ پر جھپٹ پڑی اور اس پر تھپڑوں کی بارش کردی۔

غصے کی شدت سے روابہ کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔ چہرے پر اور آنکھوں میں وحشت نمایاں تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ طوسیہ کا گلا دبا دے۔ طوسیہ منہ چھپائے بری طرح سسک رہی تھی اور روابہ کی تھپڑوں کی زد میں تھی۔

"روابہ..... روابہ تم پاگل ہوگئی ہو۔" عارض نے آگے بڑھ کر روابہ کے ہاتھوں کو پکڑا۔

"ہاں ہاں..... میں پاگل ہوگئی ہوں اور تم..... تم دیوانے ہوگئے ہو۔ ایک آوارہ بازاری عورت کے لیے....."

"بکواس بند کرواپنی روابہ..... آگے ایک لفظ بھی مت بولنا۔ یہ آوارہ فاحشہ یا بازاری عورت نہیں اور..... اور نہ میں نے کوئی غلط کام کیا ہے۔" اسی لمحے زیبا بیگم اور صغیرہ اماں بھی آگئے۔

"مما..... مما دیکھ رہی ہیں آپ؟ اپنے لاڈلے بیٹے کے کرتوت اور اس لڑکی کی بے غیرتی جسے آپ لوگ شریف اور معصوم سمجھتے تھے..... گل کھلا رہی ہے آدھی رات کو یہاں۔"

"یہ..... یہ کیا ہورہا ہے؟" زیبا بیگم نے عارض کو گھورتے ہوئے کہا۔

"روابہ..... اپنی زبان کو لگام دو یہ آوارہ بدچلن اور فاحشہ عورت نہیں ہے۔ یہ..... یہ میری بیوی ہے۔ تم سے پہلے میری زندگی میں بیوی بن کر آنے والی لڑکی طوسیہ ہے۔" عارض ماں کی بات کو نظر انداز کرکے روابہ کی طرف پلٹ کر غصے سے چلایا۔

"یہ کیا بکواس ہے عارض..... یہ کیا اول فول بک رہے ہو؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے..... یہ..... یہ؟" عارض کی بات پر روابہ کو بری طرح جھٹکا لگا تھا۔

"روابہ..... حوصلے اور صبر سے کام لو۔ اب بات کھل گئی ہے تو..... یہ بات سچ ہے کہ طوسیہ بی بی عارض بابا کی بیوی ہی ہیں۔" صغیرہ اماں نے موقع محل دیکھ کر آگے بڑھ کر روابہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا۔

"یہ شادی غیر ارادی طور پر بلکہ حادثاتی طور پر اچانک ہی ہوئی تھی اور اس بات کا علم..... مجھے اور بیگم صاحبہ کو بھی تھا۔" صغیرہ اماں نے موقع دیکھ کر سچ اگل دیا۔

"اف....." زیبا بیگم موقع کی نزاکت سمجھ کر سر پکڑ کر کرسی پر ڈھے گئیں۔

"یہ سب..... یہ سب کیا بکواس ہے.....؟ کیسی مجبوری کیسا حادثہ؟ آپ سب لوگ مل کر مجھے پاگل کرنا چاہتے ہیں..... اتنی بڑی بات..... اتنی تلخ حقیقت..... یہ..... بات مجھ سے چھپائی گئی..... اور..... اس میں..... آپ سب برابر کے شریک ہیں۔ آنٹی..... آنٹی آپ..... نے بھی میرے ساتھ..... میرے ارمانوں کے ساتھ فراڈ کیا..... مجھے دھوکا دیا..... آپ سب نے مل کر....." وہ پاگلوں کی طرح زیبا بیگم کی جانب پلٹی۔

"بیٹی..... تم ہائپر نہ ہو..... پلیز..... آرام سے بیٹھو اور سکون سے ساری بات سنو..... پھر تم جو کہو گی وہی فیصلہ ہوگا..... تم ایسی حالت میں خود کو ہلکان مت کرو..... یہ سب.....؟"

"لعنت بھیجتی ہوں میں آپ سب پر۔" روابہ نے زیبا بیگم کی بات کاٹ کر بدتمیزی سے کہا۔ "آپ کو شرم آنی چاہیے۔"

"روابہ..... تم..... تم حد سے بڑھ رہی ہو..... اب اگر تم نے ایک لفظ بھی مما کو کہا تو میں..... برداشت....."

"تم کیا برداشت نہیں کرو گے ہاں.....؟ تم سب نے مل کر میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے....."

"یہ غریب، سطحی اور لالچی لوگ پیسے والے لوگوں کو دیکھ کر پھانس لیتے ہیں..... لیکن یہاں تو..... سارے کے سارے ہی....."

"ردابہ....." عارض کی برداشت جواب دینے لگی۔ وہ ہاتھ اٹھا کر ایک قدم آگے بڑھا۔

"اللہ کے لیے عارض..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" درمیان میں طوسیہ آ گئی اور عارض کے اٹھے ہوئے ہاتھ کو پکڑ لیا۔

"بند کر اپنی چلتر بازیاں، خبیث عورت۔" ردابہ نے طوسیہ کو دھکا دیا اور عارض پر پل پڑی۔

"تم..... تم..... مجھے ہاتھ لگاؤ گے۔ ہاتھ توڑ کر رکھ دوں گی..... جاہل آدمی، اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہونے کے بجائے اکڑ دکھا رہے ہو..... میں ایک منٹ بھی ایسے جھوٹے، مکار اور دھوکے باز لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ منافق اور چال باز۔"

"ردابہ....." عارض برداشت کی حدیں پار کر گیا اور اس کے بھرپور طمانچے نے ردابہ کے گال کو سرخ کر دیا۔

"عارض اللہ کے لیے ہوش کرو۔" زیبا بیگم کی حالت دیکھ کر صغیرہ اماں درمیان میں آ گئیں۔ طوسیہ زار و قطار رونے لگی تھی۔ ردابہ گال پر ہاتھ رکھے خون خوار نظروں سے عارض کو دیکھ رہی تھی۔

"بزدل انسان..... یہی مردانگی ہے تمہاری..... اس..... اس عورت کے لیے تم نے مجھے تھپڑ مارا..... مجھے ابھی کے ابھی طلاق دو۔ رکھو اس کو اپنے پاس۔" وہ ہذیانی انداز میں عارض کو جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"بیٹی..... ردابہ بیٹی، اللہ کے لیے..... اپنے اوپر اور ہمارے اوپر رحم کرو..... اللہ کا واسطہ ہے اپنے کمرے میں جاؤ..... ہم کچھ فیصلہ کرتے ہیں....." زیبا بیگم ردابہ کی بات پر تڑپ کر گڑگڑائیں۔

"فیصلہ مائی فٹ، فیصلہ اب میں کروں گی۔" ردابہ حقارت سے زمین پر تھوک کر بولی اور اسی لمحے کال کر کے عدیل اور زارا کو بلا لیا۔

گھر میں قیامت بپا ہو گئی تھی کیونکہ عدیل اور زارا کے آتے آتے ردابہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ان کو سارے حالات سے صغیرہ اماں نے آگاہ کیا۔ اس وقت عدیل کے لیے بہن کی جان عزیز تھی تو وہ ہاسپٹل بھاگے۔ ساتھ ہی زیبا بیگم اس کی حالت اور یہ قیامت برداشت نہ کر پائیں۔ ان پر دمے کا شدید حملہ ہو گیا اور ان کو بھی ایمرجنسی میں ہاسپٹل جانا پڑا۔

ساس، بہو دونوں آئی سی یو میں تھیں۔ ردابہ کا مس کیرج ہو گیا تھا۔ عدیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عارض کا گلہ دبا دے۔ بہن کی اس حالت کا ذمہ دار وہ تھا۔ زارا کا رو رو کر الگ برا حال تھا اس کے لیے ایک طرف بھائی تھا تو دوسری طرف نند اور سب سے بڑھ کر شوہر..... عدیل کے سامنے رو رو کر ہاتھ پیر جوڑ کر زارا نے بھائی کی جان بخشی کروائی تھی۔

وہ سارے حالات جان چکی تھی۔ عدیل نے بھی ایک شرط رکھی تھی کہ زارا کا جب تک اپنے میکے سے تعلق رہے گا جب تک زیبا بیگم ہاسپٹل میں ہیں اس کے بعد وہ میکے کے لیے مر جائے گی اور زارا بھونچکا رہ گئی مگر اس وقت حالات ہی ایسے تھے عدیل بھی اپنی جگہ درست تھا۔ ان کی لاڈلی بہن کے ساتھ اتنا برا ہو چکا تھا۔ ذہنی اذیت الگ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہونے والے بچے سے بھی محروم ہو چکی تھی۔ معاملہ بہت سنگین ہو چکا تھا۔ زارا معاملے کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

دو دن بعد زیبا بیگم مکمل طور پر ٹھیک ہوئیں تب ان کو ردابہ کے بارے میں پتا چلا تو وہ بری طرح رو دیں۔ ردابہ کو اپنے بچے کا خاص افسوس نہ تھا بلکہ وہ اس بات سے خوش تھی کیونکہ اسے کسی صورت بھی عارض کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی اس کی زندگی میں آنے والا مرد کسی اور کی زندگی پہلے سے آباد کر چکا ہے۔ یہ ہتک اور بے عزتی اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ ضد میں اتنی اندھی ہو چکی تھی کہ اسے ہر صورت میں عارض سے طلاق چاہیے تھی۔

حالانکہ زیبا بیگم نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ انہیں طوسیہ کی شادی کا علم تھا مگر انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ ان کی خدمت گار طوسیہ ملازم بن کر ان کے ساتھ ہے اور انہوں نے ردابہ سے یہ بھی کہا کہ عارض طوسیہ کو چھوڑ دے گا مگر تمہیں نہیں مگر ردابہ کسی صورت ماننے کو تیار نہ تھی۔ ردابہ نے طلاق لے لی تھی۔ زیبا بیگم منہ لپیٹ کر بیٹے اور طوسیہ سے مکمل طور پر ناراض ہو کر پڑ گئی تھیں۔

طوسیہ کی زندگی ایک بار پھر عجیب و غریب حالات کا شکار ہو چکی تھی۔ زیبا بیگم اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا اپنی توہین سمجھتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ سامنے آتی تو زیبا بیگم آپے سے باہر ہو جاتیں۔ اس کو دل بھر کر صلواتیں سناتیں۔ طرح طرح سے اس کی روح کو الفاظ کے نشتروں سے داغ دار کرتیں مگر طوسیہ پھر بھی ان کی خدمت کرنے کو تیار رہتی۔

❁.....❁.....❁.....❁

زیبا بیگم اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ طوسیہ عارض کے کمرے میں رہنے لگی تھی۔ عارض جب بھی وقت ملتا زیبا بیگم کے پاس جا بیٹھتا۔ اسے خود بھی عجیب سا لگتا کہ اس کی وجہ سے زارا سے بھی تعلق ختم ہو چکا تھا۔ مما کو اتنی تکلیف ہوئی تھی مگر..... وہ خود بھی مجبور تھا۔ طوسیہ گھر میں مقام حاصل کر چکی تھی مگر زیبا بیگم کے دل کو تسخیر کرنا اس کے لیے بہت مشکل اور کٹھن مرحلہ تھا۔ طوسیہ دن بھر گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتی۔ صغیرہ اماں سے زیادہ کام نہیں کرواتی وہ ان کی دل سے عزت کرتی تھی کیونکہ صغیرہ اماں بہت ہمدرد اور شفیق خاتون تھیں۔ جب زیبا بیگم سوتیں' طوسیہ ان کے کمرے کی صفائی کر دیتی۔ ان کے پیروں کا مساج کر دیتی..... ان کے کھانے پینے اور دوا کا خاص خیال رکھتی لیکن یہ تمام کام کرتے ہوئے کوشش ہوتی کہ وہ زیبا بیگم کا سامنا نہ کرے۔ مساج کے وقت بھی ڈری رہتی کہ مبادا وہ سوتے سے جاگ نہ جائیں۔

صغیرہ اماں کو اس روز حرارت ہو گئی تو طوسیہ نے ان کو چائے کے ساتھ بخار کی ٹیبلٹ کھلائی تو ان کی آنکھ لگ گئی۔ اس لیے مجبوراً طوسیہ کو کھانا لے کر زیبا بیگم کے پاس جانا پڑا۔

''تم..... تم..... کیوں لائی ہو کھانا.....؟'' وہ طوسیہ کو دیکھ کر بھنچ پا ہوئیں۔

''صغیرہ اماں کو بخار ہے۔ وہ سو رہی ہیں آپ کی دوا کا ٹائم ہونے والا ہے اس لیے مجھے لانا پڑا۔'' طوسیہ نے کھانے کی ٹرے سامنے رکھتے ہوئے وضاحت دی۔

''اٹھاؤ..... یہ ٹرے اور جب صغیرہ اٹھ جائے تو اس سے کہنا وہ لے کر آئے گی کھانا..... تم چلی جاؤ یہاں سے.....'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اس سے زور سے کہا۔

شام کو پھر چائے کا کپ لیے وہ ان کے کمرے میں موجود تھی۔

''صغیرہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے چائے مجھے لانی پڑی سوری۔'' ٹیبل پر چائے رکھ کر سر جھکا کر بولی۔ زیبا بیگم نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا منہ سے کچھ نہ بولیں۔ اٹھنے لگیں دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا..... الجھے روکھے اور بے رونق بال بکھر گئے۔

''آپ کے بال بہت الجھ گئے ہیں۔ ان میں تیل لگا کر سلجھا دوں؟'' تھوڑی دیر بعد وہ سامنے موجود تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں..... تمہاری ہمدردی کی..... میرا خیال رکھنے کی..... کیوں خوامخواہ کمبل ہو رہی ہو تم..... مجھے تمہارے وجود سے نفرت ہے اور تم.....''

''ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں پلیز' آپ چلائیں نہیں۔'' وہ ملائمت سے کہہ کر پلٹی تو دروازے میں عارض کھڑا تھا۔

''عارض..... اپنی بیوی سے کہو اپنی حد میں رہے..... اپنی ان حرکتوں سے یہ کیا ثابت کرنا چاہتی ہے؟''

''مما..... میری بیوی آپ کی بہو بھی ہے..... اگر اسے آپ کے کام کرنا اچھا لگتا ہے تو.....''

''مگر مجھے کوفت ہوتی ہے..... غصہ آتا ہے..... اسے دیکھ کر۔'' عارض کی بات کاٹ کر وہ اسی لہجے میں بولیں۔

''اچھا..... اچھا چلیں غصہ نہ کریں' چائے پی لیں

ٹھنڈی ہورہی ہے۔'' عارض نے طوسیہ کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود چائے کا کپ لے کر ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔

❀.....❀.....❀.....❀

موسم تبدیل ہورہا تھا۔ ہوا میں خنکی شامل ہوگئی تھی۔ اس موسم کی لپیٹ میں پہلے صغیرہ اماں اور پھر زیبا بیگم بھی آ گئیں۔ ویسے بھی بی پی اور شوگر کے زیر اثر تھیں کہ بدلتے موسم نے بھی ان پر جاڑے کے ساتھ شدید بخار کا حملہ کردیا۔ بخار کی حدت کی وجہ سے وہ بے سدھ پڑی تھیں۔ زیبا بیگم نے ایک دو بار نقاہت سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ عارض بھی ان کے روم میں ہی تھا۔ آتا جاتا رہا مگر طوسیہ.....ایک لمحے کو بھی نہیں ہلی..... مسلسل پٹیاں رکھنے سے رات کے آخری پہر ان کا بخار تو نارمل ہوا اور طوسیہ نے شکرانے کے نفل ادا کیے۔

زیبا بیگم نے کسمسا کر بہ مشکل آنکھیں کھولیں۔ بخار کی وجہ سے نقاہت کا غلبہ تھا۔ جسم اور سر بھی بھاری ہورہا تھا۔ گھڑی پر نظر ڈالی صبح کے نو بج رہے تھے۔ سامنے کرسی پر آنکھیں موندے طوسیہ بیٹھی تھی۔ زیبا بیگم کی ہلکی سی جنبش پر طوسیہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

''مما.....اب آپ کیسی ہیں کیسا فیل کررہی ہیں..... پانی دوں.....؟'' وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر ان کے قریب آ گئی۔ پپڑی زدہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہوں۔'' زیبا بیگم نے نحیف آواز میں کہا۔ طوسیہ نے جلدی سے جگ سے پانی نکال کر ان کو سہارا دے کر تھوڑا سا اونچا کیا اور پانی کا گلاس منہ سے لگا دیا۔

''آپ کلی کرکے یہ دودھ کا گلاس پی لیں تاکہ آپ کو دوا دوں۔'' خلاف معمول زیبا بیگم چپ رہیں۔ خاموشی سے کلی کرکے گرم گرم دودھ پیا۔ دودھ پینے کے بعد طوسیہ نے دوائی کھلائی اور ان کو سہارا دے کر واپس تکیے پر لٹا دیا۔ غنودگی کا اثر بھی تھا۔ ان کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔

دو تین دن بعد ان کی طبیعت مکمل طور پر ٹھیک ہوگئی تو

ماہنامہ آنچل کراچی حجاب

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے لیے 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
8000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے
7000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام اور ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ متعلقہ افراد

0316-0128216

0300-8264242

0300-8264242

نئے آفق گروپ آف پبلی کیشنز

+922-35620771

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

صبح ناشتے سے فارغ ہو کر دوائیں وغیرہ دے کر طوسیہ زیبا بیگم سے مخاطب ہوئی۔

"میں نے آپ کے باتھ کا انتظام کر دیا ہے۔ گرم پانی سے باتھ لے لیں تو طبیعت مزید بہتر ہو گی۔"

"تم کیا سمجھتی ہو.....؟ اس طرح کی حرکتیں کر کے تم میرا دل جیت لو گی' میرے دل میں اپنے لیے سوفٹ کارنر پیدا کر لو گی؟" وہ پرانی جون میں لوٹ آئی تھی۔

"آپ کچھ بھی کہیں' میں اپنا فرض سمجھ کر یہ سب کرتی رہوں گی..... مجھے یہ سب کر کے اچھا لگتا ہے اور میرا آپ کے سوا ہے کون.....؟" اس کا لہجہ ڈول گیا۔

"تم جاؤ..... صغیرہ کو بھیجو۔" وہی لہجہ وہی ضد۔

"صغیرہ اماں بازار گئی ہیں۔"

"اف یہ صغیرہ ہڈ حرام ہوتی جا رہی ہے۔ رہنے دو مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری میں خود باتھ لے سکتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگیں۔ مسلسل مساج اور دیکھ بھال سے وہ کافی بہتر ہو چکی تھیں۔ اٹھنے کی کوشش کی تو کھڑے ہوتے ہوئے بری طرح لڑکھڑائیں۔

"الٰہی خیر....." طوسیہ نے دوڑ کر ان کو سنبھالا۔

"کیوں ضد کرتی ہیں آپ.....؟ پلیز۔"

"بہت بولنے لگی ہو تم۔" زیبا بیگم نے اسے گھورا۔

"او کے میں نہیں بولتی..... آپ ہی بولیں..... مگر..... ابھی مجھے اپنا کام کرنے دیں۔" طوسیہ کی بات پر صرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا۔

نہا دھو کر وہ خود کو فریش محسوس کر رہی تھیں۔ آج کمرے سے باہر بھی آئی تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ طوسیہ کچن میں تھی صغیرہ اماں بھی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ آج زیبا بیگم نے ان کی بھی نالائقی اور کام چوری پر دل بھر کے کلاس لے لی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

عدت کے ختم ہوتے ہی ردابہ کی شادی عدیل نے اپنے دوست کے بھائی سے کر دی اور وہ بیرون ملک چلی گئی۔ زارا کی چپ اور حد درجہ احتیاط اور میکے سے بالکل لاتعلقی نے عدیل کے دل میں بھی تھوڑی لچک پیدا کر دی تھی۔ اس نے بھی ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لیا۔ اب ردابہ بھی خوش و خرم تھی۔ تب عدیل کو احساس ہوا کہ زارا بے قصور ہے۔ یہ سب نصیبوں کے چکر ہیں۔ اس لیے اب زارا کو اس نے کبھی کبھی میکے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ گو کہ زارا آنے لگی تھی مگر اس کے دل میں طوسیہ کی طرف سے بال سا آ گیا تھا کہ اس کی وجہ سے یہ سب ہوا حالانکہ وہ بھی حالات سمجھتی تھی مگر پتا نہیں کیوں دل کچھ شاکی رہتا۔ شاید اس وجہ سے بھی طوسیہ کا اسٹیٹس ان جیسا نہیں تھا۔ اس روز بھی زارا آئی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم آپی....." طوسیہ نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" سرد مہری سے جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد طوسیہ چائے اور دیگر لوازمات لیے موجود تھی۔

"ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں تھی میں..... مما سے ملنے آئی ہوں خاطر مدارت کروانے نہیں۔" زارا نے سرد مہری سے کہا۔

"آپی..... میری اماں کہتی تھیں کہ بیٹیاں بڑے مان کے ساتھ میکے آتی ہیں۔ اس امید اور بھروسے کے ساتھ کہ جہاں ان کی ضدیں پوری کی جائیں گی' ان کے لاڈ اٹھائیں جائیں گے' ان کی فرمائشیں پوری کی جائیں گی۔ اللہ پاک سب کے میکے اور میکے کی رونقیں سلامت رکھے (آمین)۔ یہ آپ کی مما اور بھائی کا گھر ہے آپی..... ناراضی تو آپ کی مجھ سے ہے ناں....." چائے کی ٹرے رکھ کر وہ آنکھوں کے گوشے صاف کرتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔

"بہت لمبی زبان ہو گئی ہے اس کی۔" زارا نے چڑ کے ولید نماز میں ماں کو مخاطب کیا۔ زیبا بیگم نے کچھ جواب نہ دیا خاموش بیٹھی رہیں۔

دو تین دن سے طوسیہ کی طبیعت بھی بہت خراب تھی۔ اس پر زیبا بیگم کا رویہ..... وہ بھی انسان تھی..... برداشت کی آخری حدوں تک پہنچ چکی تھی۔ رات کو بستر پر لیٹی تو بری طرح رونا آ گیا۔

''آئی ایم سوری طوسیہ..... سمجھ میں نہیں آتا مما..... ایک عورت ہو کر اس قدر پتھر دل کیسے ہو سکتی ہیں..... کب اور کس طرح ان کا دل موم ہوگا آخر کیسے وہ تم سے محبت اور شفقت سے پیش آئیں گی.....؟'' عارض بے حد شرمندہ تھا۔

رات بھر طوسیہ بے چین رہی۔ سر بھاری اور دل اچاٹ ہو رہا تھا اور عارض صبح ہوتے ہی اس کو ہاسپٹل لے آیا تھا اور ڈاکٹر نے یہاں یہ خوش خبری سنائی تھی۔

''عارض..... ایک خوشخبری تو سب سے زیادہ نانی اور دادی کو ایکسائیٹڈ کرتی ہیں..... میرے بچے کے نصیب میں نانی ہیں نہیں اور دادی.....؟'' اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چہرے پر ملال پھیل گیا۔ گاڑی جھٹکے سے رکی۔ وہ خیالات سے چونکی گھر آ گیا تھا۔

''او کے تم اندر جاؤ..... میں تمہاری میڈیسن لے کر آتا ہوں۔'' عارض نے کہا تو وہ گاڑی سے اتر گئی۔ اندر آئی تو سامنے صغیرہ اماں کو دیکھ کر بے ساختہ ان سے لپٹ گئی اور اسے رونا آ گیا۔

''ارے ارے..... کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' وہ گھبرائیں۔ حقیقت جان کر ان کی بوڑھی آنکھوں میں بھی خوشی سے آنسو آ گئے۔ وہ زیبا بیگم کے کمرے میں آ گئی اور ان کے قریب بیٹھ گئی۔ گرم گرم آنسو زیبا بیگم کے پیروں پر گرے تو انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

اس نے ڈرتے ڈرتے خوش خبری سنائی دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ قریب آئی تو زیبا بیگم نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

''مجھے معاف کر دو میری بچی..... میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی کتنی پاگل تھی میں اپنے بچوں کو بھی خوشی کو ترسایا اور خود بھی ترستی رہی لیکن اب..... آنے والا بچہ ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوگا۔ یا اللہ مجھے معاف کر دینا..... یہ سب تیری رضا تھی..... یہ نصیبوں میں لکھا تھا اور میں..... میں اپنی جہالت میں تیرے فیصلوں سے لڑتی رہی..... میں نادان تھی..... مگر..... اب ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ زار و قطار روتے ہوئے اعتراف کر رہی تھیں۔

اسی لمحے دوائیں لے کر عارض بھی آ گیا اور اندر کا منظر اس کے لیے خوش گوار اور حیران کن تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ صغیرہ اماں بھی آ گئی تھیں۔

''مما.....!'' عارض نے آواز دی۔

''میرے بچے..... بہت بہت مبارک ہو۔'' انہوں نے اشارے سے عارض کو پاس بلایا اور اسے بھی ساتھ لگا لیا۔

''تم ابھی جاؤ اور مٹھائی لے کر آؤ..... آج..... آج میں بہت خوش ہوں..... اللہ پاک نے مجھے اتنی بڑی خوشی دی ہے..... صغیرہ ارے تم کیا دور کھڑی سوچ رہی ہو..... ارے بھئی جلدی سے ہمیں فون ملا کر دو۔ ہم یہ خوشی زارا کو بھی دے دیں۔'' زیبا بیگم نے کہا تو صغیرہ آنکھیں صاف کرتی ہوئی مسکرائیں اور سیل کی جانب بڑھیں۔

زیبا کے کھلے کھلے شگفتہ چہرے کو طوسیہ آج زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ ان کا یہ روپ، لہجہ اور رویہ طوسیہ کے لیے قطعی انجان اور انوکھا تھا۔

آج..... آج اسے اس کی تمام ریاضتوں کا انعام مل گیا تھا۔ دوسرے لمحے ہی اس کے قدم اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں وہ سجدے میں جا کر اتنی بڑی بڑی خوشیوں کا شکرانہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

قسط نمبر 11

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

گزشتہ قسط کا خلاصہ

منزہ اچانک آ جاتی ہے اور وہ دروازے پر کھڑی ماورا یحییٰ کو اس شخص سے باتیں کرتے دیکھ کر سختی سے اسے اندر جانے کا کہتی ہے اور پھر ماورا کے اندر جاتے ہی وہ اس شخص سے آمد کی وجہ پوچھتی ہے۔ شنائیہ کسی بھی صورت شاہ زر شمعون سے شادی کرنا نہیں چاہتی لیکن اس کی مدد کے لیے دیا بھی تیار نہیں ہوتی ایسے میں اسے سمہان کا خیال آتا ہے تو وہ ناشتے کی ٹیبل پر سمہان کو اکیلے میں ملنے کا کہتی ہے۔ یحییٰ سرفراز کے جانے کے بعد منزہ ماورا پر غصہ کرتی ہے تب ماورا یحییٰ سرفراز کے حوالے سے پوچھتی ہے مگر منزہ ٹال جاتی ہے ماورا انوشا سے یحییٰ سرفراز کے متعلق بات کرتی ہے۔ ایشان جاہ انشراح سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے صبحا کے پوچھنے پر وہ اسے صرف دوست تسلیم کر کے انہیں حیران کر دیتا ہے دوسری طرف ماورا سے بھی بدلا لینے کا سوچ چکا ہوتا ہے اور اس بات سے چودھری جہانگیر کو بھی آگاہ کر دیتا ہے۔ ایشان جاہ کی بات سے وہ بھی طیش میں آ جاتے ہیں اور خود ماورا کو راستے سے ہٹانے کا کہتے ہیں جس پر ایشان جاہ منع کر دیتا ہے۔ شنائیہ سمہان سے نکاح رکوانے کا کہتی اسے حیران کر دیتی ہے سمہان وجہ جاننا چاہتا ہے جس پر شنائیہ اپنی ناپسندیدگی کا بتاتی ہے تب سمہان شاہ زر شمعون کی تعریف کرتا ہے دوسری طرف عیشال جاہ شنائیہ اور سمہان کو باتیں کرتا دیکھ کر تلملا جاتی ہے۔ نکاح کی شاپنگ کے دوران سمہان عیشال جہانگیر کو منانے کی کوشش کرتا ہے اسے شنائیہ سے ہوئی بات بھی بتاتا ہے لیکن عیشال کچھ سننا نہیں چاہتی۔ منزہ کی کمیٹی کھلی تھی لیکن عین وقت پر یحییٰ سرفراز آ کر سارے پیسے چرا لے گیا وہ ماورا اور انوشا کے سامنے افسردہ ہوتی پیسوں کا رونا روتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁.....❁.....❁

''آہ..... اتنا ظلم..... ظالم کو ذرا رحم نہیں آیا.....؟ اب کیسے اپنی بچی کی شادی کی تیاری کروں گی؟'' منزہ واویلا کرنے لگیں۔ دونوں ان کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے انہیں سنبھالنے لگیں۔

''اماں..... حوصلہ کریں کیا ہوا ہے بتائیں تو سہی۔'' ماورا ان کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگی۔ انوشا بھاگ کے پانی کا گلاس لے آئی مگر منزہ نے گلاس ہاتھ سے دور کر دیا۔ دل اتنا برا ہو رہا تھا کہ وہ سدھ بدھ کھو بیٹھی تھیں۔

''کیا پیسے چوری ہو گئے اماں.....؟'' ان کے دگرگوں انداز سے دونوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔

''ہاں کسی نے نکال لیے..... اب ہم کیا کریں گے؟'' ردی کی آواز میں بتا کر منزہ پھر سے رونے لگیں.....
دونوں کے چہرے پہ افسوس کے رنگ پھیل گئے۔

''اماں..... پیاری اماں' رونے سے آپ کی طبیعت مزید خراب ہو جائے گی۔ نکل آئے گا کوئی نا کوئی حل..... روئیں نا۔'' ماں کی اندرونی حالت جانتی' انہیں اس بے قراری سے روتے دیکھ کر ماورا ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کے خود بھی سسک پڑی۔

''اللہ غارت کرے ان بسوں میں سفر کرنے والے چوراچکوں کو۔'' انوشا بھی آنکھیں خشک کرتی ماں کی حالت پہ دلگرفتہ تھی۔

''شادی میں بہت کم وقت ہے' ہم کہاں سے پیسے لائیں گے؟ چوری کرنے والے کو ذرا شرم نہیں آئی۔'' منزہ کا بس نہیں چل رہا تھا یحییٰ سرفراز کا سر قلم کر دیں۔ پیٹ کاٹ کاٹ کر سالوں کمیٹی بھری تھی۔ اس آس پہ کہ بیٹیوں کے کام آئے گی اور بروقت کمیٹی ملنے کی نوید ملی تو اس حسن اتفاق نے ان کی آدھی پریشانی دور کر دی لیکن جو ہوا وہ سہا نہیں جا رہا تھا۔

یحییٰ سرفراز سے انہیں اس درجہ کی بے غیرتی کی امید تو تھی تب ہی وہ اسے قابل بھروسہ نہیں سمجھ رہی تھیں اور پھر بھی وہ انہیں تہی دامن کر گیا تھا۔ پولیس کا ڈراوا وہ اسے دے تو آئی تھیں لیکن بنا کسی سرپرست کے دو جوان بیٹیوں کو لے کر وہ تھانے جا کر شکایت درج کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ بس اپنی بے بسی پر آنسو ہی بہا سکتی تھیں اور وہی کر رہی تھیں۔ برسوں بیت گئے تھے..... یحییٰ سرفراز جیسے ناگ سے بچنے کے لیے انہوں نے ساری زندگی بیوگی کی چادر میں گزار دی لیکن وہ ایک بار پھر انہیں ڈس گیا تھا۔ منزہ روتے روتے بے دم سی ہو کر سر دیوار سے ٹکا گئی تھیں۔

''اماں..... شادی کی تاریخ آگے بڑھا دیں' مزید وقت لے لیں' اگر وہ لوگ منع کر دیں تو بے شک رشتہ ختم کر دیں..... مجھے شادی کی بالکل جلدی نہیں ہے۔'' انوشا اس گھڑی خود کو مجرم سمجھنے لگی تھی۔ اس کی وجہ سے منزہ ادھ موئی ہوئی جا رہی تھیں۔ شادی اور نئی زندگی اسے اپنی ماں سے زیادہ ہرگز عزیز نہیں تھی۔ منزہ ساکت نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''وقت لے لوں..... وقت ہی تو نہیں ہے میرے پاس۔'' خلاء میں گردش کرتی نظروں کے ساتھ منزہ کے لب ہولے سے لرزے تھے۔ انوشا دور تھی سمجھ نا سکی۔ ماورا یحییٰ ان کی خود کلامی سن کر ان کا ٹھنڈا ہاتھ سختی سے جکڑ کر شدت سے رو دی تھی۔

❁.....❁.....❁

''کہاں چھپی بیٹھی ہو..... پہلے تو آ کر خوب رونق لگائی لیکن جب تمہاری باری آئی تو منہ سر لپیٹ کے پڑ گئیں۔'' ثنائیہ چودھری ہال میں آئی تو حویلی کی تمام عورتیں' لڑکیاں براجمان تھیں۔ شہر سے کی گئی شاپنگ سب پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھیں لیکن ایک بار پھر بازار سا سج گیا تھا۔ سب اپنی میچنگ چیزیں لگا لگا کے دیکھ رہی تھیں تو کوئی ڈریسز پہن کر سب کی رائے لے رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی یمنیٰ نے کلاس لی۔

''کوئی مجھ سے محبت نہیں کرتا..... میری خوشی' رضامندی کی ذرا اہمیت نہیں ہے..... آپ دونوں کی نظر

میں..... میں سگی بیٹی ہی ہوں ناں؟'' رات ہی تو وہ دیا کے سامنے ایموشنل گیم کھیل رہی تھی۔ جب کہنے سے بات نا بنی تو وہ آنسو بہا کر دیا کا دل موم کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر دیا کا دل ذرا بھی نہیں پگھلا تھا۔ الٹا وہ اسے سخت سست سنا کر منہ ٹھیک رکھنے کا درس دینے لگی تھیں۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپی کی..... ورنہ تو خوب رونق لگاتیں۔'' ماہم نے بہن ہونے کے ناتے طرف داری کی۔

''ہاں' جانتے ہیں' بہت نازک مزاج ہے ہماری بھابی کا..... اللہ جانے ہمارے سڑیل ویرے کے ساتھ کیسے نبھے گی۔'' شازمہ نے لگے ہاتھوں چھیڑا۔

''ادھر آ کے بیٹھو کیا ہوا ہے طبیعت کو؟'' زمرد بیگم نے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو وہ مرے مرے قدموں سے پاس آ گئی۔ فائزہ' فریال کے ساتھ دیا بھی موجود تھیں جبکہ لڑکیاں ذرا فاصلے پہ براجمان تھیں سوائے عیشال جہانگیر کے۔

''سر میں درد ہے دی جان۔'' اب اسے کچھ تو کہنا تھا۔

''تم لڑکیوں کو جب دیکھو سر درد رہتا ہے' ایک ہمارا وقت تھا کسی بیماری' تکلیف کی خبر نہیں تھی' یہ تو اب بڑھاپے میں ہڈیوں' جوڑوں اور سر درد کا پتا چلا ہے..... موافیشن ہی ختم نہیں ہوتا تم لڑکیوں کا ڈائی' لائیٹ ہائی' (ہائی لائیٹ) اسٹرلنگ (اسٹریٹنگ) جانے کیا کیا کروا کے تم لڑکیوں نے بالوں کا ناس مار رکھا ہے۔'' زمرد بیگم کی نرم آواز میں ماڈرن فیشن کی تفصیل سن کر لڑکیاں کھی کھی کرنے لگیں تو تینوں بہوئیں بھی مسکرانے لگی تھیں۔

''اور اماں کٹ ڈاؤن بھی۔'' فریال نے لقمہ دیا۔

''ہاں..... ہاں وہ بھی۔'' زمرد بیگم نے شدومد سے سر ہلایا تو سب ہی ہنسنے لگیں۔ شائیہ چودھری خاموشی سی بیٹھی رہی۔

''سر دیکھو کتنا خشک ہے' مانو کبھی تیل ہی نہ ڈالا ہو۔ فائزہ تیل کی بوتل پکڑانا مجھے۔ بہو ڈاکٹری نسخوں میں کیا تیل لگانے کے نقصانات زیادہ بتائے گئے ہیں جو بچی کے بال بے رونق کر رکھے ہیں۔'' فائزہ کو ہدایت کرتے زمرد بیگم دیا سے استفسار کرنے لگیں تو وہ گڑبڑائیں۔

''اماں آج کی بچیاں تیل لگانا پسند ہی نہیں کرتیں۔'' دیا نے منمنا کے کہا تو زمرد بیگم مزید پُرجوش ہو گئیں۔

''دیکھتی ہوں کیسے نہیں لگاتی..... ابھی لگاؤں گی تو شائیہ کو خود فرق محسوس ہوگا..... سارا درد بھاگ جائے گا۔''

فائزہ کے بوتل پکڑانے پہ زمرد بیگم نے شائیہ چودھری کو پکڑ کے پاس بٹھا لیا..... تیز خوشبو کے تیل کو بے چارگی سے دیکھتے وہ مدد طلب نظروں سے دیا کو دیکھنے لگی تو وہ نظر چرا گئیں..... اس وقت کچھ بول کر ساس صاحبہ سے اتنے لوگوں کی موجودگی میں صلواتیں نہیں سننی تھیں۔

''اماں میں نظر اتارنے کے لیے چیزیں لاتی ہوں..... مجھے تو سخت نظر لگ رہی ہے..... اپنی بہو پہ۔'' زمرد بیگم نے ہتھیلی بھر کر تیل اس کے سر پہ ڈالا تو تیل کی چپ چپ محسوس کر کے وہ کراہ کے رہ گئی۔ اوپر سے تیز خوشبو نے منہ' ناک پہ دوپٹا رکھنے پہ مجبور کر دیا اور دوسری طرف فائزہ اپنا فتویٰ سنا کے نظر اتارنے کا سامان لینے چلی گئیں اور جب لوٹیں تو نظر اتارنے کے سامان کے ساتھ کوئلے بھی دہکا کر ملازمہ کے ساتھ لے آئی تھیں۔

شنائیہ چودھری نے خوفزدہ ہوکر آنکھیں میچ لی تھیں لیکن آنکھیں کھولنا پڑیں' جب وہ پڑیا سلگتے کوئلوں میں جاتے ہی اپنا کام دکھا گئی تھی اور اس میں موجود مرچوں کی دھونی نے سب کو کھانسنے اور چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''توبہ ہے تائی جان..... کوئی نظر وظر نہیں ہے آپ کی بہو کو..... لے کے ہم سب کو مرچوں کی دھونی دے کر کھانسنے پہ لگا دیا۔'' زرش دوپٹا منہ پہ رکھے دہائی دینے لگی' لڑکیاں جو شنائیہ چودھری کی درگت بننے پہ ہنس رہی تھیں اب کھانسنے چھینکنے پہ مجبور ہوگئی تھیں۔

شنائیہ چودھری لال ہوتی ناک کے ساتھ آنکھوں میں آئے پانی کو پونچھتی بے ساختہ اوپر دیکھ کر شکوہ کر گئی تھی۔

''میں نے کون سا گناہ کیا ہے جو اتنی بھیانک سزا؟'' لیکن زیادہ دیر ہال کی چھت کو نا دیکھ سکی..... زمرد بیگم نے ہاتھ کے زور سے سر جھکانے پر اسے مجبور کر دیا تھا۔

''ہائے میرے پروٹین ٹریٹمنٹ والے بال۔'' تیل میں چپڑے بال دیکھ کر اس کا غم غلط نہیں ہو رہا تھا۔

''آپ تو ہٹیں سامنے سے۔'' وہ بھاگتی ہوئی ہال سے نکلی' اچانک سامنے آجانے والے شاہ زر شمعون کو دیکھتے وہ چلائی تو اس کے حلیے کو دیکھتے وہ سائیڈ پر ہوگیا۔ وہ دوڑ کر کمرے میں گھس گئی جبکہ شاہ زر شمعون کے چہرے پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

گھر میں جیسے مردنی سی چھا گئی تھی۔ منزہ پہلے ہی بیمار تھیں' اس صدمے سے کھانا پینا چھوڑ کر بستر سے لگ گئیں۔ دونوں کا ہی دل اسکول' یونیورسٹی جانے کو تیار نہیں تھا' لیکن منزہ کے سختی سے کہنے پہ دونوں بے دلی سے تیار ہوگئی تھیں۔

دونوں ہی وقفے وقفے سے منزہ کو کال کر کے ان کی خیریت پوچھتی رہی تھیں۔ جب سے ان کی بیماری سامنے آئی تھی تب سے ماورا نے جیب خرچ بچا کر سیکنڈ ہینڈ موبائل فون منزہ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ دونوں کے باہر ہونے کی صورت میں وہ رابطے میں رہ سکیں۔ اس کی بار بار کی گئی کال پہ منزہ نے خیریت کی اطلاع کے ساتھ پڑھائی پہ توجہ دینے پہ زور دیا مگر دل پھر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بے دلی سے کلاسز اٹینڈ کر رہی تھی۔ ایشان جاہ اور اس کے گروپ کی غیر موجودگی پہ اس نے شکر ادا کیا تھا۔

''غالباً رات سعید کی منگنی کی تقریب کے بعد سب نڈھال ہوں گے۔'' ثانیہ کے خیال ظاہر کرنے پہ اس نے کوئی تاثر نہیں دیا۔ ثانیہ نے اس کے اترے چہرے کی وجہ پوچھی تو چند ماہ پہلی بنی دوست کو اپنے گھریلو حالات بتانا اسے مناسب نہیں لگا لیکن اس کے اصرار پہ اس نے پیسوں کی چوری کا معاملہ گوش گزار کر دیا تو وہ بھی افسوس کرنے لگی۔

''ایک غریب' جب دوسرے غریب کو لوٹتا ہے تو کون سی دفعہ لگنی چاہیے سمجھ میں نہیں آتا۔ امیروں کے پیسے ایک اکاؤنٹ سے دوسرے' دوسرے سے تیسرے میں گھومتے رہتے ہیں لیکن انہیں پکڑنے' لوٹنے والا کوئی نہیں..... غریب کی عمر بھر کی پونجی لٹ جائے تو وہ کس کا در کھٹکھٹا کر انصاف مانگے.....؟'' ثانیہ ملکی حالات وواقعات پہ گہری نظر رکھنے والی لڑکی تھی۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں پرس' بٹوے کی چوری عام بات تھی۔ منزہ نے انہیں یہی بتایا تھا کہ کسی نے رش میں پرس سے لفافہ نکال لیا۔

ثانیہ ذرا ادھر ادھر ہوئی تو اس نے ہاسپٹل کال ملائی مگر پھر وہی دل شکن جملہ سننے کو ملا کہ ڈاکٹر چودھری بخت چھٹی پہ ہیں..... کب تک لوٹیں گے معلوم نہیں۔

مسائل در مسائل تھے جو کم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ مزید کلاس لینے کا موڈ نا ہوا تو وہ پوائنٹ کے لیے بڑھنے لگی۔

''آپ ماورا ہیں؟'' وہ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں طے کر رہی تھی جب پیچھے سے آ کر ایک شخص نے اسے مخاطب کیا۔

''جی.....!'' ماورا یحییٰ نے حیرانگی سے اس شخص کو دیکھا' چہرے مہرے سے وہ شخص یونیورسٹی کا نہیں لگ رہا تھا۔

''میرے ساتھ آئیں..... چودھری صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے۔''

''چودھری صاحب.....! کون چودھری..... اور مجھے کیوں یاد کرنے لگے؟'' ماورا یحییٰ نے حیرت کے ساتھ خاصے رعب سے مقابل سے استفسار کیا۔

''ان کا وٹر اسپشلسٹ ایس ایس پی چودھری جہانگیر باہر آپ کے منتظر ہیں' ملنا چاہتے ہیں۔'' وہ سرکاری سپاہی تھا۔ سرکاری انداز میں بیان کر گیا تو ماورا یحییٰ کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

''مجھ سے ملنے کے منتظر ہیں لیکن کیوں.....؟ کیسے جانتے ہیں وہ مجھے.....؟'' جس شخص کو وہ اشتیاق سے گوگل پہ سرچ کر کے اس کے کارناموں سے متاثر ہوئی تھی' وہ اس سے ملاقات کے منتظر تھے.....؟

بے تحاشا سوالات اس کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

''کیا بات ہے چودھری جی..... کیوں اس قدر پریشان نظر آ رہے ہیں؟'' چودھری حشمت کے بلاوے پہ زمرد بیگم ان کے کمرے میں موجود تھیں۔ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ ایک ثانیے کو رکے پھر سابقہ انداز میں ہاتھ پیچھے کمر پہ باندھے ٹہلتے رہے..... خاموش بیٹھی زمرد بیگم نے کافی دیر انتظار کیا کہ وہ خود ہی اس بلاوے کا مدعا بیان کر دیں مگر جب وہ گہری سوچ میں غلطاں چہل قدمی کرتے رہے تو زمرد بیگم کو استفسار کرنا ہی پڑا..... ان کی آواز سن کر وہ یوں چونکے جیسے ان کی موجودگی فراموش کیے ٹہل رہے ہوں..... لمبی سانس لیتے وہ اپنی مخصوص کرسی کی طرف بڑھے تھے۔

''ہم عیشال کے حوالے سے بہت پریشان ہیں' زمرد بیگم۔'' کرسی سنبھال کر انہوں نے جب گفتگو کا آغاز کیا تو لہجہ پُرسوچ ہونے کے ساتھ پریشان کن بھی تھا۔

''ایسا کیا ہو گیا..... اب کیا کر دیا بچی نے؟'' زمرد بیگم..... ان کے خیال میں تو اب وہ پُرسکون تھی..... ہاں ابھی بھی سب لڑکیاں ہال میں بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں مگر وہ شاید اپنے کمرے میں تھی۔

''کچھ نہیں کیا اس نے..... لیکن ہم کچھ کرنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہتے اسے۔ شاہ سے نسبت طے کر کے ہم پُرسکون ہو گئے تھے' ہمیں لگا تھا اس سرکش لڑکی کو شاہ زر شمعون جیسا شخص ہی سدھار سکتا ہے لیکن.....'' چودھری بخت رکے' شاید اپنے فیصلے میں ترمیم پہ انہیں افسوس تھا۔ زمرد بیگم چپ ہی رہیں۔

''ادھر جہانگیر بھی خفا خفا سا ہے' اس رشتے کے ختم ہونے پہ گلہ کر رہا تھا..... ساتھ ہی زور دیا کہ جلد سے جلد عیشال کی شادی کر دی جائے۔'' پریشانی ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

''ہاں تو نیک کام میں دیر کیسی..... شاہ نا سہی' سمہان بھی تو حویلی کا بچہ ہے..... آپ اس کے اور عیشال کے بارے میں کیوں نہیں سوچ رہے؟ عیشال' سمہان سے چند برس چھوٹی ہے جب کہ اس کی اور شاہ کی عمروں میں کافی فرق ہے..... لیکن اب جب کہ شاہ نے خود ہی بہن کا عذر دے کر آپ سے فیصلے میں ترمیم کروالی تو افسوس کو چھوڑ کر آپ سمہان اور عیشال کی بات طے کر دیں۔'' زمرد بیگم کے دھیان دلانے پہ چودھری حشمت کئی ثانیے خاموش رہے پھر ان کا سر پوری شدت سے نفی میں ہلا۔

''نہیں..... سمہان اور عیشال کا جوڑ ہماری نظر میں مناسب نہیں..... عیشال بہت منہ زور ہے..... کئی بار تو ہم نے خود اسے سمہان سے بحث مباحثہ کرتے دیکھا ہے..... وہ سمہان پہ حاوی ہو جائے گی۔'' چودھری حشمت سختی سے انکاری ہوئے۔

''کزن اور شوہر میں فرق ہوتا ہے چودھری جی..... سمہان نرم مزاج رکھتا ہے..... جوشیلہ ضرور ہے لیکن افہام وتفہیم کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا..... گستاخی معاف..... حویلی کے تمام مردوں میں وہی سب سے زیادہ خود پہ قابو رکھ کر سارے معاملات کو دانائی سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ باقی سب حواس چھوڑ جاتے ہیں مگر وہ ہر مشکل صورت حال میں بھی چوکس نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں عیشال جیسی منتشر لڑکی کو سمہان اچھے سے سنبھال سکتا ہے.....'' زمرد بیگم کی دلیل پہ چودھری حشمت بھی ایک لمحے کو سوچ وبچار میں پڑ گئے۔

''ہاں..... بات تو آپ کی بھی اپنی جگہ سولہ آنے سچ ہے۔ اگر ہم عیشال کو موقع دے کر یہ عمل کر بھی دیں تو جہانگیر سخت ناراض ہوگا' اس کی شدید خواہش ہے ہم عیشال کو حویلی میں نا رکھیں..... وہ پہلے بھی ناگواری کا اظہار کر چکا ہے..... چاہتا ہے اسے دور بیاہیں۔'' پُرسوچ انداز میں انہوں نے چودھری جہانگیر کی خواہش بھی گوش گزار کر دی تو زمرد بیگم کا منہ بن گیا۔

''جہانگیر اور اس کی خواہشوں کو تو آپ رہنے دیں' خود تو کبھی حویلی میں رہنا گوارا نہیں کرتا اور ایک بن ماں باپ کی بچی کو بھی حویلی بدر کرنے کی اس نے خوب کہی..... جانے کب نفرت ختم ہوگی اس کی؟ بجائے اس کے بیٹی کے بیاہنے' پرائے ہونے سے پہلے وہ اسے اپنی محبت کا احساس دلائے' شہر میں بیٹھا باتیں بگھار رہا ہے..... ہے تو میری ہی کوکھ سے لیکن جانے اتنا خود غرض اور بے حس کیوں ہے.....؟'' زمرد بیگم' عیشال کے لیے حقیقتاً فکر مند تھیں۔

شریک سفر سے غور وخوض کے بعد چودھری حشمت جیسے کسی حتمی نتیجے پہ پہنچ گئے تھے۔

''یوں تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ عیشال کو حویلی سے باہر' غیروں میں بیاہا جائے کیونکہ اس لڑکی کی باغیانہ روش کی حویلی میں گنجائش نہیں..... یہ حویلی ایک اور باغی کو برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی لیکن آپ کی دلیل بھی خاصی معقول لگی ہے ہمیں..... کل کو وہ اجنبیوں کے گھر ہنگامہ کرے گی اور بات حویلی تک پہنچے گی تو ہم سے پہلے جہانگیر ہی اسے شوٹ کر دے گا..... سمہان کی خوبیوں کا عیشال کے مزاج سے موازنہ کر کے آپ نے ہمیں سوچنے پہ مجبور کر دیا ہے..... ہم سوچتے ہیں..... شاہ کے نکاح کے بعد ہم ندا کی رخصتی کریں گے اور شنائیہ کی تعلیم مکمل

ہوتے ہی شاہ اور ثنائیہ کی رخصتی..... تب تک عیشال کے رنگ ڈھنگ ٹھیک رہے تو ممکن ہے ہم شاہ اور سمہان کی شادی (عیشال کے ساتھ) ساتھ ہی کر دیں۔ لیکن اگر اس سے پہلے عیشال نے کچھ کیا تو پھر ہم جہانگیر کو بھی نہیں روک سکیں گے اور نا اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹیں گے.....'' زمرد بیگم نے سکون کا سانس لیا' ان کے لیے یہی خوشی کی بات تھی کہ چودھری حشمت نیم رضامند ہو گئے تھے۔ اب اللہ کرے عیشال کوئی ایسی ویسی حرکت نا کرے جس سے ان کا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔

''ایک بات اور زمرد بیگم' ہمیں خبر ہے' آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے..... آپ بھلے عیشال کو ڈھکے چھپے لفظوں میں حویلی میں سکون سے رہنے کا مشورہ دے دیں لیکن ہماری اور آپ کی گفتگو' آپ کے خیالات کا ایک حرف بھی کسی پہ ظاہر نا ہو..... خیال رکھیے گا۔'' اور زمرد بیگم جو واقعی یہی سوچ رہی تھیں کہ عیشال کو سمجھائیں گی چودھری حشمت کے پکڑ لینے پہ جز بز ہو کر خفت سے مسکرا دیں۔

''چودھری جی' آپ ہر بار یہ سب کہہ کر ہمیں پرایا ظاہر کر دیتے ہیں..... کیا ہم نہیں جانتے کہ آپ کی کون سی بات چھپانی ہے' کون سی عیاں کرنی ہے۔'' زمرد بیگم روٹھی ہوئیں تو چودھری حشمت مسکرا دیے تھے۔

❁.....❁.....❁

منزہ کو کسی کل چین نہیں تھا' ان کے کہنے پہ بیٹیاں گھر سے نکلیں تو نحیف ہاتھوں سے انہوں نے کارڈ پہ درج نمبر ملایا..... وہ نمبر جو انہوں نے کبھی نا ملانے کا سوچا تھا۔ اپنا سارا غصہ اس پہ نکال کر منزہ تھک سی گئی تھیں مگر ان کے اندازے کے مطابق وہ جھوٹا انسان صاف مکر گیا تھا کہ دس ہزار کے علاوہ اس نے پرس میں ہاتھ بھی نہیں ڈالا..... مگر منزہ اس انسان کے ساتھ سالوں رہ چکی تھیں اس کے سارے انداز انہیں آج بھی ازبر تھے۔ وہ اپنے وقت کا باکمال جیب کترا تھا اور ہاتھ میں اس قدر صفائی تھی کہ گود میں رکھے پرس سے مطلوبہ چیز نکالنا اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جانے وہ کیوں لاپروائی کر گئی تھیں۔ اس انسان کو بک جھک کے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا وہ معصوم بن کر قسمیں کھا رہا تھا' منزہ سے اور کچھ نا ہو سکا تو لعنت ملامت کے ساتھ بددعا دے کر انہوں نے کال ہی کاٹ دی۔ بعد میں اس کی کال آتی رہی' ایک نئی مصیبت کے پیچھے لگ جانے پہ پریشانی سے سوچتے انہوں نے فون ہی سوئچ آف کر دیا تھا۔

سوچ سوچ کے دماغ ماؤف ہو رہا تھا لیکن پیسوں کا بندوبست تو کرنا ہی تھا..... لے دے کے ایک شاہد صاحب ہی تھے' اس کے علاوہ تو کوئی ان کے پہچان کا نہیں تھا اور تب ہی وہ ہمت کر کے صائمہ کے دروازہ تک آ گئی تھیں۔ اتفاق سے شاہد صاحب بھی گھر پہ تھے۔ دونوں میاں بیوی نے خوشدلی سے خوش آمدید کہا' منزہ کی حالت دیکھ کر دونوں نے ہی طبیعت کا پوچھا اور احوال سناتے منزہ نے پیسوں کی چوری کا معاملہ گوش گزار کر دیا۔ دونوں ہی افسوس کا اظہار کرتے..... انہیں حوصلہ دینے لگے تھے۔

''جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا بھائی صاحب..... اس وقت تو آپ کے سامنے عرض لے کر آئی ہوں کہ ہو سکے تو مجھے پچاس ہزار ادھار دے دیں۔ انوشا کی شادی کے بعد میں ہر ماہ آپ کو تھوڑے تھوڑے پیسے دے کر قرض لوٹا دوں گی۔'' منزہ جیسی خوددار عورت کے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ وہ محض منہ بولے بھائی سے پیسوں کی التجا کر رہی تھیں۔ صائمہ جو ان کے دکھ میں خود کو شریک ظاہر کر رہی تھیں یہ مطالبہ سن کے ان کے تو لب ہی بھینچ گئے۔

شاہد صاحب کھاتے پیتے کاروباری آدمی تھے۔ چونکہ کاروباری ذہن رکھتے تھے تو انہیں واپسی کی فکر لگ گئی۔ منزہ ایک عرصہ سے بہن بنی ہوئی تھیں' ان کی طرف آس سے دیکھ رہی تھیں' ان کا دل پسیج گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ عندیہ دیتے' میاں کے تاثرات جاننے والی صائمہ نے جلدی سے لب کھولے۔

''ذرا اندر آیئے' ایک منٹ کے لیے..... آپا ایک ضروری کال کرنا یاد آ گئی..... آپ تب تک چائے پئیں۔''

صائمہ نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا اور تیز تیز قدموں سے اندر چلی گئی تھیں پیچھے پیچھے شاہد صاحب بھی۔

منزہ ناسمجھ نہیں تھیں..... ناموافق حالات نے انہیں زندگی کا دگنا سبق پڑھایا تھا لیکن پھر بھی خاموشی سے بیٹھی رہیں۔

''آپ کا دماغ چل گیا ہے؟ پچاس ہزار دینے کو تیار ہو گئے' سود و سو کر کے وہ قرض چکائیں گی' آئے گا آپ کے وارے؟ اور اس کا بھی کوئی بھروسہ نہیں کہ قرض لوٹائیں گی بھی..... نا کوئی آگے نا پیچھے' کیسے اتنی بڑی رقم بطور قرض دے دیں۔'' ان کے شک کو یقین کی سند مل گئی تھی' صحن سے ذرا دور ہی کمرے تھے اور صائمہ کی آواز اتنی دھیمی ہرگز نہیں تھی کہ وہ سن نا سکیں..... اندر صائمہ' شاہد صاحب کی کلاس لے رہی تھیں۔

''مجبور عورت ہے..... سر پہ شادی ہے۔'' شاہد صاحب منمنائے۔

''دنیا مجبور عورتوں سے بھری پڑی ہے..... تو کیا اب آپ قرض دو مہم شروع کر دیں گے' سب کے لیے؟ ہزار دو ہزار کی بات ہوتی تو میں منع بھی نا کرتی لیکن پچاس ہزار کون سی معمولی رقم ہے جو یوں اجنبیوں پہ لٹاتے پھریں ہم۔ بے حد پکی عورت ہے' منہ سے شوہر' میکے' سسرال کی بھاپ تک نہیں نکالتی' مجھے تو ان عورتوں کی باتیں رہ رہ کر یاد آتی ہیں کہ جانے شوہر ہے بھی یا جان بوجھ کے مار رکھا ہے' پچاس ہزار چوری کی داستان بھی مجھے جھوٹی لگ رہی ہے۔ خود ہی کسی کو دے آئی ہوں گی۔'' اور اس سے آگے سننے کی منزہ میں ہمت تھی نا سکت۔

''آہستہ بولو..... وہ سن لیں گی۔'' شاہد صاحب کی دبی زبان میں سرزنش سنائی دی۔

''جا کے بہانہ بنا دیں کوئی۔'' صائمہ نے پٹی پڑھائی' تو شاہد صاحب سر ہلاتے صحن کی طرف آئے..... صائمہ بھی پیچھے پیچھے آئیں تاکہ سہولت سے انکار کر دیں لیکن منزہ کو منظر سے غائب دیکھ کر دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

ہزاروں خدشے اور سوالات ذہن میں لیے سول ڈریس میں ملبوس بندے کی ہمراہی میں نپے تلے قدم اٹھاتی ماورا یحییٰ خارجی راستے سے کافی قریب چلی آئی تھی تب ہی دور سے اسے پراڈو کے باہر چودھری جہانگیر اور سول ڈریس میں موجود ان کے کچھ سپاہی نظر آئے جنہیں دیکھتے ہی ماورا نے جلدی سے چادر کا نقاب اچھی طرح کر لیا' چودھری جہانگیر ایک پیر ٹائر کے اوپر رکھے لائٹر سے سگریٹ سلگانے میں مگن تھے لیکن قدموں کی چاپ پہ سگریٹ سلگاتے نظر ضرور اٹھائی تھی۔

''سر مس ماورا.....!'' سپاہی قریب آ کر گویا ہوا..... تصویر میں موجود اپنے بابا سے مکمل مشابہ رکھنے والے شخص کے روبرو کھڑے رہنا اس کے لیے اچھنبے سے کم نہیں تھا..... وہ ان کا ایک ایک نقش جانچ رہی تھی۔ تصویر اور مقابل کھڑے شخص میں کوئی فرق نہیں تھا۔

تعارف کرانے پہ چودھری جہانگیر بھی بے طرح چونکے ان کے بیٹے کو ناکوں چنے چبوانے والی یہ چادر میں لپٹی لڑکی تھی..... وہ تو کسی امیر ماڈ پراؤڈ ماورا کا امیج لیے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ کر کے سپاہی کو اس کی تلاش میں بھیج کر منتظر تھے اور سامنے آئی تھی چادر میں لپٹی لپٹائی غربت کی ماری لڑکی..... جس کا پہناوا ہی اس کی کلاس کا ڈھونڈرا پیٹ رہا تھا اور ان جیسا زیرک انسان ایک نظر میں اسے تول گیا تھا۔

''تو تم ہو ماورا؟'' گمبھیر لہجے میں استفسار کیا تو ماورا ایکی جو انہیں انہماک سے دیکھنے میں مصروف تھی چونک گئی۔

''جی.....''

''سنا ہے بہت اچھی ہو پڑھائی میں..... ٹاپ کرتی ہو؟'' سگریٹ کا کش لگاتے انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو گاڑی سے دور ہونے کا اشارہ کیا۔

چودھری جہانگیر اس کی آنکھوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ان کے استفسار پہ ماورا ایکی کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا تھا' آیا وہ سراہ رہے تھے یا تفتیش کر رہے تھے۔

''آئندہ سے تم کوئی پوزیشن نہیں لوگی..... تمہیں پڑھنے کا' ٹاپ کرنے کا شوق ہے تو بیرون ملک' تمہارے تعلیمی اخراجات اٹھانے کو میں تیار ہوں..... جاؤ' باہر جا کر پڑھو..... نام کماؤ..... لیکن یہاں رہ کر تم پوزیشن لے کر میرے بیٹے کو نیچا دکھا کر ڈسٹرب کرنا چاہو گی تو ایسا میرے ہوتے تو ممکن نہیں.....'' ماورا ایکی ان کی پیش کش کو تحیر سے سن رہی تھی۔ ناجان نا پہچان..... وہ تو شاید اس سے پہلی بار مل رہے تھے اور اتنی بڑی آفر..... ان کی بات مکمل ہوئی تو وہ چونکی۔

''بیٹا.....؟''

''ایشان جاہ.....'' وہ شاید اس کی آنکھوں میں درج سوال پڑھ گئے تھے۔ وہ یک دم چونکی' چہرے کے گرد کیے نقاب پہ انگلیاں مزید سخت ہو گئیں..... ذہن میں کوندا سا لپکا' اسے گوگل پہ جس تصویر نے چونکایا تھا اس کا سرا اب جا کے ملا تھا..... وہ ایشان جاہ کی تصویر تھی۔

سامنے کھڑا شخص ہو بہو اس کے باپ کی کاپی تھا لیکن وہ خود کو ایشان جاہ کا باپ بتا رہا تھا۔ گویا وہ اپنے بیٹے کی راہ کا کانٹا دور کرنے کے لیے اس سے ملنے آئے تھے۔ اس ملاقات کا مفہوم سمجھتے ہی ماورا ایکی کی تیوری پہ بل پڑنے لگے..... ان کی شخصیت کا بھرم اپنی جگہ مگر ان کی باتیں سن کر اسے بلا کا غصہ آیا تھا۔

''سر..... سب سے پہلے تو آپ کی آفر کے لیے شکریہ..... میری ادنیٰ سی رائے تو یہی ہے کہ یہ آفر آپ اپنے بیٹے کو دیں..... وہ بیرون ملک جا کے ڈگری لے تاکہ آپ کے نام کی واہ واہ ہو..... اور آپ کو مجھ جیسی لڑکی سے ڈیل کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ میں یہیں ٹھیک ہوں..... پھر بھی آپ کے بیٹے کو مجھ سے تکلیف ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے..... میں نے اسے ٹارگٹ کبھی نہیں کیا..... ہار اور جیت کا مزا مقابلے میں آتا ہے اگر آپ یا آپ کا بیٹا بنا مقابلہ کیے جیتنا چاہتے ہیں تو اعلا ڈگری خرید کر دی دیں..... یہ جیت تو ہار سے بھی بدتر ہو گی جسے ذہانت نہیں طاقت سے اپنے نام کیا گیا ہو..... اگر آپ اپنے بیٹے کے لیے ایسی بدترین جیت کے خواہاں ہیں تو ٹھیک ہے' پیسہ پاور دونوں آپ کے پاس ہے..... اپنی سی کوشش کر لیں..... لیکن معذرت چاہتی ہوں..... آپ

کے مقابل تو کچھ بھی نہیں ہوں..... لیکن پیٹھ دکھا کر بزدلوں کی طرح بھاگنا میری سرشت میں بھی نہیں....."
چودھری جہانگیر جنہیں لگا تھا ان کے رعب اور دبدبے کو دیکھ کر لڑکی گھگھیا جائے گی لیکن خلاف توقع وہ جی داری کا مظاہرہ کر کے ان کے ماتھے پہ لکیروں میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔
"یعنی تم میرے بیٹے کو چیلنج کر رہی ہو؟" لہجہ خشک ہوا۔
"جی سر..... یہ مقابلہ بازی میں نے شروع نہیں کی لیکن اگر یہ آپ لوگوں کی انا کا مسئلہ بن گیا ہے تو پھر دیکھ لیں..... میں ویسا ہی پڑھوں گی جیسا پڑھتی آ رہی ہوں میں آگے بڑھ گئی تو خوش قسمتی سمجھوں گی اپنی اور آپ کا بیٹا جیت گیا تو بجائے شور کے کھلے دل سے اپنی ہار اور اس کی ذہانت تسلیم کروں گی..... جس کی آپ کے بیٹے میں کمی ہے۔" اپنی بات پورے وثوق سے کہہ کر وہ چند ثانیے رک کر ان کے بولنے کی منتظر رہی لیکن جب وہ یونہی غصے سے آنکھوں سے دیکھتے رہے تو ایک لمحے کو ماورا یحییٰ کے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی..... ساری بہادری' جی داری بھاگنے لگی تھی مگر جلد ہی وہ خود کو ان کے سحر سے نکال گئی۔
"چلو تمہارا چیلنج منظور ہے لیکن میری بھی شرط ہے تم ہاریں تو یونیورسٹی چھوڑ دو گی..... آیا تو تمہیں راہ سے ہٹانے کے خیال سے تھا لیکن میرا بیٹا بزدل ثابت ہو یہ بھی مجھے گوارا نہیں۔"
"منظور ہے۔" چند ثانیے کی بھی دیر کیے بنا وہ قبول کر گئی تھی اور پھر ان کے آگے سے نکل گئی۔
چودھری جہانگیر اس کی جی داری پہ اس کی پشت کو تکتے رہ گئے لیکن وہ زیادہ دیر سوچ نا سکے۔ صہبا کی کال آنے لگی وہ سب ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے اور ان کے منتظر تھے۔
"بس میں ایئرپورٹ کے لیے ہی نکل رہا ہوں۔" مختصر بات کرتے انہوں نے سپاہیوں کو گاڑی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔
"مجھے اس لڑکی کی ساری ڈیٹیل چاہیے کون ہے' کہاں رہتی ہے' کس کی سپورٹ حاصل ہے؟ سب کچھ....."
ان کے حکم پہ سپاہی سر ہلا گیا۔
چودھری جہانگیر کو اس کے انداز پہ بے حد حیرانی ہو رہی تھی جن کے قدموں کی چاپ سے ایک زمانہ سہم جاتا ہے ان کے سامنے وہ ان کے بیٹے کو چیلنج کر گئی تھی۔ جی داری کا مظاہرہ کر گئی تھی اور انہوں نے خاموشی سے سب برداشت کر لیا تھا..... ایسا کیا تھا اس لڑکی میں.....؟
"یا آنکھیں.....؟" وہ چونک گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

"اف..... شوق کا بڑا بھاری مول چکانا پڑتا ہے۔" دونوں ہاتھوں میں لگی مہندی کو دیکھتے جھنجلا کر اس نے للچائی نظروں سے سامنے پلیٹ میں موجود سینڈوچز اور گرم بھاپ اڑاتی چائے کو دیکھا..... چونکہ کل نکاح کی تقریب تھی سب ہی تیاری میں مگن تھیں تو وہ بھی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر اپنے ہاتھوں پہ مہندی لگانے لگی تھی۔ اس دوران غضب کی بھوک لگنے لگی تو وہ کچن میں چلی آئی۔ جیا نے اس کی فرمائش پہ سینڈوچ اور چائے میز پہ رکھ دیے اور کام سے باہر چلی گئی تو سینڈوچز کی طرف ہاتھ بڑھاتے اس کے ہاتھ بے ساختہ رک گئے۔
"حد ہے....." سینڈوچز کے ٹکڑے کرنے کی نیت سے چھری اٹھانے کی کوشش میں ڈیزائن خراب ہونے لگا تو

اس نے چھری ہی رکھ دی۔

''نعمت سامنے موجود ہے' پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اور میں کھانے سے محروم ہوں.....اف.....!'' خود کلامی کرتی وہ دعا گو تھی کہ جیا ہی آ کر اس کی تھوڑی مدد کر دے..... مدد کی دعا تو قبول ہوئی مگر جیا کی جگہ سمہان آفندی کو دیکھ کر وہ خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے لگی۔

''سینڈوچز سامنے پڑے ہیں اور تم ان پہ ریسرچ کر رہی ہو اگر کھانے کا موڈ نہیں ہے تو میرے نام کر دو' مجھے بھوک ہی یہاں کھینچ لائی ہے۔'' سامنے موجود چیزوں اور عیشال جہانگیر کو ہاتھ نیچے کیے بیٹھے دیکھ کر اس نے تحیر کا اظہار کیا۔

''خبردار جو میری چیزوں پہ نظر بھی لگائی تو.....'' وہ جلدی سے مہندی لگے ہاتھوں کے گھیرے میں پلیٹ اور مگ کو پرے کر گئی مبادا وہ ہاتھ نا مار دے۔

''اوہ.....'' سمہان آفندی مہندی سے رچے ہاتھوں کو دیکھ کے لب سکیڑ گیا۔ ہاتھ دھرے بیٹھنے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔

''ہر وقت پنجے مارنے والے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' آج اوہو.....!'' وہ محظوظ ہوا۔

''جاؤ یہاں سے' دل مت جلاؤ' پہلے ہی بھوک سے دماغ خواب ہو رہا ہے۔'' اس کا مذاق اڑاتا لہجہ ایک آنکھ نہیں بھایا۔

''تم جیسی چھوٹے دل والی سے تو توقع نہیں کہ سینڈوچز آفر کرو گی لیکن خاکسار کے لائق کوئی خدمت ہے تو بولو.....شاید مشکل آسان ہو جائے۔'' اس کی معصوم صورت دیکھ کے جیسے ترس آتا تھا۔

''بہت شکریہ..... مجھے آپ کے ہاتھ سے کھانے کا کوئی شوق نہیں۔'' وہ منہ پھلا گئی۔

''یہ کس نے کہا میں نوالے بنا کر کھلاؤں گا..... بڑی خوش فہمی ہے۔'' وہ بے ساختہ ہنسا۔

''گیٹ لاسٹ!'' وہ اس کی ہنسی پہ بری طرح جل گئی تو وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ چھری اٹھا کر اس کی پلیٹ میں موجود سینڈوچز کے ٹکڑے کر کے ہر ٹکڑے پہ ٹوتھ پک لگا کر پلیٹ اس کی طرف کھسکاتے اسٹرا نکال کر اس کے مگ میں ڈال گیا تو وہ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔ میز پہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں مگر اس کا دھیان ہی ان پہ نہیں گیا کہ انہیں اس طرح بھی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

''اب کیا کھلا بھی دوں.....؟'' وہ اس کی حیرانی پہ چڑانے لگا۔

''تھینکس۔''

''انجینئرنگ کی ڈگری کا بڑا عملی مظاہرہ کیا ہے' تھینکس۔'' پیٹ میں کچھ گیا تو لامحالہ تعریف نکل گئی..... وہ بھرپور طریقے سے مسکرا دیا۔

''نظر لگانے سے اچھا ہے کھا لو۔'' احسان کرتے پلیٹ کی سمت اشارہ کیا۔

''ناجی آپ کھائیں لگ رہا ہے' عرصہ سے فاقہ زدہ جو ہیں۔ مہندی کے خشک ہونے تک تم نے اوپر ہی چلے جانا تھا۔'' اس نے مذاق اڑایا۔

صغراں بی کچن میں آ گئی تھیں' وہ اپنی فرمائش کر کے وہیں بیٹھ گیا..... جب تک صغراں بی اس کے لیے کچھ تیار

کرتیں عیشال کھا پی کے فارغ ہو کر کچن سے نکل گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

اک انگلی پہ نچاتے تھے زمانے بھر کو
ہم بھی کسی دور میں فنکار ہوا کرتے تھے

زندگی انہیں اس مقام پہ لے آئے گی کہ قدم قدم پہ تذلیل سہنا پڑے گی اگر جو ذرا گماں ہوتا تو وہ کبھی ایسی نادانی نہیں کرتیں لیکن یہ احساس بھی اب ہو رہا تھا جب وہ وقت کے زیر عتاب آ گئی تھیں..... دور حکومت میں انگلیوں پہ سب کو نچاتے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی وقت کی گردش کا شکار ہو سکتی ہیں۔

''کیا ہوا اماں..... طبیعت زیادہ خراب ہے؟'' ماورا یکی یونیورسٹی سے لوٹی تو انہیں بے سدھ دیکھ کر پاس بیٹھ گئی۔

''میں ٹھیک ہوں..... تم کیا روز روز کلاس چھوڑ کر گھر آ جاتی ہو۔'' اٹھ کر دروازہ کھولنے اور واپس آ کر لیٹنے تک منزہ کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں..... ماورا کو بے وقت آتے دیکھ کر انہوں نے غصہ کیا۔

''مجھ سے نہیں ہو رہی پڑھائی..... ہر گھڑی آپ کی طرف دھیان رہتا ہے۔'' وہ لاچاری سے مسئلہ بتا گئی اور یہ سچ ہی تھا ان کے اکیلے پن کا احساس اسے یونیورسٹی میں بے چین رکھتا تھا۔

''میں نے ساری زندگی تمہارے ساتھ نہیں رہنا' عادت ڈال لو۔'' منزہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئیں..... اس تلخی میں بچھڑنے کا درد تھا تو جوان بیٹیوں کو بے آسرا چھوڑ دینے کا غم انہیں کھوکھلا کر رہا تھا۔

''آپ کو کچھ نہیں ہوگا' ڈاکٹر بخت کے آتے ہی میں آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گی..... ان شاء اللہ کوئی بہتری نکل آئے گی۔'' ماورا پُر امید تھی جب کہ منزہ کا منہ بن گیا تھا۔

''دفع کرو اس بات کو..... ابھی تو بس شادی کی ٹینشن ہے ہم کہاں سے کریں گے سب کچھ۔'' منزہ ناگواری سے ٹوک کر پھر سے پریشان ہوئیں۔

ایک شاہد صاحب کا ہی آسرا تھا مگر صائمہ نے جس طرح کی باتیں کی تھیں اس پہ اب وہ ان کا سامنا بھی کرتیں تو جانے شرمندگی کیسے چھپاتیں..... بھولے سے بھی بیٹیوں کے آگے تذکرہ کر کے ان کا دل خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن کوئی حل نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

''انوشا کی شادی ہوگی اور ان شاء اللہ بہت اچھی ہوگی..... جو پیسے گئے وہ انوشا کا صدقہ سمجھ کر بھول جایئے۔'' وہ مطمئن تھی۔

''کیسے ہو جائے گا سب کچھ..... کیا زمین سے سونا نکلے گا۔'' منزہ کو اختلاف ہوا۔

''آپ کے پاس دو سیٹ ہیں' انوشا کو ایک دے کر میرا والا بیچ دیں' ان پیسوں سے ہم اچھے سے شادی کر لیں گے انوشا کی۔''

''ایک بیٹی کا حق مار کر' میں دوسری پہ سب لٹا دوں' کبھی نہیں۔'' منزہ کو یہ تجویز ذرا نا بھائی تو سختی سے انکاری ہوئیں۔

''جب میں خود آپ سے کہہ رہی ہوں تو حق مارنے والی بات کہاں سے آ گئی اور مجھے ویسے بھی سونے کے

زیورات پہننے کا بالکل شوق نہیں..... آپ چلیے گا میرے ساتھ ہم بچ آئیں گے..... اب آرام کریں..... میں آپ کے اور اپنے لیے کھانا نکالتی ہوں..... شاید تب تک انوشا بھی آجائے۔'' وہ لاپروائی سے کہتی اٹھ گئی۔ کھانے کے بعد منزہ کو دوا بھی دینی تھی وہ اسی خیال سے اٹھی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا' جو تم پلان کیے بیٹھی ہو۔'' منزہ نے پیچھے سے آواز لگائی لیکن آواز کی کمزوری پہ ان کی آواز بھرا گئی تھی..... آنسو چھلکنے لگے تھے' ایک بیٹی' عورت ہونے کی لاج انہوں نے نہیں رکھی تھی اور رب العزت نے دو بیٹیاں دے کر انہیں احساس دلایا تھا کہ بیٹی کی ماں ہونا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

❁.....❁.....❁

چودھری جہانگیر اور ان کی فیملی کی آمد کا شور سننے کے ساتھ اس نے حویلی میں غیر معمولی چہل پہل بھی محسوس کی تھی مگر ان سب کے باوجود وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ ان کی فیملی کی آمد کا سن کر اسے آگ لگ گئی تھی۔ اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ یہاں وہ تن تنہا جھلس رہی تھی' حویلی کی اونچی اونچی دیواروں سے سر پٹخ رہی تھی اور وہ شہر میں زندگی کی رونقیں سمیٹ رہے تھے۔

سوکن کا دکھ تو صائقہ کو چودھری جہانگیر کے نکاح میں آنے کے چند ماہ بعد ہی مل گیا تھا' اسے محروم رکھ کر جب چودھری جہانگیر صبہا کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کر چکے تھے صائقہ نے تب بھی اف نہیں کی تھی۔ سالوں' انہیں بیوی کا درجہ نا دینے والے چودھری جہانگیر جب ایشان جاہ کے والد کہلانے لگے تو صائقہ کو اپنے اندر سے دھواں اٹھتا محسوس ہونے لگا..... وہ ان کی بیوی تھیں مگر چودھری جہانگیر تو انہیں نظر بھر کے دیکھنا بھی گناہ سمجھتے تھے..... ان کا حکم تھا' ان کے حویلی آتے ہی وہ حویلی کے کسی کونے میں پناہ ڈھونڈ لیں تاکہ انہیں صائقہ کی منحوس شکل بھی نا دیکھنا پڑے۔

صائقہ کا یہ سارا درد کرب دیکھنے کو تب عیشال جہانگیر موجود نہیں تھی لیکن جب کبھی سوچتی تھی تو اپنی مرحومہ ماں کا سارا درد اپنی رگوں میں دوڑتا محسوس ہوتا تھا۔ اس کا کرب آنکھوں سے بہنے لگتا تھا۔ چودھری جہانگیر کی بے حسی' خودغرضی نے اس کے اندر اس قدر زہر بھر رکھا تھا۔

ان سب کا سامنا کر کے وہ کبھی خوش نہیں ہوتی تھی..... عیشال سب کی آمد کا سن کر کمرا نشین ہوگئی لیکن کمرے سے نکلنا ہی پڑا' وہ ان کے لیے کب تک قیدی رہ سکتی تھی۔

کل کے سوٹ کا دوپٹا اس نے فائزہ کو پیکو کروانے کے لیے دیا ہوا تھا اور اب انہی کی تلاش اسے کمرے سے باہر نکلنے پہ مجبور کر گئی تھی۔ شومئی قسمت کہ فائزہ اسے ہال میں ہی مل گئیں..... جہانگیر اور ان کی فیملی کو دیکھ کر اس نے فوراً قدم موڑنا چاہے لیکن صبہا کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔

''ارے عیشال آؤ بیٹا.....'' سامنے صبہا ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے صوفے پہ براجمان تھیں..... وہ خاص خوب صورت نہیں تھیں مگر انہوں نے خود کو بڑا سنبھال کر رکھا ہوا تھا..... دو جوان بچوں کی ماں لگتی ہی نہیں تھیں۔

ایشان جاہ اور نرمین اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ نرمین کے انداز میں کسی قدر نخوت آگئی تھی' ایشان جاہ کا انداز کسی قدر بہتر تھا..... وہ خود سے چھوٹی عیشال کے لیے سگی بہن نرمین جیسے ہی جذبات رکھتا تھا' یہ الگ بات کہ نا کبھی اس نے بڑے بھائی جیسا مان دکھایا نا کبھی عیشال نے اسے سگے بھائی جیسی اہمیت دی۔

عیشال جہانگیر کی نگاہ سب پر سے ہوتی چودھری جہانگیر پر آ کر رک گئی تھی۔ اپنی فیملی کے درمیان ان کے چہرے پہ اس گھڑی اتنا نرم تاثر تھا کہ عیشال جہانگیر کی روح تک جھلس گئی تھی۔

''تائی جان میرے دوپٹے کی پیکو کروادی تھی.....؟'' ان سب کو مکمل نظر انداز کر کے وہ فائزہ سے مخاطب ہوئی' جو اس گھڑی ان کے درمیان اکیلی تھیں۔

''میرے روم میں ہے' میں بھجواتی ہوں کسی کے ہاتھ۔'' فائزہ نے سلام کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ان کا اشارہ سمجھتے ہوئے بھی وہ انجان بن کر پلٹ کے جانے لگی۔

''ایسی بھی کیا بے رخی عیشال..... ہم اتنی دور سے آئے ہیں دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔'' صہبا نے لہجے میں لگاوٹ سمو کے کہا..... ایسا وہ صرف چودھری جہانگیر کو متاثر کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ عیشال ان کی بناوٹی محبت کو بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی' تب چھ سالہ عیشال محبت و نفرت کی تعریف نا سمجھنے والی بھی ان کے انداز پہ سہم کر شاکی ہو جاتی تھی۔

''معاف کیجیے گا' آپ کے ہم دو' ہمارے دو کے فوٹو فریم میں' میری کہیں جگہ نہیں نکلتی..... اللہ حافظ۔'' تلخی سے کہتی ان کی خوشحال فیملی پہ ایک نگاہ ڈال کر وہ چلی گئی۔

''ہاؤ روڈ.....'' نرمین نے ناک چڑھائی۔

''کتنی بدتمیز ہے یہ لڑکی..... کیسے جواب دینے لگی ہے' میری اولاد ہوتی تو بتاتی ابھی..... پوری ماں پہ گئی ہے' جانے کیسی تربیت ہوئی ہے اس کی۔'' صہبا اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں' تربیت کا سن کر فائزہ اپنی جگہ چور سی بن گئیں جبکہ ماں کے ذکر پہ چودھری جہانگیر کی رگیں تن گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

''کون سی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے' جو میں یہاں پھنس گئی ہوں' شنائیہ چودھری نے گیلے بالوں کی لٹوں کو ناک کے قریب کیا اور بالوں سے آتی بو پہ برا سا منہ بنا کر بالوں کو ڈرائر سے ڈرائے کرنے لگی۔ کئی بار شمپو کر کے دیکھ لیا تھا کنڈیشنر مل کے سونگھ لیا مگر جانے کون سا تیل تھا جس کی بو جاکے نہیں دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے نائمہ کی کال آئی تھی اور اس کا نکاح شاہ زر شمعون سے سن کر وہ بھی اچھل پڑی تھی۔ اسے خوش نصیب اور جانے کیا کیا گردان رہی تھی..... اور اس نے جل کے فون ہی بند کر دیا تھا۔ ساری دنیا اس نکاح پہ خوش تھی' سوائے اس کے۔

شاہ زر شمعون نے چیلنج کر دیا تھا مگر وہ چاہ کر بھی اسے نیچا نہیں دکھا پا رہی تھی۔ انکار کے تمام حربے آزما کے دیکھ لیے تھے اور الٹا دیا کے ہاتھوں ہر بار ذلیل ہی ہوئی تھی۔ ابھی وہ ٹھیک سے سکون کا سانس بھی نا لے پائی تھی کہ پیغام آ گیا کہ ہال میں سب بلا رہے ہیں۔ پیغام سن کر اسے کوفت ہوئی لیکن حکم حاکم مرگ تھا سو بجالانا فرض تھا۔

ہال میں پہنچی تو ہر کوئی ڈینٹ پینٹ میں مصروف تھا۔ لڑکیاں ہاتھوں' پیروں میں پیچ لگائے بیٹھی تھیں تو کوئی فنیش کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے کا منہ رگڑ رہی تھیں..... کچھ مہندی سے بیل بوٹے ہتھیلیوں پہ بنا رہی تھیں' خالصتاً عورتوں کی محفل تھی۔

''لو آ گئی شنائیہ۔'' کسی نے دیکھتے ہی ہانک لگائی۔

جانے کس نے پکڑ کے اپنے پاس بٹھا لیا اور سب گول دائرے میں بیٹھ کر اس کے ابٹن ملنا شروع ہو گئیں۔ وہ

احتجاج کرتی رہ گئی۔

''شنائیہ..... مایونیز، انڈے اور دہی کا آمیزہ خصوصاً تمہارے لیے بنا کر لائی ہوں بی جان کی ہدایت پہ..... اب جلدی سے اچھے بچوں کی طرح لگالو..... بال مضبوط اور چمکدار ہو جائیں گے۔'' باؤل ہاتھ میں لیے فریال اس کے سر کے پیچھے کھڑی تھیں۔

''قدرتی نعمتوں کی اتنی بے قدری..... کھانے کے بجائے انہیں نالیوں میں بہادوں.....'' انڈوں کی بو کو سوچتے کراہیت آنے لگی..... وہ سوچ کے رہ گئی دونوں پیر آگے کیے دائیں بائیں ہاتھ پھیلائے وہ پہلے ہی قابل رحم حالت میں ابٹن لگوا رہی تھی اس پہ مستزاد فریال سر پہ آ کھڑی ہوئی۔ جب تک یہ ٹارچر جاری رہا اس نے آنکھیں حتی الامکاں بند ہی رکھیں۔

''کمال ہے..... نکاح سے انکاری لوگ بڑے آرام سے سروسز لے رہے ہیں۔'' تراشیدہ ناخن کو ابٹن سے زرد ہوتا دیکھ کر وہ پہلے ہی صدمے میں تھی..... اوپر سے چنبیلی کے تیل کی مہک دماغ پہ چڑھ رہی تھی جسے ابٹن میں ملایا گیا تھا۔ وہ جلد سے جلد پھر سے شاور لینے جا رہی تھی..... جب اس کے بالوں پہ لگے آمیزے اور ہاتھوں پیروں کی زرد رنگت دیکھ کر شاہ زر شمعون شانے اچکا کر چوٹ کر گیا۔

''زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں..... میں ہاری نہیں ہوں..... اگر میں چپ ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرینڈر کر دیا..... یا نکاح کے لیے بخوشی راضی ہوں۔ آپ سے کوئی بھی رشتہ جوڑنے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوں گی..... بھلے نکاح نہیں رکوا پا رہی لیکن آپ کو اتنا زچ کر دوں گی کہ آپ کو اپنی یہ ضد آگے چل کے خود ہی حماقت لگے گی..... ابھی نظر آنے والی جیت کو خود ہار سمجھتے اپنے بال نوچنے لگیں گے۔'' وہ اپنے عزائم سے آگاہ کر رہی تھی جنہیں سن کر شاہ زر شمعون کے چہرے پہ حیرت پھیل گئی۔

''اوہ..... اتنی خطرناک پلاننگ؟ بڑی دور اندیش نکلیں آپ تو۔'' وہ سراہ رہا تھا اور اس کے لفظوں میں استہزائیہ رنگ محسوس کر کے وہ لب بھینچ گئی..... وہ دو قدم آگے آیا۔

''محترمہ..... پہلے تو میں آپ کی خوش فہمی کم غلط فہمی دور کر دوں کہ آپ جو ابھی کچھ نہیں کر پا رہیں تو نکاح کے بعد تو میرا حق ہوگا آپ پر..... تب کون سا تیر مار لیں گی..... ہم بھی دیکھیں گے۔ ویسے اطلاع کے لیے عرض ہے مجھے اڑیل گھوڑے اور گھوڑیوں کو سدھانا بہت اچھے طریقے سے آتا ہے۔'' سراسر مذاق اڑانے والے لہجے میں وہ قدرے اس کی طرف جھک کر بولا۔

''جا کے آئینے میں اپنی شکل اور حلیہ اچھی طرح دیکھ لیں..... آپ پہ حویلی کا رنگ بڑی اچھی طرح چڑھ گیا ہے۔'' زرد ہاتھ پاؤں گردن، گھریلو ٹوٹکوں کا آمیزہ لگا کر اونچا باندھا گیا جوڑا..... اس وقت وہ آئینہ دیکھتی تو شاید خود کو بھی پہچان نا پاتی..... وہ درست کہہ رہا تھا' مگر وہ نخوت سے ہونہہ کر کے گزر گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

''ان کاؤنٹر اسپشلسٹ چودھری جہانگیر..... ایشان جاہ کے والد ہیں..... آئی کانٹ بلیو دس.....'' کچن میں برتن سمیٹتی ماورا یکبارگی دھیمی آواز میں انوشا کو آج کی روداد سنا گئی تھی۔ اس کی کوئی بیسٹ فرینڈ نہیں تھی..... ایک انوشا ہی تھی جس سے وہ ہر بات کر لیتی تھی۔

''یقین کرو..... تم سے زیادہ شاک مجھے لگا..... مرنے والی حالت ہورہی تھی..... چودھری جہانگیر اپنے پورے قافلے کے ساتھ مجھ سے ملنے' دوسرے معنوں میں اپنے بیٹے کی ڈیل کے لیے مجھے دھمکانے آئے تھے۔ دور سے انہیں اور ان کے خوفناک چہرے والے سپاہی کو دیکھ کر میں حجاب کرگئی..... اگر جو چہرہ دیکھ لیتے تو جان جاتے کہ میرے چہرے کا رنگ کس قدر اڑا ہوا تھا۔'' صبح کی کیفیات یاد کرکے وہ جھرجھری لینے لگی۔

''اندر سے اتنی ڈری ہوئی تھی پھر بھی اتنا لمبا چوڑا لیکچر دے آئی انہیں۔'' انوشا نے چڑایا۔

''ڈر اس وقت تک لگا جب تک ان کی آمد کا مقصد پتا نہیں تھا۔ لیکن انہیں ایشان جاہ کی طرف داری کرتے دیکھ کر پہلے حیرانی' پھر دکھ اور آخر میں غصہ آ گیا۔ کس قدر خوش قسمت ہے یہ ایشان جاہ۔''

''دکھ کس بات پر ہوا.....؟'' انوشا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''بابا کا ہم شکل جب دشمن اول کے لیے بولے تو خوشی کیسے ہو..... دکھ ہی ہونا ہے ناں۔'' وہ افسردگی سے گویا تھی..... انوشا سر ہلانے لگی۔

''کہہ تو تم ٹھیک ہی رہی ہو..... لیکن اب.....؟ کیا سوچا ہے..... جو سچ کہوں تو مجھے تمہارے لیے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ تم سبجیکٹ چینج کرلو..... کچھ بھی کرکے اس ایشان جاہ نامی مخلوق سے پیچھا چھڑالو..... مبادا کل کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے..... پہلے تو صرف وہی مقابل تھا اب تو اس کے ہائی پروفائل والے والد محترم بھی کود پڑے ہیں..... ہم کمزور عورتیں ان جیسوں کا کیا بگاڑ لیں گی.....؟'' انوشا متفکر ہوئی..... ایک لمحے کو ماورا یحییٰ بھی چپ رہ گئی..... کرنے کو تو وہ انہیں چیلنج کرآئی تھی لیکن انوشا کو لاحق خدشے اس کے اندر بھی سر اٹھانے لگے تھے..... ایشان جاہ کے غرور' گھمنڈ کی تو وہ خود امین تھی اور اب اس کی مضبوط بیک کو دیکھ کر اسے بھی کوئی غلط فہمی نا رہی تھی۔

کسی کام سے کچن کو آتی منزہ ساکت ہوکر دیوار سے جا لگی تھیں..... زمین و آسمان نگاہوں میں گھوم گئے تھے۔

چودھری جہانگیر کا بیٹا..... ایشان جاہ..... ماورا کا کلاس فیلو؟ چودھری جہانگیر نے اپنے بیٹے کے لیے دھمکی دی..... وہی لڑکا جو رزلٹ پہ ماورا سے الجھا تھا..... منزہ کو سب یاد آ گیا اور اب کہانی کا لب لباب سن کر ان کے ہاتھ پاؤں سن ہوگئے تھے۔

آج وہ ماورا سے ملے تھے..... شکر ہے' اس نے حجاب کر رکھا تھا اگر جو انہیں ذرا سا بھی شک ہوجاتا تو کچھ بعید نا تھا' وہ انہیں ڈھونڈ نکالتے..... کیا وہ ان کا سامنا کرسکتی تھی.....؟ یقیناً نہیں..... انہیں بے چینی نے آ گھیرا تھا۔

ایک طرف موت کی آہٹیں نزدیک سے نزدیک تر ہوتی جارہی تھیں تو دوسری طرف ماضی کا خوفناک پرندہ ہر طرف سے انہیں دبوچنے کو تیار بیٹھا تھا..... زندگی کے دن کم رہ گئے تھے۔

''پھر کیا کروں..... لڑکی ہونے کے غم میں منہ چھپا کر گھر بیٹھ جاؤں..... ان جاگیرداروں کو میسج دوں کہ وہ آج بھی حاکم ہیں اور ہم ان کے محکوم.....؟'' ماورا یحییٰ کا لہجہ سخت تھا۔

''نہیں..... تم بندوق لے کر ان کے سامنے تن کے کھڑی ہوجاؤ اور ایک ایک کو بھون دو۔'' منزہ سے مزید ضبط محال ہوا تو وہ ایک دم سامنے آ کر برس پڑیں..... دونوں ہی انہیں دیکھ کر سراسیمہ ہوگئیں۔

''ماورا..... کل سے یونیورسٹی جانا بند..... بہت ہوگئی پڑھائی..... اب گھر بیٹھو آرام سے..... تمہارے لیے کوشش تیز کرتی ہوں تاکہ جلد ہی تمہیں نبٹا سکوں..... بس اب سے یونیورسٹی کا ذکر تمہاری زبان پر نہیں آئے۔''

منزہ حتمی انداز میں کہہ کر جیسے آئی تھیں ویسے ہی چلی گئیں اور دونوں ایک دوسرے کی شکل تکنے لگی تھیں۔

❁.....❁.....❁

آج نکاح کی تقریب تھی..... گاؤں کے کسانوں سے لے کر معزز مہمان تک سب ہی مدعو تھے تو گاؤں کے خالی علاقے کو اس تقریب کے لیے منتخب کیا گیا تھا' جس کی سجاوٹ اور انتظامات سبھان آفندی نے سنبھال رکھے تھے اور جس پہ کئی دنوں سے کام جاری تھا..... صبح ہوتے ہی وہ پھر سے انتظامات دیکھنے جانے لگا تو ایشان جاہ بھی ساتھ ہولیا۔

شاہ زر شمعون نے کہا تھا کہ وہ اکیلا بور ہوگا لیکن دونوں نے اسے دھوپ میں پھرنے کی بجائے آرام کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ فریش نظر آئے..... اسے مانتے ہی بنی کہ چودھری حشمت نے بھی آج کے دن معمول کی ذمہ داری چھوڑ کر اسے حویلی میں رہنے کا ہی حکم دیا تھا..... دور دراز کے مہمان آرہے تھے..... مردانے میں رونق لگی ہوئی تھی تو عورتیں ان کے چائے پانی کا بھی خیال رکھ رہی تھیں۔

ایک بار پھر بیوٹی پارلر کھل گیا تھا اور سب پھر سے مساج' مینی کیور اور پیڈی کیور میں لگ گئی تھیں۔ فائزہ اپنی بیٹیوں کو جلدی جلدی سب کر لینے کا کہہ رہی تھیں تو دیا ہم اور شنائیہ کی گرومنگ چیک کر رہی تھیں..... فریال زرش کو نیل آرٹ کا مشورہ دے رہی تھیں۔

سب ہی اپنی اپنی بیٹیوں کو خوب سے خوب تر لگنے کے مشورے دے رہی تھیں اور اس گھڑی خود ترسی اسے پھر سے گھیرنے لگی..... صائقہ کی کمی سر اٹھانے لگی' اس کی ماں ہوتی تو اسے بھی سکھاتی' سمجھاتی' مشورہ دیتی..... گو کہ فائزہ اور فریال نے ایک دو بار اسے بھی اچھے سے تیار ہونے کا کہا تھا۔

''عیشال..... تم بلیک سوٹ پہن رہی ہو ناں..... آئی میک اپ اسموکی کرنا' تمہاری آنکھوں پہ بہت سوٹ کرتا ہے۔'' فریال نے مشورہ دیا۔

''چاچی اور نہ ہو جائے نکاح کی مناسبت سے۔'' وہ ہچکچائی۔

''لپ اسٹک لائٹ رکھنا.....'' شاذمہ نے بات آگے بڑھائی تو وہ سر ہلا گئی لیکن اس کے باوجود بھی غم غلط نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ محرومیوں کا ازالہ کبھی نہیں ہو سکتا' خواہ وہ کوئی کتنی ہی کوشش کر لے..... فائزہ اور فریال ہر جگہ اس کی ڈھال بن جاتی تھیں' کوشش کرتی تھیں اسے ماں کی کمی محسوس نا ہو..... مگر ماں نہیں بن سکتی تھیں چاہے جتنی محبت جتا لیتیں۔

''تمہیں کیا ہوا جو اتنی دکھی ہو رہی ہو؟'' ندا نے اس کی خاموشی نوٹ کی..... وہ غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھوں کی مہندی پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

''میری مہندی کا رنگ ہلکا چڑھا ہے.....'' بولتی بھی تو کیا۔

''مہندی اچھی نہیں ہوگی۔'' ندا نے قلق دور کرنا چاہا۔

''ارے نہیں' کہتے ہیں ناں' جس لڑکی کی ساس زیادہ محبت کرے اس کی مہندی کا رنگ گہرا چڑھتا ہے۔'' یمنیٰ نے شوشا چھوڑا۔

''اوہ..... اوہ..... یعنی عیشال کی ساس اس سے زیادہ محبت نہیں کرے گی.....؟'' زرش کو جیسے صدمہ ہوا۔

اسی دم سمہان آفندی صبح کا نکلا حویلی لوٹا تھا..... اسے ہال میں قدم دھرتے دیکھ کر فریال ہاتھ میں موجود پیسٹری کی پلیٹ لیے اس کی طرف آ گئیں۔

''نام پہلے فریش تو ہونے دیں۔'' وہ دہائی دیتا ماں کو محبت سے تھام کر منہ کھول گیا۔

''عیشال تو ٹینشن میں آ گئی ہے' ساس جو محبت نہیں کرے گی۔'' ماہم نے سب کا دھیان واپس اس کی طرف کیا۔

''کوئی بات نہیں عیشال..... تم ساس بدل لینا۔'' شاذمہ نے چٹکلہ چھوڑا تو سب کے قہقہے بلند ہونے لگے۔

''ہائے نہیں.....'' عیشال کی نظر فریال پہ جمی ہوئی تھیں' ساتھ ہی سمہان آفندی کو بھی دیکھ رہی تھی جو تھکا ہوا ہونے کے باوجود چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

''جانے کس مٹی سے بنا ہے۔'' وہ سر جھٹک کے سوچ کے رہ گئی..... اس کی ہر وقت کی بے سکونی اسے تھکا دیتی تھی مگر وہ شخص نہیں تھکتا تھا اس کے جھکے سر پر ایک گہری نظر ڈال کر سمہان آفندی فریش ہونے چلا گیا تھا۔

''جیولری میں کیا پہن رہی ہو؟'' ندا نے اس کا دھیان اپنی طرف مبذول کروایا۔

''سمجھ نہیں آ رہی..... بہت ساری جیولری ہے..... بتائیں کیا پہنوں۔'' ندا کے یاد دلانے پر اسے اپنا مسئلہ یاد آیا جس کے لیے وہ ہال میں آئی تھی۔ ساتھ لایا جیولری باکس سامنے کر کے وہ پوچھ بیٹھی۔

''بتائیں ان میں سے کون سا پہنوں.....؟'' وہ رائے چاہ رہی تھی۔

''مجھے بھی دکھاؤ۔'' یمنیٰ نے دور سے ہانک لگائی تو عیشال ایک ایک ایئر رنگز اپنے کان سے لگا کر سب کو دکھا کر رائے لینے لگی۔

''یہ سلور والے اچھے لگیں گے' یہ پہنو۔'' ملازمہ کو سمہان کے کھانے کے لیے ہدایت کر کے فریال پلٹ آئی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی رائے دی تو باقی سب کا ووٹ بھی اسی کو ملا۔

''شکر ہے' یہ مسئلہ تو حل ہوا.....'' اسے سکون ملا۔ اسی ٹائم میں نرمین اور صہبا ہال میں داخل ہوئیں اور ڈھیروں جیولری بکھری دیکھ کر نرمین آگے بڑھ کر اشتیاق سے دیکھنے لگی۔

''اوواؤ..... بہت خوب صورت اور نازک ہے..... کہاں سے لی.....؟'' نرمین ایئرنگ اپنے کان سے لگا کر دیکھنے لگی..... اسی لیے لگا تھا کہ ان لڑکیوں میں سے کسی کا ہوگا۔

''شہری ہیں' لیکن لگتا ہے آپ نے شہری مینرز نہیں سیکھے کہ کسی کی چیز کو اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں لگاتے۔'' عیشال جہانگیر نے جھپٹ کر نرمین کے ہاتھ سے ایئرنگ لے لی..... نرمین تقریباً ہم عمر تھی اور اسے ایسے رویے کی امید نہیں تھی تب ہی بوکھلا گئی۔

''اللہ کی پناہ..... انسانوں کی طرح بی ہیو کرو عیشال' تم تو بالکل جانوروں جیسا ری ایکٹ کر رہی ہو..... لیکن شاید حویلی والوں کو ابھی احساس نہیں ہوا کہ جانوروں کو باندھ کر رکھتے ہیں' یوں کھلا چھوڑ کر دوسروں کو امتحان میں نہیں ڈالتے۔'' صہبا کے تیز لہجے پہ ہال میں ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا تھا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں صہبا کی نزاکت' اتراہٹ اور لہجے کی کڑواہٹ سے سب واقف تھے۔

''تم بھی کیا ٹکے ٹکے کی چیزوں کو ہاتھ لگانے لگیں..... تمہارے پپا نے کب کوئی کمی چھوڑی ہے..... ترسے

ہوئے لوگ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی چیزیں سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔تم دبئی والا ڈائمنڈ سیٹ پہنو ناں' جو ابھی لے کر آئی ہو۔'' صہبا نے بظاہر بیٹی کو مخاطب کر کے سنایا تھا مگر سب لوگ اپنی جگہ جم سے گئے..... عیشال جہانگیر کے تلوؤں سے لگی اور سر پہ بجھی تھی۔

''چھوٹے لوگوں کا حق مار کر آج تک کوئی بڑا نہیں کہلا سکا میرا حق کھانے والوں کو کبھی چین نہیں آئے گا۔'' عیشال جہانگیر کو سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے' مقابلے کے لیے اٹھتے دیکھ کر سب ہی سراسیمہ سی ہو گئیں۔سب جانتے تھے جب وہ شیرنی بپھرتی تھی تو حویلی میں کسی کے کنٹرول میں نہیں آتی تھی..... فریال جلدی سے اس کے پاس آئیں اور اسے تھام کر ندا کو اسے وہاں سے لے جانے کا اشارہ کیا۔

''بدتمیز..... کرتی ہوں میں شکایت جہانگیر سے..... ذلیل کروانے لائے ہیں حویلی میں.....؟'' صہبا دھمکانے لگیں وہ مڑ کر کچھ کہنے والی تھی لیکن ندا اسے لے کر باہر نکل گئی۔

''کس قسم کی گھٹیا لڑکی ہے یہ.....؟'' صہبا کا غصہ کنٹرول میں نہیں آ رہا تھا ہاتھ میں موجود فون کو استعمال میں لاتے وہ چودھری جہانگیر کا نمبر ملانے ہی لگیں جب فائزہ ان کے سیل فون والے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ گئیں۔

''خونی رشتوں کو ترسی بن ماں باپ کے پلی ہے صہبا..... تھوڑی سی رعایت تو دے دو' بچی ہے۔ہم سب سمجھائیں گے اسے..... تم جہانگیر سے کچھ نا کہو' پہلے ہی بہت نفرت کرتے ہیں بچی سے اور پھر خوشی کا موقع ہے۔'' فریال بھی فائزہ کا ساتھ دینے لگیں' دیا نے بھی درگزر کا مشورہ دیا تو صہبا وقتی طور پر تو ٹھنڈی ہو گئیں تھیں۔

❁.....❁.....❁

صہبا کی بکواس سن کر عیشال کا موڈ چوپٹ ہو گیا تھا۔

''کیوں اپنے لیے مشکلات کھڑی کر رہی ہو..... صہبا آنٹی کے مزاج کا اچھی طرح پتا ہے کہ کیسے رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں بالکل منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے..... اب تیار ہو کر ہی باہر نکلنا میں تمہاری چیزیں بھجواتی ہوں' کسی کے ہاتھ۔'' ندا لیکچر دے کر جا چکی تھی وہ کئی لمحے خود کو ٹھنڈا کرتی رہی..... تیار ہو کر آئی تو حویلی بھائیں بھائیں کر رہی تھی' سب چلے گئے تھے اور کسی کو اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔اسے پھر سے غصہ آنے لگا..... چودھری جہانگیر کی گاڑی نکلتی دیکھی تو مزید شعلوں میں گھر گئی۔

کلائی میں موجود چوڑیاں اتار کر اس نے پوری طاقت سے فرش پہ دے ماریں' چوڑیاں چھن چھن کی آواز کے ساتھ دور تک بکھر گئی تھیں۔سیڑھیوں سے نیچے اترتا سمہان آفندی اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''تم..... گئی نہیں.....؟'' حویلی میں کوئی نہیں تھا..... ملازم تک چلے گئے تھے' بس حویلی کی حفاظت پہ مامور نشانے باز اپنی پوزیشن سنبھالے موجود تھے۔

''نہیں..... اور اب مجھے جانا بھی نہیں..... بھاڑ میں جائیں حویلی کی خوشیاں.....'' تیز لہجے میں کہتی باقی کی چوڑیاں اتار کر اس نے سیڑھیوں پہ پھینک دیں..... جو ایک ردھم کے ساتھ ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں..... اس کے ہٹ دھرم انداز پہ سمہان آفندی کے چہرے پہ الجھن در آئی تھی..... اگر وہ نہیں جاتی تو کتنی بڑی مشکل میں پڑ جاتی' اس کا اسے اندازہ نہیں تھا' مزید کچھ کہے بنا وہ اس کے سامنے سے گزر کر تیزی سے سیڑھیاں طے کرنے لگی مگر ٹوٹی ہوئی چوڑیاں ہیل کے نیچے آ کر اس طرح اس کا توازن بگاڑ گئی کہ سنبھل کر ریلنگ کو تھامتے ہوئے بھی اس کا پیر

سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر حجاب ❁❁ نومبر ۲۰۱۸ء 98 سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر

بری طرح مڑ گیا۔ ساتھ ہی وہاں پڑی چوڑیاں اس کے پاؤں میں چبھ گئیں تھیں۔
"آہ.....!" درد و اذیت کے رنگ چہرے پہ بکھر گئے تھے۔
"ریلیکس....." اس کے وجود کو گرنے سے بچانے کے لیے وہ ڈھال بن کر اس کی پشت پہ آیا پیچھے سے اسے تھام لیا۔
"بیٹھو سکون سے۔" چوڑی کا ٹکڑا نکال کر اچھی طرح چیک کرنے لگا کہ کہیں کوئی ذرہ ایڑی کے اندر تو نہیں رہ گیا' سینڈل کے اسٹریپ کھول کر اسے سنبھلنے کا اشارہ کرتے اوپر کی سیڑھیوں کو تیزی سے پھلانگ گیا۔
سیڑھیوں پہ بیٹھ کر وہ اپنے پاؤں کا معائنہ کرنے لگی۔ اسی اثناء میں جوتوں کی آواز پہ اس کی نظر اٹھی۔ وہ ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس لیے آیا تھا..... سیڑھیوں پہ جوتوں کے بل بیٹھتے کاٹن پاپوڈین میں بھگو کر اس کی ایڑی تھام کر زخم صاف کرنے لگا۔
"چھوڑو میں کرلوں گی....." اس نے پیر کھینچا۔
"چپ کر کے بیٹھی رہو..... ورنہ ایک ہاتھ لگاؤں گا۔" سختی سے ڈپٹ کر پیر کی انگلیوں کو اپنے مضبوط ہاتھ سے پکڑ کر پیر کھینچنے کی حرکت کو ناکام بنا دیا۔
"اپنی حرکتوں سے خود کو ہی تکلیف پہنچاتی ہو' کبھی تو عقل سے کام لیا کرو۔" فہمائشی نظریں اس کے چہرے سے ہوتی جا بجا بکھری چوڑی کے ٹکڑوں پر تھیں۔
"اپنا کام کرو..... زیادہ دادا ابا بننے کی ضرورت نہیں..... حویلی میں سارے عقل مند ہیں ایک میں ہی کم عقل ہوں جسے سمجھانے کو ساری حویلی امڈ آتی ہے۔" وہ کسی حال میں ادھار رکھنے والی نہیں تھی۔

editorhijab@aanchal.com.pk (ایڈیٹر)
infohijab@aanchal.com.pk (انفو)
bazsuk@aanchal.com.pk (بزمِ سخن)
alam@aanchal.com.pk (عالمِ انتخاب)
Shukhi@aanchal.com.pk (شوخیٔ تحریر)
husan@aanchal.com.pk (حسنِ خیال)

اسی اثناء میں سمہان آفندی کے نمبر پہ کال آنے لگی تھی۔ بلیوٹوتھ کان سے لگا ہونے کے باعث کال با آسانی پک ہوگئی۔

''سمہان..... عیشال یہاں نہیں ہے..... تم اچھی طرح اسے حویلی میں دیکھ لو..... وہ اپنے روم میں ہوگی..... کسی کو غلط فہمی ہوگئی تھی کہ وہ جا چکی ہے..... لیکن وہ یہاں نہیں ہے.....'' دوسری طرف فریال فکرمند تھیں۔

''جی محترمہ کے چوٹ لگ گئی ہے..... آپ سب سے یہی کہیں' میں آرہا ہوں لے کر۔'' اس پہ نظریں جمائے اب وہ پٹی باندھ رہا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے.....'' فریال مطمئن ہو کر فون بند کر گئیں۔

''میں نے کہا ناں' میں نہیں جاؤں گی..... پھر جھوٹ کیوں کہا تم نے.....؟'' پیر اس کے ہاتھ سے چھڑا کر وہ ایڑی کا جائزہ لینے لگی۔

''سب دیر سے لوٹیں گے..... کیا کرو گی اکیلی حویلی میں؟'' فرسٹ ایڈ باکس بند کرتے اسے غصہ آنے لگا۔

''سو جاؤں گی آرام سے۔'' اس کے اطمینان میں ذرا فرق نہ آیا۔

''میں جب تک باکس رکھ کر ہاتھ دھو کر آؤں تب تک تم شرافت سے سینڈل پہن کر کھڑی ہو کر چلنے کی تیاری کرو۔''

''تم زبردستی کرو گے میرے ساتھ؟'' وہ گھورنے لگی۔ بلیک شیفون کے سوٹ' چوڑی دار پاجامے اور بڑے سے دوپٹے میں بالوں کو کرل کر کے بائیں شانے پہ دھرے وہ دلکش لگ رہی تھی۔

''ضرورت پڑنے پہ وہ بھی کر گزروں گا..... جو شرافت سے نا مانیں..... اٹھو شاباش۔'' فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر دوبارہ سیڑھیوں کی طرف دوڑا تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

''وہ زبردستی لے جائے گا.....'' وہ واقعی ڈر گئی تھی یا موڈ بدل گیا تھا..... چپ چاپ فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوگئی' منہ بگڑا ہوا تھا مگر جا رہی تھی۔

گاڑی حویلی سے نکالتے اس نے گردن موڑ کر عیشال جہانگیر پہ ایک مسکراتی نگاہ ڈالی..... اعصاب کسی قدر پُرسکون ہوئے تھے۔ کچھ غیر معمولی محسوس کر کے سمہان آفندی نے اردگرد کا غیر محسوس طریقے سے جائزہ لیا تھا۔

''عیشال اپنی طرف کا شیشہ چڑھاؤ۔'' تازہ ہوا کی دیوانی..... اے سی کی ٹھنڈک کو خاطر میں لائے بناء اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیے اندھیرے میں لہلہاتے پیڑوں کا نظارہ کر رہی تھی۔

''کیوں.....؟'' حکم پہ اعتراض کرتے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''آئی سے..... شیشہ اوپر کرو۔'' خلاف معمول اس کی آواز دھاڑ کا روپ دھار گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے عیشال جہانگیر لرز گئی..... اس نے بے ساختہ سمہان آفندی کی طرف دیکھا' ہمیشہ سوفٹ تاثرات رکھنے والا اس گھڑی سخت تاثرات سجائے ہوئے تھا..... نگاہیں بیک ویو مرر پہ لگی ہوئی تھیں' ہاتھ بے ساختہ پسٹل کی طرف بڑھے تھے..... اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی پن ضرور تھا اس نے جلدی سے حکم کی تعمیل کی اور اس کے حکم کی تعمیل کتنی سود مند رہی یہ بھی اس پہ جلد کھل گیا جب اندھیرے میں چھپی جیپ اس کی گاڑی کو نکلتے دیکھ کر اپنی ہیڈ لائٹس آن کر گئیں۔ سمہان آفندی کا بلیوٹوتھ آن تھا۔

غیر معمولی نقل وحمل شام سے محسوس ہو رہی تھی اور اب دشمن کی جیپ کا رخ حویلی کی طرف دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

''ایکشن.....'' اس کا اشارہ ملنا تھا کہ حویلی کے نشانہ بازوں نے گولیاں برسانا شروع کر دی تھی۔

''سمہان.....'' گولیوں کی آواز سے عیشال جہانگیر سخت خوفزدہ ہوگئی تھی۔

عیشال جہانگیر کے باعث وہ یوٹرن لینے میں ہچکچا رہا تھا مگر دشمن کی جیپ کا رخ حویلی کی طرف دیکھ کر وہ بھاگ کھڑا ہوتا یہ ناممکن تھا..... اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ اسے چھوڑ کر واپس آتا..... تب تک جانے کتنا نقصان ہو جاتا۔

''میں اگر گاڑی سے نکل بھی جاؤں تو بھی تم نہیں نکلو گی..... گاڑی بلٹ پروف ہے..... ڈونٹ وری تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں پسٹل تھامے جبکہ ہتھیلیاں اسٹیئرنگ پہ تھیں' ہدایت کرتے بالآخر اس نے اسپیڈ سے یوٹرن لے ہی لیا تھا۔ ٹائر بری طرح چرچرائے تھے..... مٹی کی چادر سامنے تن گئی تھی۔ ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھتے وہ اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر کے فائر شروع کر چکا تھا۔

دشمن کی نگاہ ان کے ہر عمل پہ تھی' تب ہی انہوں نے حویلی کو نقصان پہنچانے کا اس وقت پلان بنایا جب مکین نا ہوں مگر حویلی کو نقصان پہنچانے کا خواب ان کے گلے میں ہڈی بن گیا تھا..... وہ بے خبری میں مارنا چاہ رہے تھے لیکن مقابل باخبر سمہان آفندی تھا' جس نے نکاح کی تیاری کے ساتھ ساری تیاری کر رکھی تھی اور نقل وحرکت کو محسوس کرتے ہی حویلی میں کسی کو بتائے بنا نشانے بازوں کو چوکنا رہنے کا اشارہ کر رکھا تھا۔ حویلی میں اپنی جگہ سنبھالے نشانہ بازوں کا مقابلہ اور سمہان کی گن سے نکلتے ہوئے شعلوں نے جیپ میں سوار لوگوں کو بوکھلا دیا تھا تب ہی اپنا دفاع کرنے کو وہ جوابا فائر کر رہے تھے۔

دروازہ کھول کر وہ جیپ کی ٹائر کو نشانہ بنانا چاہ رہا تھا مگر اس کا ارادہ بھانپ کر عیشال جہانگیر سختی سے اس کا بازو تھام گئی۔

''تم نہیں اتروگے..... میں اترنے نہیں دوں گی تمہیں.....'' گولیوں کی گھن گرج میں وہ بے ساختہ چلائی۔

دوسری جیپ نے حویلی کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے جان بچانے کی ٹھان لی تھی..... ان کے مقابل صرف سمہان آفندی تھا۔ نشانے بازوں سے بھری ایک جیپ کو حویلی سے نکلتے اور فائر کرتے دیکھ کر جیپ میں سوار دشمن قریب آتی سمہان آفندی کی گاڑی پہ گولیاں برساتے تیزی سے نکلے تھے۔ گاڑی مڑی اور عیشال جہانگیر سیٹ پہ لڑھک گئی تھی۔

''عیشال.....'' سمہان آفندی کی خوفزدہ آواز نکلی تھی۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

کفارہ

نادیہ احمد

جیسے ہی لاؤنج کی گھڑی نے نو بجائے میں بے چینی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ آج رات گھر میں دعوت تھی' میری دونوں نندیں شوہر اور بچوں سمیت کھانے پہ مدعو تھیں۔ یوں تو یہاں آنے کے لیے انہیں کسی دعوت نامے کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کا جب دل چاہتا اور جب دل نہیں بھی چاہتا وہ پہنچ جاتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اپنے گھروں سے کہیں اور جانے کے لیے نکلتیں لیکن سب کام نبٹا کر یہاں آدھمکتیں۔ اللہ جانے ہر بار ہمارا گھر ان کے راستے میں کس طرح آجاتا تھا کہ جب بھی آتیں یہی فقرہ دہراتیں۔

میں اکثر سوچتی بھلا میرا میکہ کبھی میرے راستے میں کیوں نہیں آتا؟ پر سچ تو یہ ہے مجھے اپنے میکے جانے میں بال برابر دلچسپی نہیں تھی۔ وہاں میری نندوں کی طرح لاڈ اٹھانے کو ماں زندہ تھی اور نہ ہی صاحب جائیداد باپ کہ بیٹیاں فخر سے باپ کی دہلیز پر آئیں اور مان سے سسرال جائیں۔ ماں کی تو شبیہہ تک اب مجھے یاد نہیں تھی پر سنا ہے وہ بڑی نیک عورت تھیں شاید اسی لیے اللہ نے مجھے چھ سال کی عمر میں ان کے سائے سے محروم کر کے انہیں اپنے پاس بلالیا۔ ابا معمولی سرکاری ملازم تھے اور اب کئی سالوں سے ریٹائرڈ بیٹوں کے آسرے پر تھے۔ ایسے میں گھر پہ بھائیوں کا اختیار تھا اور ان سے بڑھ کر بھابیوں کی حکمرانی تھی۔

میں کبھی مہینوں بعد ابا سے ملنے چلی جاتی تو ان کے ماتھے کے بل چھپائے نہ چھپتے۔ ایک پیالی چائے بھی مانگ کر ہی پینا پڑتی۔ بھابیوں کا رویہ تو خیر سمجھ آتا تھا کہ میری حالت ان سے پوشیدہ نہیں تھی لیکن بھائیوں کی بے اعتنائی میری سمجھ سے بالکل باہر تھی۔ شاید انہیں لگتا تھا میں کہیں ایک بار پھر ان کے در پہ نہ آبیٹھوں لیکن یہ تو اب طے تھا کہ میں مر کر بھی ان کی دہلیز پر نہیں جاؤں گی۔ اس پہ ابا کی شرمندہ نگاہیں مجھے اندر ہی اندر مارتیں۔ بس اسی لیے میں نے وہاں جانا چھوڑ دیا۔ شروع میں ابا نے فون پہ چند بار میرے نہ آنے کا شکوہ کیا پر میں نے گھر میں مصروفیت کا بہانہ بنا کر معذرت کرلی۔ وہ خود ملنے چلے آئے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کا پوچھنا اور میرے بہانے بنانا بھی موقوف ہوا۔ بھائیوں کو تو خیر عید' شب برأت پر بھی کبھی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ ملنا تو درکنار فون پر ہی مبارک باد دے دیتے۔ بھابیاں البتہ گاہے بگاہے فون کر دیتیں اور مجھے اندازہ ہوجاتا کہ یقیناً آج ان کے پاس مجھے سنانے کو کوئی بڑی شیخی ہوگی۔

ڈیزائنر سوٹ' سونے کے کنگن یا پھر بچے کا کسی بڑے اسکول میں داخلہ۔ میرے پاس نہ تو ڈیزائنر سوٹوں کی کمی تھی نہ سونے کے زیورات کی' اسکول چھوٹے ہوں یا بڑے مہنگے ہوں یا سستے ان سے میرا کوئی لینا دینا نہیں تھا کیونکہ میں کون سا صاحب اولاد تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں میرے سسرالی حالات ان سے دوگنے چوگنے بہتر ہیں اور کم سے کم مجھے کسی مالی دشواری کا سامنا نہیں پھر بھی میرے سامنے بڑائیاں جھاڑے بناء ان بیچاریوں کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ میں بھی خاموشی سے سن کر حسب عادت مبارک باد دیتی اور ان کے احساسِ تفاخر کو تقویت پہنچاتی۔

خیر تو ابھی میں بات کر رہی تھی اپنی نندوں کی دعوت کی۔ بڑی مشکل سے میں نو بجے تک باورچی خانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں پہنچی اور جھٹ پٹ دروازہ مقفل کر کے سیل فون اٹھایا۔ ہینڈز فری لگا کر ریڈیو پہ اپنا مطلوبہ اسٹیشن لگالیا۔ صد شکر ابھی بس اشتہار ہی چل رہے تھے اور پروگرام شروع نہیں ہوا تھا۔ میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' پاؤں پسارے' سکون سے سیل فون جھولی میں رکھے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دن بھر کی تھکان اس وقت عروج پہ تھی۔ اچانک ہینڈز فری میں ابھرتی آواز میرے کانوں تک پہنچی۔ کچھ ہی لمحوں میں یوں لگا جیسے میری ساری تھکن اتر

گئی ہو۔ میں آنکھیں موندے اس کا حرف حرف اپنے اندر اتارتی رہی۔ یوں لگتا تھا وہ میری روح پر دستک دے رہا ہے۔ وہی ٹھہرا ہوا لہجہ' میں سوچتی لفظوں کو سلیقے سے ادا کرنا شاید صرف اسی کو آتا ہے۔ ہر بار جب وہ اپنی لوچ دار اور مدھم آواز میں نستعلیق لہجے میں شعر پڑھتا تو میرے اندر طوفان اٹھنے لگتے۔

رات نو سے بارہ بجے تک چلنے والا ریڈیو پہ "شام سخن" نامی یہ پروگرام میرے لیے نشہ بنتا جارہا تھا اور مجھے اس نشہ کا عادی کرنے میں کچھ تو ہاتھ میری تنہائی کا تھا پر زیادہ حصہ اس پروگرام کے آر جے یاسر علی کا تھا جو اپنے منتخب رومانوی شعروں اور غزلوں کو کچھ اس انداز میں ادا کرتا کہ میری جان پہ بن آتی۔ ایک تو میری ازلی تنہائی تھی کہ یہ وقت کمرے میں آکر عذاب سا لگتا تھا اور کچھ عرصہ پہلے تک میں جان بوجھ کر آدھی رات تک لاؤنج کے صوفہ پہ بیٹھی ٹی وی کے آگے اونگھتی رہتی تھی پھر جب نیند قابض ہونے لگتی تو پیر گھسٹتی کمرے میں چلی آتی اور بستر پہ گرتے ہی نیند کی وادی میں کھو جاتی لیکن پھر اچانک میری زندگی میں یاسر علی آ گیا۔

اس دن میں فہد کے بھیجے گئے اس نئے ماڈل کے اسمارٹ فون سے اپنی بوریت اور تنہائی کم کرنے کی کوشش کرتی ہوئی اس کا پوسٹ مارٹم کر رہی تھی کہ بناء سوچے سمجھے ریڈیو لگا لیا۔ وہی بے سرے بے ہنگم گانے جن پہ خوشی سے زیادہ نوحہ کرنے کا دل چاہتا۔ بے سر پیر کی مصنوعی گفتگو اور شور و غوغا سے اکتا کر چینل بدلتے بدلتے اچانک میں اس اسٹیشن پہ پہنچی تھی۔

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

نہ میری زندگی گلشن تھی نہ اس پر کسی بہار کا گمان پر یاسر کا لہجہ' اس کی لفظوں کی ادائیگی۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اس رات وہ تین گھنٹے کیسے گزرے مجھے احساس بھی نہیں ہوا اور پھر تو جیسے یہ میرا معمول بن گیا کہ ہفتے میں چار دن میں بلاناغہ اس کا یہ پروگرام سننے لگی۔ اس دوران بہت سے لوگ اسے لائیو کال کرتے اور سراہتے اس سے اپنی فرمائشیں کرتے اور اپنی پسند کی غزلیں اس کی آواز میں سننا چاہتے۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں' کبھی کبھی شرارتی لہجے میں ان سے گفتگو کرتا اور میں اس کے جوابوں پہ یوں ہی بے مقصد اکیلی بیٹھی مسکراتی رہتی۔

آپ بھی سوچتے ہوں گے شاید میں کوئی کم عمر' ٹین ایجر' غیر سنجیدہ سی لڑکی ہوں جو دنیا میں سب سے لاتعلق اور بیزار ہو کر بس ایک ان دیکھے آر جے کے لفظوں کے حصار میں جا الجھی ہوں تو ایسا ہرگز نہیں..... میں ایک تیس سالہ' شادی شدہ عورت ہوں۔ فہد' میرے شوہر شادی سے پہلے ہی قطر میں رہتے تھے۔

فہد کا نام پہلی بار میں نے کب سنا' مجھے یہ تو یاد نہیں پر ان کے نام سے میرا نام جڑنا جیسے برسوں سے میرے لاشعور میں تھا۔ فہد ابا کے ایک قریبی اور پرانے دوست کے بیٹے ہیں۔ ابا اور میرے سسر کی خواہش پر ہی یہ رشتہ جڑا تھا۔ میں نے میٹرک کے بعد بھابیوں کی زبانی اپنے اور فہد کے رشتے کی بازگشت سنی۔ پھر کالج کا تمام عرصہ میری سہیلیاں

مجھے فہد کا نام لے کر چھیڑتیں اور میں چھوئی موئی سی سمٹ جاتی' حیا سے لال ہو جاتی۔

میں نے فہد کو شاید ایک دو بار ہی دیکھا تھا اور پتا نہیں انہوں نے مجھے دیکھا بھی تھا یا نہیں۔ شاید نہیں دیکھا ہوگا۔ اسی لیے تو ہماری شادی ہوگئی۔ ان کی وہی جانیں' پر میرے تو ہر احساس سے ان کا وجود جڑا تھا۔ پتا نہیں اب یہ محبت تھی یا وفا کہ میں اس شخص سے رشتہ جڑتے ہی اپنا ہر جذبہ اس کے نام لکھ چکی تھی۔ کالج کے راستے میں کبھی کوئی مجھے آنکھ اٹھا کر دیکھتا کہ کہنے والے کہتے تھے میں بہت حسین ہوں اور اس میں ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں' شاید اسی لیے تو دونوں بھابیاں بھی حسد کرتی تھیں۔ لیکن مجھے ان کا دیکھنا آگ لگاتا تھا۔ جی چاہتا آنکھیں نوچ لوں۔ مجھے دیکھنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔ مجھ پہ صرف اور صرف فہد کا حق تھا۔ بس وہی تھے جو مجھے نگاہ بھر کر دیکھ سکتے تھے۔

پانچ سال پہلے فہد سے میری شادی ہوئی تو زندگی اس رات کچھ اور بھی حسین لگنے لگی تھی۔ جس احساس کے ساتھ میں برسوں سے جڑی تھی وہ آج مجسم میرے سامنے تھا۔ سرخ جوڑے میں ملبوس میں حیا سے سمٹتی رونمائی کی منتظر تھی جب فہد کمرے میں آئے اور میری طرف دیکھے بنا اپنی الماری کھولے افراتفری سے کچھ ٹٹولنے لگے۔ مجھے یہ بے وقت کی تلاشی عجیب لگی۔ کچھ دیر بعد وہ میری طرف پلٹے تو ہاتھ میں ایک خوب صورت سا سنہری باکس تھا۔ مجھے اپنی طرف حیرت سے دیکھتا پا کر انہوں نے وہ باکس میرے سامنے رکھ دیا اور پھر خود ہی اسے کھول کر اس میں رکھا خزانہ مجھے دکھانے لگے۔ میں حیرت زدہ سی وہ سب سامان دیکھتی رہی۔

کانچ کی فیروزی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں' ایک سنہری جھمکا' چند تصاویر' کچھ خطوط اور ہاں ایک پائل بھی تھی چاندی کی۔ فہد نے کہا میں اگر انہیں اس اثاثے سمیت قبول کر سکتی ہوں تو آج اور ابھی سے ہم اپنی نئی زندگی کی شروعات کریں گے۔ مجھے میرا حق ملتا رہے گا پر ان کے دل پہ حکمرانی فقط ماہم کی ہوگی جو ان کی پہلی اور آخری محبت ہے۔

میرے لیے یہ انکشاف چونکا دینے والا تھا۔ کیسے بتاتی کہ میں تو خود آپ کی محبت میں چور ہوں۔ کس طرح محبوب کو رقیب کے تصور سے بانٹ لوں۔ اس وقت تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ انہیں رقیب کو سونپنا بھی پڑ سکتا ہے۔ شاید بجلی گرنا اسی کو کہتے ہیں۔ میں سن سی بیٹھی یہ بھی نہیں بتا سکی کہ برسوں سے انہیں کتنا چاہتی ہوں۔ بس وہی کہتے رہے۔ اپنی اور ماہم کے عشق کی داستان سناتے رہے۔

فہد اور ماہم ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے۔ ماہم ان کی کلاس فیلو تھی۔ میرے سسر اپنے دوست کو زبان دے بیٹھے تھے اور انہوں نے اس معاملے پہ فہد کی ایک نہیں سنی۔ وہ غصے سے گھر چھوڑ کر قطر چلے گئے اور وہیں بس گئے پر یہ بات میرے سسرال والوں نے ہم سے چھپائی۔ وہ اگر اسی وقت ابا کو سچائی بتا دیتے تو رشتہ ختم ہو جاتا پر دکھ وقتی ہوتا۔ چند ماہ نہیں تو چند سال بعد میری شادی کہیں اور ہو جاتی پر میں اس نارسائی کی تکلیف سے بچ جاتی۔ فہد کی غیر موجودگی میں ماہم کے گھر والوں نے اس کی شادی کر دی۔ پھر جب فہد کچھ سیٹل ہو کر واپس آئے تو ماہم غیر کی ہو چکی تھی۔ مجبوراً انہوں نے مجھ سے شادی کر لی لیکن وہ اب بھی اپنی پہلی محبت کے حصار سے نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے لیے میرا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ وہ مجھے کبھی اپنے دل میں محبت کا مقام نہیں دے سکتے تھے۔ میں سر جھکائے اندر ہی اندر آنسو پیتی رہتی۔ آخر اتنے شاندار تحفہ رونمائی کے بعد اتنا خراج تو بنتا ہی تھا۔ میری خاموشی انہیں میرا اقرار محسوس ہوئی۔ رات قطرہ قطرہ گزرتی صبح میں بدلی لیکن میرا مقدر نہ بدلا۔ فہد جس طرح آئے تھے اسی طرح تنہا واپس لوٹ گئے۔

میں ساس سسر کے ساتھ رہنے لگی۔ گھر کے حالات آسودہ تھے پھر میرے سسر پیسے والے تھے۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ بناء مانگے سب کچھ مل جاتا۔ فہد بھی ہر مہینے میرے نام سے اچھی خاصی رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیتے تھے۔ ہاں اگر کچھ نہیں ملتا تھا تو وہ تھا ان کا ساتھ' ان کی محبت۔ ہفتے میں ایک بار فون پہ دو چار لمحے

خیریت پوچھتے۔ اس دوران ماہم کا ذکر بھی کرنا نہ بھولتے کہ وہ آج بھی اس کے حالات سے باخبر تھے۔ میں ہاں اور نہیں میں جواب دیتی ان چند لمحوں کو زندگی سمجھ کر جیتی رہی۔ پھر ایک دن زندگی ریت کی طرح میری مٹھی سے نکل گئی۔

ماہم کے شوہر کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔ فہد پاکستان آئے اور اس کی عدت پوری ہونے کے بعد اس سے شادی کر کے اپنے ساتھ قطر لے گئے۔ یہ بات مجھے اور میرے ساس سسر کو انہوں نے شادی کے بعد بتائی۔ ساس خاموش رہیں' سسر نے واویلا کیا۔ میں کیا کہتی؟ انہوں نے کسی کی نہیں سنی تو میری کیا سنتے۔ زندگی عجب مقام پہ آٹھہری تھی۔ ہر لمحہ بوجھ لگنے لگی تھی۔ انا اور خودداری کا شوق چڑھا تھا مجھے کہ ان چاہی اور بے مول بن کر اس گھر میں نہیں رہوں گی۔ یہی سوچ ابا کے پاس واپس لے آئی لیکن یہاں آ کر پتا چلا کہ مجھ جیسی عورت کا انا اور خودداری سے کوئی واسطہ ہے ہی نہیں۔ میں بڑے مان سے بھائی اور باپ کے در پہ آئی تھی پر میرا لوٹنا ان کے لیے تہمت بن رہا تھا۔ بھابیاں الگ بیزار تھیں۔ اپنا گھر ٹوٹنا ہی کیا کم عذاب تھا جو بھائیوں کے گھر توڑنے کا موجب بنتی۔ مجبوراً سر جھکائے واپس سسرال آ گئی۔

سسر نے آگے بڑھ کر سر پہ ہاتھ رکھا۔ ساس نے ناک بھوں چڑھائی۔ نندوں نے شادی شدہ عورت کی حدود اور عزتِ نفس پہ لیکچر دیے۔ گرہستی اور گھر کیسے بسائے جاتے ہیں ان پہ اپنی مثالیں دے کر وضاحت کی پر شکر کہ انہوں نے مجھے واپس اپنے گھر میں جگہ دے دی۔ اسی رات فہد نے بھی فون کیا۔ دھیمے انداز میں سمجھایا کہ انہوں نے کچھ ایسا انوکھا نہیں کیا بلکہ مرد کو تو چار شادیوں کی اجازت ہے۔ پھر وہ ہمیشہ میری ضروریات کا خیال رکھیں گے۔ لیکن انہوں نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ آخر میری ضروریات ہیں کیا؟

پوچھتے تو بتاتی کہ فہد میری ضرورت آپ ہیں۔ وہ پیسے جو آپ مجھے ہر ماہ بھیجتے ہیں وہ میری مادی ضروریات تو پوری کر دیتے ہیں لیکن میرا نفس اور میری روح تشنہ رہتی ہے۔ اس کمی کو آپ کا پیسہ پورا نہیں کر سکتا۔ ہمیشہ کی طرح میں نے اس بار بھی خاموش رہ کر ان کی باتیں سنیں اور پھر کال بند ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے اپنے باپ بننے کی خوشخبری سنائی۔ ماہم امید سے تھی اور وہ بے حد خوش تھے۔ انہیں اس کی صحت کی بھی بہت فکر تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے اس دوران میری طرف سے انہیں کوئی پریشانی ملے۔ میں نے آنسو پیتے کال بند کر دی کہ انہیں مبارک باد دینے کا ظرف نہیں تھا مجھ میں۔

❁.....❁.....❁

میرے سسرال والوں نے اپنی عزت اور شان کے سبب فہد کی دوسری شادی کو چھپا لیا۔ فہد کی بیوی ہونے کے ناتے ہر ذمہ داری مجھ سے ہی منسوب تھی کہ میں اس خاندان کی بہو تھی۔ فہد کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اس بہانے ان کے بوڑھے والدین کو ان کی غیر موجودگی میں آخر میں نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ وہ تو اپنی محبت کے ساتھ راضی اور خوش تھے۔ فہد سال میں ایک دفعہ آتے لیکن میرے پاس رہ کر بھی وہ میرے نہیں تھے۔ اس دوران میں نے بانجھ اور بے اولاد ہونے کے طعنے کثرت سے سنے۔ رشتے دار' محلے والے' میری بھابیاں' سب ہی مجھے بے اولادی پہ باتیں سناتیں۔ کوئی ڈاکٹروں کے پتے دیتا تو کوئی وظیفے کرنے کو کہتا۔ میں بانجھ تھی نہ مجھے کسی علاج کی ضرورت تھی۔ میرا روگ میری تنہائی تھی۔

اور پھر میری تنہائی کا علاج یاسر علی کی آواز نے کر دیا۔ میرے فیض تک اس کی زبان سے نکلا ہر شعر مجھے اپنے زخموں پہ مرہم رکھتا محسوس ہوتا۔ پچھلے چھ ماہ سے میں اس کا پروگرام سن رہی تھی۔ اس کی آواز زیادہ تر سننے والی لڑکیاں ہی تھیں۔ جو اس کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کرنے کے بعد اس سے اپنی فرمائشی غزل سنانے کو کہتیں۔ یاسر ہمیشہ اپنے پروگرام میں دسیوں بار اپنا ای میل اور فون نمبر دہراتا تاکہ سب کی فرمائش اس تک پہنچ سکے۔ مجھے یہ دونوں چیزیں زبانی یاد تھیں پر میں نے کبھی اس کے پروگرام

میں کال نہیں کی کیونکہ میرے پاس کوئی خاص فرمائش تھی ہی نہیں یا پھر اس کی ہر بات مجھے اپنی ہی فرمائش محسوس ہوا کرتی تھی۔ ایسا لگتا تھا وہ میرے ہی دل کی ترجمانی کرتا ہوا یہ پروگرام کر رہا ہے۔

یہ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے جب یاسر نے پروگرام کرنا شروع کیا تو مجھے اس کی آواز بوجھل لگی۔ اس نے پروگرام کے دوران بتایا کہ وہ آج ذرا بیمار ہے اور زکام کے باوجود بھی وہ اپنے سننے والوں کے لیے اسپیشل پروگرام کر رہا ہے۔ اس دن میں خود کو روک نہیں پائی اور بلا ارادہ ہی اسے کال کر بیٹھی۔ اس نے مجھے اپنے پروگرام میں خوش آمدید کہا اور میری فرمائش جاننا چاہی لیکن میری تو کوئی فرمائش تھی ہی نہیں۔ میں تو فقط اس کی خیریت پوچھنا چاہتی تھی۔ اور میں نے اس سے یہی پوچھا تھا۔ اس نے میری تشویش پر میرا بے حد شکریہ ادا کیا اور پھر میرے لیے ایک خصوصی غزل پڑھی۔

وہ رات میری زندگی کی حسین ترین رات تھی۔ صبح تک یاسر کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے اور میں خود کو فضاؤں میں اڑتا محسوس کرتی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ اگلے دن پھر میں نے اس کے پروگرام میں کال ملائی لیکن اس بار پورا دن میں نے اپنی فرمائشی غزل کے متعلق سوچا تھا۔ پھر تو جیسے یہ سلسلہ معمول ہی بن گیا۔ اب اگر کسی دن میری کال نہ مل پاتی تو یاسر علی میرا نام لے کر مجھے یاد کرتا کہ وہ جانتا تھا میں اس کی ریگولر سننے والی ہوں۔ اس دوران ایک دو بار میں نے لائن نہ ملنے کی صورت میں اسے مایوس نہ کرنے کی خاطر ای میل کر دی۔ جواب میں اس نے بھی مجھے ای میل پہ شکریہ کہا اور میری فرمائش کو پروگرام میں شامل کر لیا۔ مجھے کال سے زیادہ ای میل کرنا اچھا لگتا۔ وہاں میں اپنی فرمائش کے علاوہ اس کی خیریت اور تعریف بھی اپنے انداز میں کر دیتی۔

پھر یوں ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان یہ رسمی رابطہ غیر رسمی ہونے لگا اور ہمیں اس کا احساس ہی نہیں رہا۔ ای میل سے سوشل میڈیا اور پھر فون نمبر تک رسائی ہوئی۔ سارا دن اب ہم کسی نہ کسی طرح رابطے میں رہتے۔ واٹس ایپ کے فارورڈ میسج، سوشل میڈیا پہ کوئی ٹیگ پوسٹ یا پھر فارغ اوقات میں کال کے ذریعے ہمارا تعلق ایک دوسرے سے جڑا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

یاسر سے میں نے اپنے متعلق کچھ بھی جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ جانتا تھا میں ایک شادی شدہ عورت ہوں اور میرے شوہر ملک سے باہر ہوتے ہیں۔ خود اس نے اپنے متعلق مجھے یہی بتایا کہ وہ پیشے کے لحاظ سے بینکر ہے اور ریڈیو پہ آر جے کی پارٹ ٹائم جاب اس کا شوق ہے۔ اسے شعر و شاعری سے شغف تھا اور تقریباً اس کی ہر بات میں کسی نہ کسی شعر کا حوالہ ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ میں یاسر کے رنگ میں رنگنے لگی تھی۔

میری اب زندگی سے شکایات کم ہو رہی تھیں اور فہد کو تو شاید اب میں بھول ہی چکی تھی یا پھر معاف کر چکی تھی۔ مجھے اب ان سے کوئی شکایت نہیں تھی اور امید تو اتنے برسوں میں ختم ہو ہی چکی تھی۔ شاید اسی لیے تو جب پچھلے ماہ چند روز وہ میرے ساتھ گزار کر گئے تو مجھے اس دوران ان کی موجودگی بے چین کر رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا زندگی چلتے چلتے کسی ان دیکھے، مشکل اور پیچیدہ موڑ پہ مڑنے لگی ہے۔ کچھ سمجھ تو نہیں پا رہا تھا۔ ان کا رویہ نہ ان کی بیگانگی پر یہ جو کچھ دن کی قربت تھی یہ مجھے بوجھل کر رہی تھی۔ لگتا تھا مجھ سے میری آزادی، میرا سکون چھین لیا گیا ہے۔ ان دس دنوں میں یاسر سے بات نہیں کر پائی اور ایسے لگتا تھا جیسے سانس نہیں لے پا رہی ہو۔ فہد کی واپسی کے بعد یاسر مجھ سے سخت خفا تھا کہ میں ہرگز اس کی اچھی دوست نہیں ہوں جو شوہر کے آتے ہی اسے بھول گئی۔ اب میں اسے کیا سمجھاتی کہ بھلا کوئی سانس لینا بھی بھول سکتا ہے۔ ایک وہی تو تھا میرا اپنا جس کے سامنے مجھے اپنا حالِ دل سناتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اسے منانے کی بہت کوشش کی لیکن اپنی ناراضی ختم کرنے کے لیے اس نے ملاقات کی شرط رکھی۔ فون تک تو ٹھیک تھا پر اس سے ملنا؟

ایسا نہیں تھا کہ مجھے اس پہ اعتبار نہیں تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ہماری دوستی اعتبار کی سرحد چھوتی جارہی تھی۔ پھر اس کا میرا بے تحاشا خیال رکھنا' مجھے اپنی تمام تر مصروفیت کے باوجود توجہ دینا یہ سب مجھے باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ اسے میری پرواہ ہے۔ بھلے اس رشتے کا کوئی نام نہیں تھا کہ چھپے ہوئے تعلق بے نام ہی نہیں بدنام بھی ہوتے ہیں لیکن وہ میرے ہر اس رشتے سے زیادہ اپنا تھا جو معاشرے کی نگاہ میں قابلِ احترام کہلاتے تھے کیونکہ یہ حقیقت تو بس میں ہی جانتی تھی ناں کہ ان سب نے میرا کتنا استحصال کیا ہے۔

میں ان دنوں کچھ ایسی ہی سوچ میں مبتلا تھی۔ خود ترسی اور احساس کمتری سے نکل کر اب میں غصے اور بغاوت کے دور میں داخل ہو چکی تھی۔ پر مشکل تو یہ تھی میں کیا کہہ کر اس سے ملنے جاؤں گی۔ میں تو اکیلی شاپنگ کے لیے مارکیٹ بھی نہیں جاتی تھی۔ فہد نے کبھی نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تو میرے بھی سارے شوق میرے اندر ہی دم توڑ گئے تھے۔ سجنے سنورنے' اچھے کپڑے پہننے کا شوق برسوں گزرے ختم ہو چکا تھا۔ میری زیادہ تر شاپنگ ساس اور نندیں ہی کرلاتیں۔ پتا نہیں کس کس برانڈ کے جوڑے ہوتے میں ان سے فقط تن ڈھانپنے کا کام کرتی تھی۔ فہد آتے تو کوئی نہ کوئی زیور دے جاتے۔ اسے بھی چند روز ان کی موجودگی میں پہن کر میں لاکر میں رکھ دیتی لیکن اب یاسر نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔

اسے مناتے' سمجھاتے اسی کشمکش میں چند اور دن گزر گئے لیکن اس کی بس اب ایک ہی رٹ تھی کہ جب تک خود نہیں آؤ گی میں نہیں مانوں گا۔ میرا بھی دماغ گھوما اور میں نے دو ٹوک منع کر دیا۔ نتیجتاً اس نے کال کرنا بند کر دی۔ ایک آدھ دن انا اور ضد میں' میں نے بھی رابطہ نہیں کیا۔ وہ اکثر اپنے پروگرام میں ڈھکے چھپے انداز میں میرا تذکرہ کرتا تھا جس میں ہماری کسی گفتگو کا حوالہ ہوتا۔ جب اس رات اس نے پروگرام کے دوران مغموم و مضطرب کلام پڑھ کر اپنے بہت پیارے دوست سے منسوب کیا تو میری ساری رنجش پانی بن کر بہہ گئی۔ میں نے پروگرام ختم ہوتے ہی اسے کال کی۔ وہ بھی جیسے میرا ہی منتظر تھا۔

بہر حال اس مختصر وقفے کے بعد ہمارا رابطہ ایک بار پھر بحال ہو گیا۔ دو دن بعد اس کی سالگرہ تھی۔ وہ جانتا تھا میں اس سے ملنے والی نہیں پھر بھی اس نے مجھے لنچ کی دعوت دی۔ اس وقت تو میں خاموش رہی لیکن اب میرا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔ مجھے اسے سالگرہ پہ تحفہ تو بھیجنا ہی تھا اور ظاہر سی بات ہے تحفہ میں کسی سے منگوا نہیں سکتی تھی۔ اس کے لیے تو مجھے خود ہی جانا تھا۔ پہلی بار میں نے ساس سے جھوٹ بولا اور بھابی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کا بہانہ بنایا۔ ساس میری کچھ حیران تو ہوئیں کہ اس سے پہلے تو کبھی برسوں میں میری بھابیوں نے مجھے اپنے کسی کام سے ساتھ چلنے کو نہیں کہا پر چونکہ یہ پہلی بار تھا تو بناء چون چرا اجازت دے دی۔

میں نے جھٹ کپڑے بدلے۔ سلیقے سے ہلکا سا میک اپ کیا جو شاید آخری بار فہد کے قطر سے آنے پہ میری نند کے زبردستی کہنے پر ہی کیا تھا۔ جب انہیں میں ہی دکھائی نہیں دیتی تھی تو پھر میرا سنگھار کہاں سے نظر آتا۔ لاکر سے کچھ جیولری نکال کر پہنی اور چادر اوڑھ کر گھر سے نکل گئی۔ مارکیٹ سے یاسر کے لیے نہایت قیمتی پرفیوم' شرٹ اور سب سے بڑی بیکری سے کیک خرید کر میں نے اسے کال ملائی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس وقت فلاں مارکیٹ میں ہوں۔ وہ پہلے تو حیران پریشان سا سنتا رہا۔ شاید اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میں اس طرح اچانک اسے سرپرائز دینے پہنچ جاؤں گی لیکن پھر فوراً ہی فون بند کر کے اپنے سب کام چھوڑ میرے پاس پہنچ گیا۔ میں اس سے چند منٹ مل کر یہ سب چیزیں پکڑا کر گھر جانا چاہتی تھی لیکن جیسے ہی میں اس کی گاڑی میں بیٹھی اس نے گاڑی وہاں سے بھگا لی۔

میں نے سمجھایا میرے پاس زیادہ وقت نہیں یہ تو بس میں اس کی سالگرہ کے تحائف دینے آئی تھی لیکن اس نے میری ایک نہیں مانی۔ کہنے لگا کیک کاٹے بغیر بھلا میں کیسے

واپس جاسکتی ہوں۔ چاروناچار مجھے اس کی بات ماننا ہی پڑی۔ وہ بے حد خوش تھا اور ڈرائیو کے دوران مجھ سے ڈھیروں باتیں کرتا رہا۔ اس دوران کئی بار اس نے میری تعریف کی کہ میں اسے اس کی امید سے بڑھ کر حسین نظر آئی تھی۔ میرا خیال تھا ہم کسی ریسٹورنٹ میں جارہے ہیں مگر بیس بائیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد اس نے گاڑی ایک رہائشی علاقے کی طرف موڑلی جو نسبتاً غیر گنجان آباد تھا۔ یہ کوئی نئی سوسائٹی تھی اور یہاں ابھی زیادہ تر مکان زیر تعمیر تھے۔ میرا دل ایک پل کو دھڑکا' میرے پوچھنے پر اس نے کہا ریسٹورنٹ میں کسی کی نظر پڑسکتی ہے اور اسے اپنی نہیں میری رسوائی کا خدشہ ہے کہ میں بہرحال ایک شادی شدہ عورت ہوں اور اگر میرے خاندان میں سے کسی نے مجھے وہاں اس کے ساتھ دیکھ لیا تو میرے لیے مشکلات میں اضافہ ہوجائے گا۔ اسی لیے وہ مجھے اپنے گھر لے آیا ہے تاکہ ہم آرام سے بات چیت کے ساتھ اس کی سالگرہ منا سکیں۔ اس کی مثبت سوچ نے میرے دل میں اس کا مقام کچھ اور بلند کیا تھا لیکن اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا اس کا بڑھتا مقام مجھے پاتال میں دھکیل دے گا۔

دو کمروں کے اس چھوٹے سے گھر کی حالت دیکھتے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک کنوارے کی رہائش گاہ ہے۔ جابجا بکھرے میلے کپڑے' مختصر سامان اور پھیلی ہوئی چیزیں دیکھ کر مجھے اس کی بے ترتیبی اور آلکسی پہ شدید غصہ آیا تھا۔ پر چونکہ آج اس کی سالگرہ تھی لہٰذا اسے ڈانٹنے کا پروگرام موقوف کرتے میں نے اسے کیک کاٹنے کو کہا تاکہ جلد از جلد وہ مجھے واپس گھر ڈراپ کرسکے۔ چھوٹی سی لکڑی کی میز پہ کیک کا ڈبہ رکھ کر وہ اس میں سے کیک نکالنے لگا۔ سامنے کچن دیکھ کر میں خود ہی چائے بنالائی۔ اگلے پانچ سات منٹ میں ہم کیک اور چائے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

اسے وقت کا احساس دلاتے ہوئے میں نے واپس چلنے کو کہا لیکن اس نے کچھ دیر اور رکنے کی فرمائش کی۔ مجھے اب واقعی گھر کی طرف سے پریشانی ہورہی تھی۔ مبادا میری ساس' بھابی کو کال کردیں اور میرا جھوٹ کھل جائے تو میں ان کا سامنا کس طرح کروں گی۔ میں نے اس کی منت کرتے ہوئے اسے سمجھایا کہ دیکھو پہلے ہی بہت دیر ہوچکی ہے اب مجھے ہر صورت گھر پہنچنا ہے اس بار میرا لہجہ تھوڑا سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔ اچانک اس کے چہرے کی مسکراہٹ سمٹی۔ وہ میز کے دوسری طرف پڑی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ایک جھٹکے سے اٹھا اور صوفہ پہ میرے برابر آبیٹھا۔ اس وقت ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ اس کی بھوری آنکھوں میں پھیلی وحشت میری آنکھوں میں خوف بن کر ناچ رہی تھی۔ میں وہیں بیٹھی بیٹھی پیچھے سرکی۔ یک دم اس نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔ ماتھے پہ بل ڈالے میں نے اپنی پوری ہمت جمع کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کو پرے دھکیلا پر سچ تو یہ ہے میں اس وقت اتنی خوفزدہ تھی کہ زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ مسکرا کر اس نے میری چادر سے نکلتی بالوں کی لٹوں کو چھوا اور مخمور لہجے میں ایک رومانوی شعر پڑھ کر میرے حسن کی تعریف کی۔

وہی اشعار جو ہر بار اس کی زبانی سننے پہ مجھے بے چین کرتے تھے' آج اس کی حد درجہ قربت اور اپنی بے بسی سوچ کر انگارہ بن کر لگے تھے۔ میں نے اسے ٹوکتے ہوئے اس کے اور اپنے تعلق کی حد کا احساس دلایا۔ جواب میں اس نے کہا۔

"ایسے چھپے ہوئے تعلقات کی کبھی کوئی حد نہیں ہوتی۔"

میں نے اسے سمجھایا میں ایک شادی شدہ باعزت عورت ہوں۔ وہ میرے ساتھ کسی بھی برے ارادے سے باز رہے لیکن اس نے کہا وہ فقط میری تنہائی دور کرنا چاہتا ہے۔ وہی تنہائی جس کا رونا میں اس کے آگے رویا کرتی تھی۔ اب ایک شادی شدہ عورت کی تنہائی تو اسی طرح دور کی جاسکتی ہے ناں..... میں نے آج یاسر علی کا وہ مسخ شدہ چہرہ اپنے سامنے دیکھا جو اتنے مہینوں میں نہیں دیکھ پائی تھی۔

اس فینٹیسی لینڈ میں اس کی آواز سے جڑے اپنے جذبات کو میں نے ہمیشہ ہمارے تعلق کی طرح بے نام

رہنے دیا تھا لیکن اس نے ایک عام مرد بن کر اس بے رنگ محلول میں اپنی ہوس کا زہر گھول کر مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میری چیخیں اس ویران اور دور دراز مقام پہ بنے اس چھوٹے سے گھر کی دیواروں پہ ماتم کرتیں لوٹ آتیں پر اسے مجھ پہ رحم نہ آیا۔ لٹی پٹی میں جب اس گھر سے نکلی تو خود اپنے آپ سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ میری زندگی میں تکالیف پہلے ہی کون سی کم تھیں جو میرے ماتھے پر ذلت کا یہ نیا داغ لگا دیا گیا تھا۔ پر غلطی تو میری ہی تھی۔ اپنوں کے استحصال سے نالاں میں غیروں سے خلوص کی متمنی تھی۔ کیسے بھول گئی تھی کہ مرد سے عورت کا رشتہ فقط محرم کا ہے۔ اس حد سے آگے نکلنے والوں کو انگاروں پہ چلنا پڑتا ہے۔ جبھی کالج کے راستوں پہ کھڑے لفنگوں کی خود پہ جمی نگاہیں میرا خون کھولا دیا کرتیں تھیں۔ آج ایک بھیڑیے نے مجھے نوچتے ہوئے میری روح کو قتل کر ڈالا اور کیا عجب کہ میں زندہ تھی۔ خود نہیں مری تو اسے ہی مار دیتی۔ پر میں شاید اتنی بہادر نہیں تھی اس لیے اپنی تار تار عزت کو پونے تین گز کی چادر میں ڈھانپے ڈگمگاتے قدموں سے وہاں سے چلی آئی۔

نہیں جانتی میں کس طرح گھر پہنچی کہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ ایک چپ تھی جو زبان پہ تالا بن کر لگ گئی تھی۔ کسی سے نگاہ ملانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی' جانے کون کب کس وقت میری آنکھوں کی وحشت بھانپ لے۔ میرے چہرے پہ لکھا درد پڑھ کر سمجھ جائے کہ میرے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔ زندگی یکسر بدل گئی تھی۔ وہ جمود جو پچھلے چھ سالوں سے میری زندگی میں تھا اور یاسر کے آنے پہ ٹوٹا تھا لیکن اس کے نتیجے میں میری شخصیت کا وقار' میرا مان ہی لٹ گیا تھا۔ ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ میں اس وقت کو کوستی جب میں اس کی زبان کے پُرفریب جال میں مکھی کی طرح پھنس گئی تھی۔ پر سچ تو یہ ہے میری خود ترسی نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

کبھی وہ وقت تھا کہ تنہائی مجھے عذاب لگتی تھی اور آج میں خود اس عذاب میں قید رہنا چاہتی تھی۔ سب سے الگ تھلگ' میں بس اب ہر وقت اپنے کمرے میں رہتی۔ گھر والوں نے پوچھا تو طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنایا۔ انہوں نے بھی ہمیشہ کی طرح مجھے میرے ہی حال پر چھوڑ دیا۔ اس دوران فہد کی کال آئی لیکن میں ایک لفظ نہ کہہ پائی بس روتی رہی۔ اس سے پہلے میں نے اگر کبھی ان سے شکوہ شکایات نہیں کی تھیں تو اپنے آنسو بھی ان کے سامنے ضائع نہیں کیے تھے کہ میں اپنا ہر غم اپنے اندر رکھنا چاہتی تھی۔ پھر اسے بتانے سے کیا حاصل جو میری اس حالت کا ذمہ دار تھا لیکن آج میں بے بس ہو گئی تھی۔ وہ میرے رونے سے بوکھلا سے گئے اور وجہ پوچھنے لگے۔ اب کیا کہتی کہ یہ تو میری ندامت ہے جو آنسوؤں کی صورت بہہ رہی ہے۔ میں اپنی اور ان کی عزت کی حفاظت نہیں کر پائی۔ اتنے برسوں میرے اندر ایک یہی تو مان تھا کہ اپنے شوہر کی بے اعتنائیوں کے باوجود کردار کی ہلکی نہیں تھی۔ پر آج میرا یہی غرور مٹی میں مل گیا تھا۔ شاید جب دل میں غرور آجائے تو ریاضتوں سمیت دھتکار دیا جاتا ہے۔

فہد پہلی بار میرے لیے تشویش کا شکار ہوئے اور گھبرا کر انہوں نے میری ساس کو فون کر دیا۔ ان کے یہ کہنے پر کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی فہد نے انہیں مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہا۔ میں جانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ مجھے اپنی بیماری کا علم تھا پر میری ساس پہ فہد کا دباؤ تھا اس لیے انہوں نے میرے انکار پہ توجہ نہیں دی۔ میں ان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ مجھے یقین تھا ڈاکٹر میرے درد کی تشخیص کرنے میں ناکام ہو گی کہ وہ جسم کا علاج کرتے ہیں روح کے مرض کا نہیں لیکن شاید ابھی میرا امتحان' میری آزمائش ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہاں جا کر پتا چلا میں امید سے ہوں۔ ماں بننے والی ہوں۔ چھ سال سے جس خبر کو سننے کے لیے میرے اور میرے سسرال والوں کے کان ترس گئے تھے وہ زندگی کے اس مقام پر ملی جب مجھے خود اپنے ہی وجود سے نفرت ہو چکی تھی۔ میری ساس نے خوشی خوشی واپس آکر فہد کو خبر دی۔ وہ کچھ بے یقین سے ہوئے لیکن ان کے انداز سے لگتا تھا وہ بھی کافی خوش ہیں۔

میرے سسر نے آج تک ماہم کو اپنی بہو مانا تھا نہ ہی اس کی بیٹیوں کو اپنی پوتی خوشی سے ان کے تو پیر زمین پہ نہیں ٹکتے تھے۔ دادا بننے کی خوشی میں ڈھیروں مٹھائیاں بانٹیں۔ دوسری طرف ابا الگ نہال تھے۔ بس ایک میں ہی تھی جو چاہ کر بھی مسکرا نا پائی تھی۔ میری چپ اور بھی گہری ہوگئی تھی۔ دل میں ایک ہی خوف تھا کہ یاسر کا گناہ میری کوکھ میں پل رہا ہے کیونکہ یہ صرف میں جانتی تھی یہ بچہ فہد کا نہیں ہے۔

میرا وجود اچانک گھر کے کونے میں پڑی ناکارہ شے سے بدل کر اہم ہوگیا تھا۔ قطر میں ماہم کے یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں ہوئیں میری ساس اٹھتے بیٹھتے پوتے کی دعائیں کرتیں۔ وہی روایتی سی سوچ کہ وارث تو بیٹے ہی ہوتے ہیں۔ پھر بھلے وہ فہد جیسے بے انصاف ہوں یا یاسر جیسے شیطان تو کیا ایسے وارث سے لاوارث ہونا بہتر نہیں؟ یہ میری ساس کی باتوں کا اثر تھا یا پھر دو بیٹیوں اور ماہم کی چار سالہ رفاقت کے بعد عشق کا زور کم پڑنے لگا تھا۔ اچانک فہد کا رویہ مجھ سے بدل رہا تھا۔ اب وہ اکثر میری خیریت پوچھنے کے لیے فون کرتے اور اپنا خیال رکھنے کی تنبیہہ کرتے۔ دبے دبے لفظوں میں بیٹے کی خواہش بھی کر دیتے اور میں سسک کر رہ جاتی۔ کیسا وقت آیا تھا مجھ پر کہ زندگی میں اس مقام پر میرے بے معنی وجود کو میرے شوہر کی نگاہوں میں اہمیت ملی تھی جب خود مجھے اپنی ذات اور اس میں پلتے وجود سے نفرت ہو چکی تھی۔ میرا بس نہیں چلتا تھا میں پوری دنیا کو آگ لگا دوں اور خود بھی اس آگ میں کود جاؤں۔

جیسے جیسے دن گزر رہے تھے میرا احساس ندامت اور شرمندگی احساس گناہ بنتا جا رہا تھا۔ میں کمزور تھی سچ بتا کر دنیا کی ملامت سہہ نہیں سکتی تھی لیکن اس احساس کے ساتھ زندہ رہنا بھی مشکل ترین ہو چکا تھا کہ میں سب کو دھوکا دے رہی ہوں۔ کئی بار سوچا فہد سے کہہ دوں لیکن ہمت ہی نہیں ہوئی اور پھر ایک دن اسی کیفیت میں خود کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔

چوہے مار گولیاں اٹھائے میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ارادہ تھا کہ آج اس مستقل اذیت سے چھٹکارہ حاصل کر کے رہوں گی۔ بند دروازے کے پیچھے میں اس وقت بوتل کا ڈھکن کھول رہی تھی کہ اچانک مجھے اپنے اندر پلتے نفس کی پہلی کروٹ محسوس ہوئی۔ ایک سنسنی میری ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی مجھے سر سے پیر تک جھنجھوڑ گئی۔ خوف سے گولیوں کی شیشی میرے ہاتھ سے گر کر فرش پہ چکنا چور ہوگئی۔

تو کیا میرا بچہ میرے اس اقدام سے باخبر تھا۔ تو کیا وہ سب دیکھ رہا تھا محسوس کر رہا تھا جو اس نے عین اس وقت مجھے اپنے ہونے کا احساس دلایا جب میں اپنی اور اس کی جان لینے والی تھی۔ تو کیا وہ میری طرح مرنا نہیں چاہتا..... وہ زندہ رہنا چاہتا ہے؟ اس دنیا میں آنا چاہتا ہے۔

لیکن یہ دنیا تو بہت بری ہے۔ ایسی بری دنیا میں آ کر وہ بھی برا بن جائے گا؟

نہیں.....

بری تو میں ہوں کہ میری ایک غلطی نے مجھے گناہ گار بنا دیا۔ دنیا تو سدا سے ایسی ہی ہے۔ خیر کے ساتھ شر بھی ہے تو کیوں میں خیر کے راستے سے ہٹ کر شر کی راہ پہ چلنے لگی۔ یہ سچ ہے میری بدلتی سوچ کے پیچھے میرے اپنوں کی خود غرضی اور میری مستقل جذباتی تناؤ کی کیفیت پوشیدہ تھی پر کیوں میں نے صبر کرنے کے بجائے اپنے جذبات کو بہکنے دیا۔ کس لیے یاسر سے چھپ کر بات کی؟ کیوں اسے اپنی ذاتی باتیں بتائیں۔ جھوٹ بول کر اس سے ملنے چلی گئی۔ ہاں میں ہی بری تھی میں ہی گناہ گار تھی تو کفارہ بھی میں ہی ادا کروں گی۔ اس بچے سے زندہ رہنے کا حق میں نہیں چھین سکتی کہ یہ تو امانت بنا کر مجھے سونپا گیا ہے۔ یہ قدرت کا فیصلہ تھا اسے بدل کر میں ایک کے بعد دوسرا گناہ نہیں کر سکتی تھی۔

اس بچے کے دنیا میں آنے کا وقت اسے تخلیق کرنے والے نے چنا تھا پھر کس طرح میں اسے قتل کر سکتی تھی۔ بے اختیار میرا ہاتھ میری کوکھ پہ جا ٹھہرا۔ میں ایک بار پھر اسے

محسوس کرنا چاہتی تھی۔ دیکھنا چاہتی تھی کہیں یہ میرا وہم تو نہیں۔ اس نے ایک بار پھر مجھے اپنے ہونے کا احساس دلایا..... اس وقت میں نے فیصلہ کیا میں اس بچے کو دنیا میں لاؤں گی۔ فہد کا نہیں لیکن یہ میرا خون تو ہے۔ اس کی بدولت چھ سال بعد میری زندگی میں ٹھہرا جمود ٹوٹا ہے۔ میری بے معنی زندگی کو معنی ملے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اپنا ہر رشتہ ایمان داری سے نبھایا پر شیطان نے مجھے بہکا کر میرے خلوص میں بے ایمانی کی ملاوٹ کر دی لیکن اس کا ازالہ کرتے ہوئے میں اپنے اس رشتے کو پوری دیانت داری سے نبھاؤں گی۔ یہ بیٹی ہوئی تو اسے باکردار ہونے کے ساتھ مضبوط اور اپنا تشخص قائم رکھنے کی تلقین کروں گی تاکہ آگے جا کر میری طرح کوئی اس کا استحصال نہ کر سکے۔ وہ میری طرح سہارے ڈھونڈنے کی بجائے اپنی ذات پہ انحصار کرنا جانتی ہو۔ بیٹا ہوا تو اسے محافظ بناؤں گی۔ اپنے سے جڑے رشتوں کے حقوق کا محافظ دوسروں کی عزت کا محافظ۔ وہ اپنے باپ سا موقع پرست اور ہوس کا مارا نہیں ہوگا۔

میں اپنی تربیت پہ خون کی تاثیر کو حاوی نہیں ہونے دوں گی۔ اپنے اس فیصلے کے بعد مجھ پہ وہ کڑا وقت آسان ہو گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

چند ماہ بعد سعد کو جب نرس نے میری جھولی میں ڈالا تو اس کے پھول سے نازک وجود کو سینے سے لگائے مجھے اپنا ہر غم بھول چکا تھا۔ اس ایک لمحے میں زندگی سے میرے شکوے شکایت ختم ہو گئے تھے۔ فہد بالخصوص سعد کی پیدائش پہ ہم سے ملنے آئے تھے۔ ان کا رویہ مجھ سے پہلے ہی بدل چکا تھا اب تو خوشی سے بے حال تھے پر سچ تو یہ ہے مجھے اب اس بدلے ہوئے رویے سے خوشی نہیں ملتی تھی۔ ایک وقت تھا جب میں ان کی تھوڑی سی توجہ کے لیے تڑپتی تھی۔ میں نے اپنی شادی کے شروع کے دن کہ ان دنوں جذبات بھی عروج پہ تھے ماتم میں کاٹے۔ فہد کے دل و دماغ پہ ماہم کا خیال میری حقیقت پہ حاوی تھا۔ میں تو ان دونوں کی شادی کو بھی بہ حلتِ مجبوری قبول کر چکی تھی لیکن وہ میرے ساتھ شوہر بن کر انصاف نہیں کر پائے پھر آج جب میری زندگی بکھر چکی تھی میرے احساسات میرے اندر ہی گھٹ گھٹ کر دم توڑ گئے تھے ان حالات میں انہیں میں نظر آنے لگی تھی تو اس کی وجہ سعد تھا جسے وہ اپنا بیٹا سمجھتے تھے۔ یعنی آج بھی خود غرضی و ضرورت نے رخ موڑنے پہ مجبور کیا تھا۔ کاش وہ جان پاتے کہ رشتے خلوص کی بنیاد پہ بے لوث ہو کر نبھائے جاتے ہیں نہ کہ ضرورت کے لیے۔ اس سے تو اچھا وہ پہلے کی طرح مجھے اہمیت نہ دیتے تو کم سے کم میرے دل میں ان کا مقام تو بنا رہتا۔

اب میری زندگی کا مقصد بدل چکا تھا۔ میرے جینے کی وجہ میری اولاد بن گئی تھی جس نے مجھے اس دنیا کے سب سے مقدس مقام پہ لا کھڑا کیا تھا۔ ماں بننے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اللہ نے مجھے کتنی بڑی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ آج یہ معصوم جو خود سے کروٹ نہیں بدل سکتا اپنی ہر ضرورت کے لیے میرا منتظر ہے کل اسے یہ معاشرہ سنبھالنا ہے۔ اس کی تربیت کتنی اہم ہے۔ اس کے کردار اور شخصیت پہ ہمارے معاشرے کی بنیاد ہے۔ سیدھا راستہ کٹھن ہے۔ شیطان ہر موڑ پہ بہکانے کو کھڑا ہے تو گناہوں کی شاہراہ میں نہ کوئی موڑ ہے نہ پڑاؤ۔ بس چلتے چلے جانا ہے اور انسان رکتا وہاں ہے جہاں اسے ٹھوکر لگتی ہے۔

میں بھی تو اسی شاہراہ پہ نکل چکی تھی اور پھر ایک ٹھوکر نے مجھے قبر میں اتار دیا اندھیروں میں دھکیل دیا۔ آج میرے سامنے طویل اندھیرے کے بعد روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی تھی۔ میں اب اس روشن لکیر کے ساتھ چلتے زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔

اللہ کے پاس ضرور میرے اس گناہ کی بھی معافی ہوگی مگر میرا یہ کفارہ میرا سکون میرا امان نہیں لوٹا سکتا۔ اب مجھے ساری عمر ندامت کے ساتھ بسر کرنا ہوگی۔

سگ لیلیٰ

سباس گل

"بھوں بھوں....." کتا بھونکنے لگا تو مجنوں بھائی نے پلٹ کر دیکھا۔ اعلانسل کا سفید ٹمی اس کے پیچھے رکھی کرسی کے عقب میں کھڑا اظہار خیال کر رہا تھا۔

"ہائیں..... شادی کی تقریب ہے۔ یہاں کتے کا کیا کام؟" مجنوں بھائی نے تیوری چڑھا کر کہا تو لیلیٰ کے ابا میاں سیٹھ قدرت اللہ بولے۔

"یہ میری بیٹی کا کتا ہے۔ کوئی للو پنجو کتا نہیں..... وہ جان دیتی ہے اس پر، بھلا یہ اپنی مالکن کی شادی میں شریک کیسے نہ ہوگا؟ اور تم کیا جانو کتا بہت وفادار ہوتا ہے۔"

"اچھا..... تو پھر کتے سے ہی کروا دیتے اپنی بیٹی کی شادی۔" مجنوں بھائی نے چڑ کر کہا تو جواب فوری آیا۔

"اسی لیے تو تجھ سے کروا رہا ہوں۔"

"ابے لے..... یہ تو بڑی کراری بے عزتی والی جگت مار دی سسر جی نے۔ اب کیا بولے گا استاد؟" مجنوں بھائی کے بغل میں کھڑا گڈو مدھم آواز میں چکرا کے بولا۔

"تین دفعہ..... 'قبول ہے' بولوں گا۔"

"اب بھی؟" گڈو نے مجنوں بھائی کو حیرت سے دیکھا۔

"کیا مطلب اب بھی..... اب کیا شادی کا سیزن آف ہو گیا ہے؟"

"نہیں مگر جتنی لیلیٰ کے باپ نے تمہاری عزت افزائی کی ہے ناں، تمہیں تھوڑی سی تو محسوس ہونا چاہیے تھی..... غیرت مند مرد ہونے کا ڈیمو ہی دے دیتے۔" گڈو آہستگی سے بولا۔

"تو چپ کر جا سالے..... تیرا ڈیمو دینے کے چکر میں میری لیلیٰ میرے ہاتھ سے نکل جائے گی۔" مجنوں بھائی نے اسے ڈپٹ کر کہا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"ہاں، یہ تو میں نے سوچا ای نئیں۔"

"جو کام تیرے بس کا نہیں ہے اس پر وقت نہ برباد کیا کر سمجھا۔"

"اچھا استاد..... اب سسر کا بدلہ مجھ سے کیوں لے رہے ہو۔ تمہارے نکاح پر ڈھول تاشے بھی تو ہم یار دوست، بھائی لوگ ہی بجائیں گے ناں؟" گڈو نے مجنوں بھائی کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے کہا تو وہ بیزاری سے بولا۔

"ہاں اگر لیلیٰ کے ابا میاں نے بجانے دیے تو..... وہ تو تمہارا بینڈ بجانے کو پر تول رہے ہیں۔"

"آپ کہیں تو ان کے پر کاٹ دیں۔" گڈو فوراً وفاداری اور یاری نبھانے والے انداز میں بولا۔

"وہ کیسے؟" مجنوں بھائی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ تم اپن پر چھوڑ دو اور پھر دیکھو تماشا۔"

"یاد رکھیو، اگر تیرا پلان فیل ہوا تو تیرا انجام عبرت ناک ہوگا۔" مجنوں استاد نے اسے متوقع نتیجے سے ڈرایا۔

"ابھی تو تم اپنی ناک بچاؤ استاد..... اپنی لیلیٰ کو بیاہو اور گھر لے آؤ۔" گڈو نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"وہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں لے ہی آؤں گا۔ بس تو سارے انتظام دیکھ لینا نہیں تو میں تجھے دیکھ لوں گا۔"

"ارے تم فکری نہ کرو استاد۔ گڈو کے ہوتے ہوئے آپ کو ٹینشن لینے کی نہیں۔ بس آپ یہ دیکھ لو کہ آپ کی لیلیٰ بھی کہیں آپ کے ہونے والے سسر جی کی ہم مزاج تو نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لیلیٰ لیلیٰ کرتے سر میں خاک ڈالے سڑکوں صحراؤں میں نکل جاؤ اور لیلیٰ بھی آپ کو پتھر مارنے والوں میں شامل ہو اور یہ گانا بھی نہ گائے آپ کو پتھر کھاتے دیکھ کر کہ.....

کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو
کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

گڈو اسے دیکھتے ہوئے اپنی رو میں بولتا چلا گیا وہ

بھڑک کر بولا۔

"ابے چپ کر منحوس، کالی زبان والے..... کیسی بدفال منہ سے نکال رہا ہے۔ شکل تو تیری اچھی ہے نہیں کم از کم بات تو اچھی کرلے۔"

"ناراض کیوں ہوتے ہو استاد..... میں تو صرف خدشہ ظاہر کررہا تھا تاکہ تم حفاظتی اقدامات کرسکو۔" گڈو مسکرا کر بولا۔ مجنوں بھائی تپے ہوئے انداز میں بولے۔

"بس رہنے دے تو، کچھ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں..... بس یہ یاد رکھیو کہ اگر انتظامات میں کوئی کمی ظاہر ہوئی نا تو میں تجھے اپنے بچاؤ کے لیے حفاظتی اقدامات کرنے کی مہلت بھی نہیں دوں گا۔ اللہ اللہ کر کے تو وہ موٹا راضی ہوا ہے میری اور لیلیٰ کی شادی کو، اب رنگ میں بھنگ نہیں پڑنا چاہیے۔"

"ارے کہاں استاد..... فکر نہ کرو۔ تم بس دولہا بننے کی تیاری کرو۔ ہم تمہارا کمرہ بھی اپنے ہاتھوں سے سجائیں گے۔" گڈو نے مسکراتے ہوئے بہت جوشیلے لہجے میں کہا۔

"اب ہم چلتے ہیں۔" گڈو نے مفلر نما کپڑا اپنے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تو پہلے کیا رینگتے تھے؟"

"کیا استاد..... تم بھی نہ بہت جگتیں مارتے ہو۔ اسٹیج تھیٹر پر کام کرو۔ قسم سے ہزاروں لاکھوں کماؤ گے۔" گڈو نے ہنس کر مفت مشورہ دیا۔

"کیا گالیاں؟" مجنوں استاد بولا۔

"اپنے استاد کے لیے کچھ اچھا نہ سوچیو۔ یہ تیرے بس کا کام ہے ہی نہیں۔ چل شاباش جو کام کہا ہے ناں وہ کر جا کے۔"

"اچھا استاد..... ملتے ہیں بریک کے بعد۔" گڈو مسکراتا ہوا بولا اور وہاں سے چلا گیا۔ مجنوں استاد خوشی سے مسکراتے ہوئے اپنی بڑھی ہوئی شیو والی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ہاں لیلیٰ پیاری..... ملتے ہیں بریک کے بعد۔" وہ زیرلب بولا۔ اس کے چہرے پر خوشی مسکراہٹ کی صورت کھلی پڑ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

یوں تو مجنوں خوش شکل عملی آدمی تھا بلکہ اٹھائیس سالہ جوان تھا۔ محلے میں بڑی سی پرچون کی دکان تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے جنرل اسٹور میں بدل گئی تھی، شہر کے وسط میں ورکشاپ بھی تھی، محنتی تھا تب ہی ترقی کرگیا۔ محلے میں ہر کسی کے کام آتا مگر کسی کی غلط بات برداشت نہیں کرتا تھا۔

تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ مجنوں کے ابا فرہاد حسین کو گزرے تین برس بیت گئے تھے۔ جانے کیا سوچ کر ابا فرہاد نے بیٹے کا نام مجنوں رکھا تھا۔ مجنوں کی اونچی لمبی قامت اور کھلی کھلی گندمی رنگت کے ساتھ دلکش نین نقش والی شخصیت پر بہت سی دوشیزاؤں کے دل دھڑکتے تھے مگر مجنوں میاں تو بس نام کے ہی مجنوں تھے۔ کسی کو عاشق کی نظر سے دیکھنا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ ان کی اماں نادرہ بیگم کو ان کا گھر بسانے کی تمنا تھی اور وہ تھے کہ کسی لڑکی کے لیے ہاں نہیں کرتے تھے۔

"استاد تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ خالہ کو ہر وقت تمہاری شادی کی فکر رہتی ہے۔ اچھا کھاتے کماتے ہو ایک سے ایک اچھے گھر کی لڑکی کا رشتہ موجود ہے تمہارے لیے، تم پتا نہیں کیوں ہاتھ پیلا کراتے؟" ایک دن گڈو نے سنجیدگی سے اس سے بات کی۔ گڈو اس کا خالہ زاد بھائی تھا اور ورکشاپ پر اس سے کام سیکھتا رہا تھا۔ اب ماہر مکینک بن گیا تھا۔ ایک طرح سے اس کا دایاں بازو تھا اور وہ اگر کسی سے کہہ سن لیتا تھا تو وہ گڈو ہی تھا اور اگر وہ بات نہ کرنا چاہتا تو خاموش رہتا۔ ابھی بھی ایسا ہی ہوا تو گڈو نے چڑ کر اس کا کندھا ہلایا۔

"مجنوں استاد....."

"کیا ہے بے؟" وہ بولا۔

"تم شادی کیوں نہیں کرتے؟"

"جب محبت ہوجائے گی تو شادی بھی کرلیں گے۔"

مجنوں بھائی کا سیدھا سا جواب آیا تو گڈو زچ آ کر بولا۔

"اچھا اور یہ محبت کب ہوگی؟"

"کب ہوگی، یہ تو اب اللہ ہی جانے۔ محبت پوچھ کر، وقت کا حساب کتاب کر کے تھوڑی ہوتی ہے۔ یہ تو بس ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔" مجنوں استاد نے گہرے لہجے میں کہا۔

"اللہ کرے اس مجنوں کو لیلیٰ جلد مل جائے۔" گڈو نے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے دعا کی۔

"مل جائے گی..... مل جائے گی تو فکر نہ کر کام کر۔" مجنوں استاد نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی کمر پر تھپکی دی۔

"اچھا استاد۔" وہ منہ بسور کے پھر سے کام پر لگ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس روز مجنوں استاد ورکشاپ پر اکیلا کام کر رہا تھا۔ گڈو چائے لینے گیا تھا باقی کاریگر بھی قریبی ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھانے گئے ہوئے تھے۔ اسی دوران ایک سفید رنگ کی ہونڈا سوک آ کر ورکشاپ کے قریب رکی۔ مجنوں استاد کرسی پر بیٹھا سامنے رکھے میز پر کاریگروں کا کھاتہ کھولے ہوئے نظریں دوڑا رہا تھا۔ گاڑی کی آواز سن کر اس نے نگاہ اٹھائی تو سفید کار میں سے سیاہ رنگت والی لڑکی برآمد ہوئی۔

"یہ کیا..... یہ سنگھاڑا الٹا ہو گیا کیا؟" مجنوں استاد نے اس لڑکی کو دیکھتے ہی بے اختیار کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ گھونگھریالے بالوں والی ماڈرن سی لڑکی، سرخ ٹراؤزر اور پیلی شرٹ میں ملبوس تھی۔ دوپٹا آج کل کے ماڈرن فیشن کے مطابق غائب تھا۔ لہٰذا وہ بھی بنا دوپٹے کے، اٹھلاتی ہوئی اپنے ہاتھوں میں سفید رنگ کا شیفرڈ کتے کی زنجیر تھامے ورکشاپ میں داخل ہوئی۔

"یہ کتیا کے ساتھ کتے کا کیا کمبینیشن ہے بھئی؟" وہ بڑبڑایا۔

"سنو..... میری گاڑی بار بار بند ہو رہی ہے۔ ذرا چیک کرنا کیا مسئلہ ہے۔" اس لڑکی نے اپنے سن گلاسز اتارتے ہوئے مجنوں استاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

aanchalpk.com

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

شائع ہو گیا ہے

لفظ لفظ منگا کے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبو کے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل ملے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

"جی اچھا..... گاڑی کی چابی دیں میڈم جی۔"

"چابی کیوں؟"

"نبض ہاتھ میں لوں گا تو پتا چلے گا ناں کہ مرض کیا ہے؟"

"پتا نہیں کیا بول رہے ہو..... یہ لو چابی۔" لڑکی نے چابی اس کی طرف بڑھائی۔ مجنوں استاد نے کتے کو بھنویں سکیڑ کے دیکھا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا بونٹ کھلا تو کتا بھی اس کے قریب آ گیا اور اسے دیکھتے ہوئے بھونکا۔

"کیا ہے؟" مجنوں استاد نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

"یہ پوچھ رہا ہے کہ گاڑی میں کیا مسئلہ ہے؟" جواب میں لڑکی بولی۔

"اگر یہ کتا اتنا ہی سمجھ دار ہے تو اسے ہی بھیج دیا ہوتا۔ گاڑی خود لانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ جل کر بولا۔

"کیا کہا؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"گاڑی کا انجن گرم ہو گیا ہے۔ پانی ختم ہو گیا ہے، تھوڑی دیر اسے ٹھنڈی ہوا لگاؤ، پانی پلاؤ اپنے آپ ٹھنڈی ہو جائے گی۔" مجنوں استاد نے گاڑی کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد کہا۔

"یعنی مجھے رکنا پڑے گا۔"

"مرضی ہے آپ کی میڈم جی..... آپ نہ رکنا چاہو تو اپنا کتا یہاں چھوڑ جاؤ۔ یہ گاڑی ٹھیک ہونے پر لے آئے گا۔" مجنوں استاد نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کتے کو دیکھ کر کہا تو وہ پھر بھونکنے لگا۔

"شٹ اپ۔" لڑکی نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"اپنے کتے کو بھی شٹ اپ کرا لو میڈم جی..... خوامخواہ بھونکے چلا جا رہا ہے۔"

"اسے تمہاری بات بری لگی ہے اسی لیے بھونک رہا ہے۔"

"واہ بھئی بڑا احساس کتا ہے یہ تو۔" مجنوں استاد تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ اتنے میں کتا بھونکتے بھونکتے تیزی سے سڑک کی طرف بھاگا۔

"ٹمی..... ادھر آؤ میرے پاس۔" لڑکی کتے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو مجنوں استاد نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کتے کو دیکھا جو بھاگا جا رہا تھا کہ ایک طرف سے تیز رفتار ویگن آئی اور قریب تھا کہ کتا ویگن کی زد میں آ جاتا مجنوں استاد نے بھاگ کر اس کی دم پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ فضا میں کتے کی دردناک چیخ کے ساتھ اس کی مالکن کی خوفناک چیخ بھی گونجی تھی۔

"ابے کیا ہو گیا۔ ذرا سی بات کا اتنا برا منا لیا کہ خودکشی کرنے چلا تھا۔ واہ بھئی، تُو تو بہت ہی نازک مزاج اور حساس طبیعت کا کتا نکلا۔" مجنوں استاد نے کتے کو دیکھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

کتا مسلسل بھونکے جا رہا تھا اور اس اچانک افتاد پر ہانپ بھی رہا تھا۔ لڑکی بھاگ کر اس کے قریب آئی اور کتے کو اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"اوہ مائی ٹمی..... تھینک گاڈ تم ٹھیک ہو۔" وہ کتے کو اپنے ساتھ لپٹا کر بول رہی تھی۔ مجنوں استاد حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اس سے مخاطب ہوئی۔

"تھینک یو ویری مچ..... تم نے میرے ٹمی کی جان بچا لی۔"

"ہمارے محلے میں ایک خالہ رہتی ہے۔ انہوں نے اپنے پوتے کا نام ٹمی رکھا ہے تمکین عرف ٹمی اور آپ نے اپنے کتے کا نام ٹمی رکھا ہوا ہے۔ غریب آدمی پیار میں جو نام اپنے بچوں کا رکھتا ہے۔ وہی نام امیر آدمی اپنے بلی کتوں کے رکھتا ہے عجیب ہی معاملہ ہے۔ بھئی اپنی تو سمجھ سے باہر ہے۔" مجنوں استاد نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے یہ صرف کتا نہیں ہے۔" لڑکی بولی۔ "یہ میرا دوست، باڈی گارڈ ہے اس نے ایک دفعہ میری جان بچائی تھی۔" لڑکی نے بتایا۔

"اچھا..... اوہ کیسے؟"

"مجھے مارکیٹ میں کچھ لڑکے چھیڑنے لگے۔ یہ

اچانک کہیں سے آ گیا اور ان پر جھپٹ پڑا۔ وہ ڈر کر چیختے چلاتے اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ گئے۔"

"ویسے کیا واقعی آپ کو لڑکوں نے چھیڑا تھا؟"

"ہاں۔"

"اندھے تھے کیا؟" مجنوں استاد کی زبان پھسلی۔

"کیا مطلب؟" لڑکی نے اسے گھورا۔

"میڈم جی..... بنا دوپٹے، چادر کے جب آپ بازار میں گھومو گی تو کوئی بھی چھیڑ سکتا ہے چاہے مذاق میں ہی سہی۔ خیر اپنے ٹمی کو سنبھال کے رکھیں۔ ابھی کتے کی موت مارا جاتا۔" مجنوں استاد نے گاڑی کا بونٹ بند کرتے ہوئے کہا۔ کتا پھر سے بھونکنے لگا۔ مجنوں استاد نے بھی اسے گھورا۔

"اللہ نہ کرے اسے کچھ ہو۔ اسے تو میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔ جب سے اس نے میری جان بچائی ہے اسے اپنے ساتھ ہی کھلاتی پلاتی ہوں۔"

"پھر تو ساتھ سلاتی بھی ہوں گی اس کو۔"

"کیا؟"

"کچھ نہیں..... میں کہہ رہا تھا کہ مجھے آپ امیروں کی امیری آج تک سمجھ نہیں آئی۔ کتے بلے تو خود پالتے ہیں اور ان کے اپنے بچے نوکر پالتے ہیں۔" مجنوں استاد نے صاف گوئی سے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"تم بہت دلچسپ آدمی ہو اچھے لگے یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ کبھی ضرورت ہو تو ملنے آ جانا۔ تم نے میری ٹمی کی جان بچائی ہے اس لیے تم میرے محسن ہو۔" لڑکی نے اسے اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے اپنا کارڈ نکال کر دیا۔

"اچھا جی، میں..... ویسے مجنوں نام ہے میرا۔"

"میرا نام لیلیٰ ہے۔" لڑکی نے ایک دم سے خوش ہو کر اپنا تعارف کرایا۔

"اچھا جی..... یہ تو بڑا سنگین اتفاق ہو گیا پھر تو قیس بھی یہیں کہیں دم دبائے بیٹھا ہو گا۔" مجنوں مسکراتے ہوئے بولا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔ مجنوں کو لگا جیسے کہیں بادل سے گرجے ہوں۔

"یا اللہ خیر..... آپ ہنس رہی ہو یا ڈرا رہی ہو۔"

"تم واقعی دلچسپ آدمی ہو۔"

"شکریہ..... یہ سیٹھ قدرت اللہ آپ کے والد گرامی ہیں کیا؟" مجنوں استاد نے اس کا دیا ہوا وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر پوچھا۔

"ہاں یہ میرے ڈیڈی ہیں تم جانتے ہو انہیں؟" لیلیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"لو انہیں کون نہیں جانتا۔ پرانی مارکیٹ میں کباڑیے کی دکان تھی ناں ان کی؟ واہ رے اللہ کی قدرت..... قدرت اللہ آج سیٹھ قدرت اللہ بنا ہوا ہے پرانا مال بیچ بیچ کر نیا مال بنا لیا..... سنا ہے کاغذ کا کارخانہ لگا لیا ہے قدرت اللہ نے مگر پرانا کاٹھ کباڑ اب بھی خرید رہا ہے وہی ہے ناں یہ؟" مجنوں استاد نے اسے دیکھتے ہوئے ہنس کر طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ خجل سی ہو کر پٹ پٹا کر بولی۔

"نہیں تو، ایسا کچھ نہیں ہے میرے ڈیڈ نے بہت محنت سے بنایا ہے سب کچھ..... ہمارے باپ دادا بھی کافی امیر تھے۔"

"مان لو میڈم جی کہ آپ نئے نئے امیر ہوئے ہو نو دولتیے ہو ذرا حلیہ تو دیکھو اپنا۔ یہ لال پیلے کپڑے کالا رنگ اور سفید کار..... یہ جدی پشتی فقیری اور غریبی کی داستان سنا رہے ہیں۔ غریب آدمی کو تین رنگ کا لباس پہننے کی عادت ہو ہی جاتی ہے۔ کسی رنگ کی شلوار پہن لی، کسی رنگ کا کرتا پہن لیا۔ دوپٹا پھٹا پرانا میلا سا ملا تو اوڑھ لیا، زیادہ غربت بڑھ جائے تو دوپٹا بھی اتر جاتا ہے۔ بس یہی بیک گراؤنڈ ہے آپ کا بھی۔" مجنوں استاد بولتا چلا گیا یہ دیکھے بنا کہ لیلیٰ کو اس کی باتوں سے سبکی محسوس ہو رہی تھی۔

"شٹ اپ..... تم چھوٹے اور غریب لوگوں کا یہی مسئلہ ہے۔ ذرا سا مسکرا کر بات کر لو یا تعریف کر دو تو تم لوگ اپنی اوقات بھول جاتے ہو اور سر پر چڑھ کر ناچنے لگتے ہو۔ یہ پکڑو اپنے کام کا معاوضہ، اینڈ شٹ یور ماؤتھ۔" لیلیٰ نے غصے سے تیز لہجے میں کہتے ہوئے اپنے پرس میں سے سو کا نوٹ نکالا اور وہاں رکھی میز پر پھینک دیا اور ٹمی کو لے کر اپنی

گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ ٹمی مجنوں استاد کو دیکھتا بھونک رہا تھا۔ مجنوں استاد کو غصہ آ گیا اور وہ اسے ہاتھ سے مارنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"ابے چپ کر سالا..... کتا کہیں کا۔" لیلیٰ نے ٹمی کو گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ سن گلاسز آنکھوں پر لگائے، گاڑی اسٹارٹ کی اور وہاں سے چلی گئی۔

❁.....❁.....❁

گڈو نے اسے گاڑی میں بیٹھتے اور جاتے دیکھا تھا مجنوں استاد کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

"استاد..... وہ سانولی حسینہ کون تھی کتے کے ساتھ؟"

"سات سلام ہیں تیری سوچ پر، ہمیشہ چھوٹی سوچ ہی رکھنا، نہ تجھے اتنی بڑی کار نظر نہیں آئی جس میں وہ لڑکی بیٹھ کے گئی ہے۔ وہ چٹا نک بھر کا شیطانی کتا تجھے نظر آ گیا۔" مجنوں استاد پہلے ہی لیلیٰ کی باتوں کی وجہ سے غصے میں تھا، گڈو کے پوچھنے پر بھڑک اٹھا۔

"اچھا اب بتاؤ ناں کون تھی وہ لڑکی؟" گڈو نے اس کا غصہ نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیلیٰ تھی۔"

"ہیں..... وہ مجنوں والی لیلیٰ۔" گڈو پرجوش لہجے میں بولا۔

"تیرا دماغ خراب ہوا ہے کیا؟ وہ سیٹھ قدرت اللہ کی بیٹی تھی۔"

"یہاں کیوں آئی تھی؟" گڈو کا سوال خاصا بے تکا تھا۔ مجنوں استاد کا پارہ ہائی ہونا لازمی تھا۔

"پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے اس کے اس لیے وہ یہاں چورن پھکی لینے آئی تھی۔ ایک دوں گا الٹے ہاتھ کا، سالے یہاں کوئی کیوں آتا ہے اپنی گاڑی لے کر، خراب ہوتی ہے تو ہی آتا ہے ناں؟" مجنوں استاد نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے ناراض اور تپے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ خجل سا ہو کر گاڑی ٹھیک کرنے کے کام میں لگ گیا۔ مجنوں استاد کافی دیر تک لیلیٰ کی باتوں پر کڑھتا رہا۔

"مجنوں استاد..... اول درجے کے منہ پھٹ اور بدلحاظ ہو تم۔ ایک لڑکی کو ایسی جلی کٹی طنز بھری باتیں سناؤ گے تو کیا وہ خاموش رہے گی۔ لیلیٰ نے جو کہا۔ ٹھیک کہا تم کو اس کی امیری غریبی سے کیا لینا..... کل اس کا باپ کباڑیہ تھا آج سیٹھ ہے تو اس میں برائی کیا ہے۔ اس کے دن پھر گئے ہیں تو یہ اللہ کی قدرت اور رحمت ہے ناں اس پر۔ تو کون ہوتا ہے اس کی بیٹی کو طعنے دینے اور بے عزت کرنے والا..... شرم کر ایک لڑکی کو تو اس کی غربت یاد دلا کے اس کی دولت کا مذاق اڑا رہا تھا تو لیلیٰ کا آئینہ نہیں دکھا رہا تھا۔ اصل میں تو اپنا کم ظرف ہونا، اپنا جلا پا دکھا رہا تھا وہ بکواس کرتے وقت، تف ہے تیری سوچ پر۔" مجنوں استاد کو سارا وقت اس کا ضمیر کٹہرے میں کھڑا کیے لعن طعن کرتا اور شرم دلاتا رہا۔

رات کو وہ سونے لیٹا تو بند آنکھوں کے سامنے وہ کالی لیلیٰ پوری آب و تاب کے ساتھ آ کر مسکرانے لگی۔ مجنوں استاد نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر میں پھر سے آنکھیں موندیں پھر وہی لیلیٰ نظر آنے لگی۔ چار پانچ بار اسی طرح ہوا تو وہ جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔

"کیا مصیبت ہے یار..... یہ لیلیٰ کیوں میری آنکھوں میں گھسی چلی آ رہی ہے۔ وہ بھی ہیل والی جوتی سمیت؟ حالانکہ میں نے تو ٹھیک ٹھاک سی بے عزتی کر دی تھی اس کی۔" اچانک مجنوں استاد پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ اس لیلیٰ کے عشق میں مجنوں ہو رہا ہے۔ یہ انکشاف کسی صدمے سے کم نہ تھا مجنوں استاد کے لیے اور ان سے بڑھ کر ان کی اماں نادرہ بیگم کے لیے۔ وہ تو سنتے ہی غش کھا گئیں۔

"ارے وہ حبشن ہی ملی تھی تجھے دل لگانے کو..... میں کسی حبشی حسینہ کو اپنی بہو نہیں بنانے کی کہہ دیا میں نے۔" ہوش آیا تو اماں کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوئے مگر مجنوں استاد اپنا مرض لے کر لیلیٰ کے دیئے کارڈ پر لکھے پتے پر پہنچ گئے۔

لیلیٰ نے اسے گھر میں دیکھا تو خوش گوار حیرت میں گھر گئی۔ وہ اس وقت اپنے ٹمی کو گود میں لیے لان میں چیئر پر بیٹھی تھی۔ مجنوں استاد وہیں چلا آیا۔

"سلام میڈم جی۔" مجنوں استاد نے لیلیٰ کو دیکھتے

ہوئے سلام کیا۔ وہ سیاہ شرٹ و ٹراؤزر میں ملبوس اپنے گھونگھریالے بال کھولے سچ مچ حبشی عورت دکھائی دے رہی تھی۔

"وعلیکم سلام..... تم یہاں کیسے آئے؟"

"رکشے سے آیا ہوں۔" جواب برجستہ دیا۔

"شاید تم اس دن کی گئی بدتمیزی اور بے عزتی کی معافی مانگنے آئے ہو۔" لیلیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا۔

"آیا تو مانگنے ہوں پر معافی نہیں تمہارا ہاتھ۔"

"کیا مطلب؟" وہ کھڑی ہوگئی، ٹمی اس کی بانہوں میں تھا اور مجنوں استاد کو دیکھتا عجیب عجیب آوازیں نکال رہا تھا۔

"مجھے محبت ہوگئی ہے تم سے..... اس لیے تمہارے ابا سے تمہارا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔ بولو مجنوں سے شادی کروگی؟" مجنوں استاد نے ایک دم سے تمہید باندھے بغیر اظہار محبت کرنے کے ساتھ ہی اسے شادی کی پیشکش بھی کردی وہ تو دنگ رہ گئی نہ صرف دنگ بلکہ دل ہی دل میں خوشی سے جھوم اٹھی تھی کہ اسے اتنا ہینڈسم لڑکا شادی کی پیشکش کررہا ہے مگر مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔

"کیوں..... میں تم سے شادی کیوں کروں؟"

"دو چار کالے کالے بچے پیدا کرنے کے لیے۔" وہ چڑ کر بولا۔

"سیدھا سیدھا بول رہا ہوں کہ محبت ہوگئی ہے جب ہی شادی کی آفر کررہا ہوں..... منظور ہے تو بولو ورنہ رہنا ساری زندگی اپنے اس کتے کے ساتھ۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے کیا؟" وہ تنک کر بولی اور ٹمی کو نیچے لان میں چھوڑ دیا۔

"جی ہاں، دماغ ہی خراب ہوا ہے ورنہ صحیح دماغ رکھنے والا بھلا تمہیں کیوں پروپوز کرے گا۔"

"شٹ اپ۔" وہ مجنوں کے طنزیہ لہجے پر غصے سے بولی۔

ٹمی نے ایک قاتل نگاہ مجنوں استاد پر ڈالی اور بھونکتا تیزی سے گھر کے اندر کی جانب بھاگ گیا۔

"لو بھئی، تمہارا ٹمی تمہارے ابا سے شکایت لگانے گیا ہے۔ ان کی خوف صورت میرا مطلب ہے خوب صورت بیٹی کو خوبرو نوجوان شادی کے لیے پروپوز کررہا ہے۔"

"شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔" لیلیٰ تیز لہجے میں بولی۔

"بات سنو میڈم جی..... یہ شٹ اپ، سوری، گیٹ آؤٹ جتنی انگریزی ہمیں بھی آتی ہے۔ اس سے زیادہ سیکھ لو تو شاید کوئی کالا انگریز تمہیں اپنے نکاح میں قبول کرلے۔ ورنہ ہم تو ہیں ہی۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ ایک فون کردینا اپن بارات لے کر آجائے گا۔ میرا مطلب ہے ہم بینڈ باجہ بارات کے ساتھ حاضر ہوجائیں گے۔ چلتے ہیں اپنے کباڑیے سے مشورہ کرلیجیے گا۔ اللہ حافظ۔" مجنوں استاد اپنی بات مکمل کرکے سامنے میز پر اپنا وزیٹنگ کارڈ رکھ کر وہاں سے چلا گیا۔ لیلیٰ وہیں کھڑی سوچتی رہ گئی۔

❁.....❁.....❁

سیٹھ قدرت اللہ کو مجنوں کا رشتہ غنیمت لگا اور فوراً ہاں کردی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مجنوں کو گھر داماد بنالیں گے۔ اس کا جنرل اسٹور اور ورکشاپ تو تھا ہی ساتھ ہی اپنے کاروبار میں شراکت کا لالچ دے کر اسے اپنی مٹھی میں کرلیں گے۔ لیلیٰ کی ماں کا انتقال ہوچکا تھا۔ لیلیٰ کو الٹے سیدھے بے ڈھنگے ملبوسات اور فیشن کا شوق تھا۔ تعلیم واجبی سی تھی یعنی بارہ جماعت پاس اور وہ بھی تھرڈ ڈویژن میں..... بظاہر اس میں کوئی بھی ایسی خوبی نہ تھی کہ کوئی لڑکا اس سے شادی کا طلب گار ہوتا۔ ایسے میں مجنوں کا رشتہ باد صبا کے جھونکے سے کم نہ تھا۔

سیٹھ قدرت اللہ کا خیال تھا کہ مجنوں اس کی بیٹی کے ذریعے اس کی جائیداد پانے کا خواہاں ہے تب ہی وہ اس کی کم صورت بیٹی سے محبت کا اظہار کرکے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔ مجنوں کے سامنے اس نے خود کو بڑا معتبر اور بااختیار ظاہر کرنے کی کوشش کی اور اسے جتا بھی دیا کہ بیٹی کی پسند اور خوشی کا خیال کرتے ہوئے یہ رشتہ قبول کیا ہے۔ ادھر مجنوں استاد کی ماں نادرہ بیگم بیٹے کی پسند کے آگے ہار ماننے پر مجبور ہوگئی تھیں۔

"میں نے تو دل پر پتھر رکھ کے اس جشن کا رشتہ مانگا ہے..... دل تو چاہ رہا تھا وہی پتھر اس جشن کے سر پر دے ماروں۔ ہائے اس کالی نے کالا جادو کروایا میرے مجنوں پر ورنہ کیا مجنوں کے لیے لڑکیوں کا کال تھا۔" نادرہ بیگم نے آہیں بھرتے ہوئے صدمے سے کہا تو مجنوں کی چھوٹی بہن بولی۔

"اماں..... بیٹے کی خوشی کے لیے یہ کڑوا گھونٹ پی لو۔"

"کڑوا گھونٹ کہاں ہے؟ یہ تو زہر کا گھونٹ ہے۔" نادر بیگم نے دکھی دل کے ساتھ کہا۔

"قسمت کا لکھا ٹل تو نہیں سکتا ناں خالہ۔" گڈو بولا۔

"ہر بلا ٹل سکتی ہے کالی بلا بھی صدقے میں دی جائے تو۔" مجنوں کی بہن بولی۔

"اگر کوئی خود ہی بلا کو اپنے گلے کا ہار بنانا چاہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟ خیر چھوڑو اس افسوس ناک بحث کو۔ مجنوں کی خوشی کے لیے اٹھ جاؤ بس۔" نادرہ بیگم نے خود کو سنبھالتے ہوئے ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی تیار ہونے چل دیے۔

❁.....❁.....❁

شادی کی تقریب کا انعقاد لیلیٰ کے بڑے سے بنگلے کے لان میں تھا۔ مجنوں بارات لے کر صحیح وقت پر پہنچ گیا تھا۔ پٹاخے، انار پھوڑے جا رہے تھے۔ گڈو کے ساتھ ساتھ مجنوں استاد کے سب یار دوست کزن ڈھول کی تھاپ پر نہ صرف بھنگڑے ڈال رہے تھے بلکہ منہ سے عجیب و غریب آوازیں بھی نکال رہے تھے۔ سیٹھ قدرت اللہ نے آدھے گھنٹے تک تو یہ سب ہلہ گلہ بڑے ضبط سے برداشت کیا اور آخر کار چیخ کر بولا۔

"ابے بس کرو..... یہاں کوئی ناچ گانے کا مقابلہ ہو رہا ہے کیا؟ مراثیوں کی طرح ناچے چلے جا رہے ہیں یہ اپنے فن کا مظاہرہ کہیں اور جا کے کر لینا۔ ابھی وہ کام کرو جس کے لیے یہاں آئے ہو۔"

"او چاچا..... کوئی چائے پانی کا تو پوچھ لے باراتیوں کو یا سوکھے منہ نکاح کے کلمے پڑھوا کے چھوہارے ہی کھلائے گا؟" گڈو نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"او چھوہارے جیسے منہ والے..... تم لوگ ٹک کے بیٹھو گے تو ہم چائے پانی کا پوچھیں گے ناں۔ چلو بیٹھو ادھر پنڈال میں۔" سیٹھ قدرت اللہ نے گڈو کو دیکھتے ہوئے چڑ کے کہا اور پھر اپنے ملازم سے مخاطب ہوا۔

"او بالے..... ٹھنڈی بوتلیں پہنچا ادھر..... پلا باراتیوں کو جتنے دے آئے ہیں سارے۔"

"ابھی لایا سیٹھ جی۔" ملازم فوراً حکم کی تعمیل میں لگ گیا۔ باراتیوں کو ٹھنڈی بوتلیں پلانے کے بعد نکاح خواہ کو نکاح پڑھوانے کے لیے بلایا گیا۔ مجنوں استاد سفید کرتے شلوار پر سیاہ سنہری کام والی شیروانی پہنے ہوئے تھا۔ پاؤں میں کھوسہ پہنے دلکش نین نقش اور کلین شیو چہرے کے ساتھ خوب جچ رہا تھا۔ نادرہ بیگم تو اس کی بلائیں لیتے تھک نہیں رہی تھیں۔ گھر سے نکلنے سے پہلے مجنوں استاد کا صدقہ بھی دیا گیا تھا۔ ایک کالے بکرے کا کالی اور بری بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ قبول ایجاب کی رسم شروع ہوئی تو گڈو کی زبان پھسلی۔

"اسے کہتے ہیں آ بیل مجھے مار۔"

"نہ نہ بیل نہیں آبلا مجھے رلا۔" نادرہ بیگم اس کی بات کی تصحیح کرتے ہوئے بولیں۔

"دولہا دلہن آمنے سامنے بیٹھیں گے تب ہی نکاح ہوگا۔" مجنوں استاد نے عجیب سی فرمائش کر دی۔

دلہن لیلیٰ تو اندر اپنے کمرے میں بیٹھی تھی اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں۔

"ہیں..... بابلا ہوا ہے کیا؟" نادر بیگم جو برابر والے صوفے پر براجمان تھیں، اس کی بات سن کر بولیں۔

"آپ کو ابھی بھی شک ہے۔" گڈو کی رگ ظرافت پھڑکی۔ اس کا اشارہ مجنوں استاد کی لیلیٰ جیسی کم صورت لڑکی سے بیاہ رچانے کی طرف تھا۔

"ارے مجھے تو یقین ہے۔ ضرور اس لیلیٰ نے جادو کروایا ہے۔" نادرہ بیگم کھسر پھسر کرتے ہوئے بولیں تو مجنوں

استاد نے کہا۔

"میری بھی سن لو یا آپس میں اظہار ہمدردی ہی کرتے رہو گے۔"

"میں کس طرح کہوں سیٹھ سے کہ بیٹی کو نکاح سے پہلے دولہے کے سامنے لاکے بیٹھا دے۔" نادرہ بیگم چڑ کر بولیں۔

"اماں..... میں اندر جاکے دلہن کو دیکھ آؤں؟" مجنوں استاد کی بہن عامرہ نے اجازت طلب کی تو نادرہ بیگم جلے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"کیوں؟ ایسی کون سی حور پری ہے وہ جو تو اسے دیکھنے کو اتاولی ہوئی جارہی ہے۔ آجائے گی تھوڑی دیر میں یہاں پھر ساری زندگی دیکھیو۔"

"اماں..... دولہا دلہن کا نکاح آمنے سامنے بیٹھ کر ہی ہوگا۔" مجنوں استاد نے پھر سے کہا تو نادرہ بیگم غصے سے بولیں۔

"صبر نہیں ہوتا تیرے سے۔"

"خالہ مان لو اس کی بات۔ ہوسکتا ہے لیلیٰ کو سامنے دیکھ کر مجنوں استاد اپنے فیصلے پر غور کرلیں اور اپنا ارادہ بدل لیں۔" گڈو نے آہستگی سے ان کے کان میں کہا تو وہ پُرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"کہہ تو ٹھیک رہا ہے۔ اللہ تیری زبان مبارک کرے۔ ٹھہر جا میں قدرت اللہ سے بات کرتی ہوں۔" نادرہ بیگم نے سیٹھ قدرت اللہ سے دلہن کو اسٹیج پر لانے کی بات کی تو وہ جیسے انتظار میں ہی تھا ادھر انہوں نے کہا ادھر دلہن حاضر ہوگئی۔ سرخ عروسی جوڑے میں طلائی زیورات سے لدی پھندی گہرے میک اپ میں میچنگ چوڑیاں، میچنگ جوتے پہنے ریڈ انڈین لگ رہی تھی۔ مجنوں استاد سمیت ان سب نے دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے۔

"اوئی ماں..... یہ تو لگ رہا ہے کوئلے کی کان میں آگ لگ گئی ہے۔"

"تجھے کیوں آگ لگ رہی ہے..... تیری شادی نہیں ہورہی اس لیے؟" مجنوں استاد نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"ایسی شادی سے بہتر ہے کہ میری شادی نہ ہو۔"

"ہاں ہاں دیکھ لوں گا میں بھی تو کون سی حور پری بیاہ کے لاتا ہے؟" مجنوں استاد نے چھیڑنے اور چڑانے والے انداز میں کہا۔

"اللہ کرے تجھے کسی بھینگی بھنگن سے محبت ہوجائے پھر پوچھوں گا تجھ سے بڑا آیا میری محبت میں کیڑے نکالنے والا۔"

"کیڑے تو نہیں نکال رہا البتہ دانت ضرور نکال رہا ہے ہر باراتی دلہن کو دیکھ کے۔" گڈو نے پٹ سے جواب دیا۔

"تم دونوں آپس میں چونچیں لڑاتے رہنا۔ چل گڈو..... دیکھ جاکر نکاح نامہ پر کررہے ہیں وہ لوگ؟" نادرہ بیگم نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی گڈو کو حکم دیا۔

وہ اپنی ہنسی دباتا مولوی اور سیٹھ قدرت اللہ کی جانب چلا گیا اور چند منٹ بعد ان کے پاس آتے ہی مجنوں استاد سے مخاطب ہوا۔

"مجنوں استاد..... حق مہر کتنا لکھوانا ہے؟"

"ان سے پوچھ لو جو کہیں رکھ لو۔" مجنوں استاد نے دلہن اور سیٹھ قدرت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ لوگ سامنے اسٹیج پر موجود تھے اور یہ ان کے سامنے موجود تھے۔

"وہ تو پانچ لاکھ کہہ رہے ہیں۔" گڈو نے بم پھوڑا۔

"کیا.....؟" مجنوں استاد کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا۔

"ابے کیا جنت سے حور پکڑ کے لائے ہیں۔ بڑے آئے پانچ لاکھ..... اس شکل پر کوئی پانچ روپے نہ دے اسے۔"

"اور آپ اسے اپنی پوری زندگی دینے چلے ہو استاد۔" گڈو نے بے ساختہ کہا۔

نادرہ بیگم پانچ لاکھ کے حق مہر کا سن کر بھڑک اٹھیں۔

"ہمیں اس سیٹھ نے بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا؟ بول دے اسے پانچ ہزار حق مہر منظور ہے تو نکاح پڑھائیں، نہیں تو ہم لے جائیں گے بارات واپس۔ ہمارے لڑکے کو

لڑکیوں کی کمی نہیں..... اس جیسی تو ہزاروں مل جاویں گی۔"
ان کی بات سنتے ہی گڈو دوسری طرف جا پہنچا اور سیٹھ قدرت اللہ سے کہنے لگا۔

"سیٹھ جی وہ کہہ رہے ہیں کہ پانچ ہزار حق مہر رکھنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مجنوں استاد کے لیے لڑکیاں بہت۔" لیلیٰ کا کوئی رشتہ نہیں آ رہا تھا اب اتنا خوب صورت جوان داماد کی شکل میں مل رہا تھا تو سیٹھ بے جا ضد اور ہٹ دھرمی دکھا کے اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا سو جھٹ سے ان کی بات مان لی۔

"مولوی صاحب..... نکاح شروع کریں حق مہر دلہے کی پسند کا ہی رکھیں، میں لڑکے پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ خوشی سے اور آسانی سے جو دے سکے وہی ٹھیک ہے۔" اور یوں چند منٹ بعد لیلیٰ مجنوں نکاح کے بندھن میں بندھ گئے۔ مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔ دولہا کو دلہن کے برابر میں بٹھا دیا گیا۔ تصویریں اتاری جانے لگیں۔ دولہا دلہن دونوں ہی بہت خوش تھے۔

دولہا اس لیے خوش تھا کہ اسے اپنی محبت مل گئی تھی اور دلہن اس لیے خوش تھی اسے اس رنگ روپ کے باوجود ایک چاہنے والا مرد شوہر کے روپ میں مل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا کھول دیا گیا۔ کھانے میں صرف زردہ، پلاؤ اور سلاد تھا اور ساتھ سادہ پانی۔ وہ جو مرغ روسٹ اڑانے کی نیت سے آئے تھے۔ ان کی امیدوں پر پانی پڑ چکا تھا۔ مجنوں استاد کو تو بہت غصہ آ رہا تھا یہ اہتمام دیکھ کر۔ سیٹھ قدرت اللہ کو دیکھتے ہوئے وہ بول ہی پڑا۔

"سیٹھ صاحب..... یہ کھانا آپ نے ہماری حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بنوایا ہے یا اپنی حیثیت واستطاعت کے حساب سے پکوایا ہے؟"

"بھئی کھانا تو میں نے حکومت کا حکم مانتے ہوئے پکوایا ہے۔ حکومت نے ون ڈش کی اجازت دی ہے ناں شادی بیاہ میں تو میں نے تو حکومت کے کہے پر عمل کیا ہے ورنہ پولیس کے چھاپے حوالات جیل جرمانے کون بھگتتا میاں؟" سیٹھ قدرت اللہ نے مرغ پلاؤ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"سچ کہا آپ نے مگر ہمارے ولیمے کا پکوان دیکھنا سیٹھ جی۔ آپ کو اپنی حیثیت یاد آ جائے گی۔" مجنوں استاد نے مسکراتے ہوئے کہا اور کھانا کھانے لگا کہ رزق کی ناقدری کرنے والوں میں سے نہیں تھا وہ حق حلال کی محنت کی روزی روٹی کھاتا تھا لہٰذا رزق کی قدر تھی اسے۔ کھانے کے بعد رخصتی کا شور اٹھا۔ سیٹھ قدرت اللہ نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ لیلیٰ کو مجنوں کے سنگ وداع کر دیا۔

مجنوں استاد کے گھر بارات پہنچی تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ تمام رسمیں ادا کی گئیں۔ لیلیٰ کے ہاں تو نکاح کے علاوہ کوئی رسم ہی ادا نہ ہوئی تھی۔ دلہن کا رنگ روپ دیکھ کر محلے والیاں باتیں بنا رہی تھیں۔ مذاق اڑا رہی تھیں، مگر منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں مسکرا مسکرا کر مبارک باد بھی دے رہی تھیں۔

لیلیٰ کا کتا ٹمی اور ایک عدد درمیانی عمر کی ملازمہ بھی اس کے ساتھ آئے تھے۔ محلے والیاں جو رات کے وقت دلہن دیکھنے کے شوق اور تجسس میں مبتلا ہو کر وہاں آئی تھیں انہیں خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

"اے لو یہ ہے دلہن؟ اسے تو کل پرسوں بھی آ کے دیکھ لیتی میں، خوامخواہ میری نیند خراب کری بہو تم نے۔" ایک پڑوسن کشور بی بی اپنی بہو سے خفا ہوتے ہوئے بولی۔

"امی جی..... میں تو سمجھی تھی مجنوں کی دلہن بھی اس کی طرح گوری چٹی پیاری ہوگی۔ اب مجھے تھوڑی نہ پتا تھا کہ اس نے ویسٹ انڈیز کی لڑکی پسند کر لی ہے۔" بہو نے بدمزہ ہو کر جواب دیا۔

"ہیں..... یہ کیا اٹھا لائی نادرہ؟ وہ تو چاندنی بہو ڈھونڈ رہی تھی اپنے مجنوں کے لیے تو یہ چاند ملا اسے۔ توبہ یہ تو توے کی طرح سیاہ ہے اوپر سے لال جوڑا پہنا دیا۔ مجنوں کی تو مت ماری گئی تھی جو اس لڑکی کو بیاہ لایا۔" ایک اور محلے کی خاتون نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"مجنوں کی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے کیا جو اس لیلیٰ سے پیار کر بیٹھا؟" ایک موٹی سے خاتون بولیں جو کب سے

مجنوں پر نظریں لگائے بیٹھی تھیں کہ وہ ان کا داماد بن جائے۔

"خالہ..... تم نے وہ پرانی لوک داستان تو سنی ہوگی لیلیٰ مجنوں کی، سنا ہے کہ لیلیٰ بہت کالی تھی۔ پھر بھی کرماں والی تھی کہ مجنوں اسے دیوانوں کی طرح چاہتا تھا۔ پیار تو ایسا ہی ہوتا ہے خالہ..... پاگل کردینے والا۔ دنیا کی باتوں اور ذاتوں سے بے پرواہ۔" بائیس سالہ ریحانہ نے محبت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تو وہ عورت اس کی ماں کشور بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اے کشور..... اپنی لڑکی کی باتیں سن رہی ہے۔ کیسی محبت پیار کے سبق سنا رہی ہے۔ نظر رکھ اس پر، جوانی کی دہلیز پر کھڑی ہے۔ کہیں یہ بھی تیرے واسطے کوئی کالا کلوٹا داماد نہ پسند کر بیٹھے۔"

"ہائے ہائے تیرے منہ میں خاک..... میری بیٹی کیوں ایسا لڑکا پسند کرنے لگی؟ پڑھی لکھی ہے۔ تجھے ایک تو عقل کی بات سمجھا رہی ہے اور تو اسے اپنی لڑکی کی طرح سمجھ رہی ہے۔" کشور بی بی تو اس کی بات سن کر بھڑک اٹھیں اور اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ....." اس موٹی عورت نے نخوت سے منہ پھیر لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

کمرہ بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ گلاب اور موتیے کے پھولوں کی لڑیاں دلہن کی سیج کے چہار اطراف لہرا رہی تھیں جن کی خوشبو سانسوں کو معطر کررہی تھی۔ لیلیٰ کو اس شاندار سجاوٹ سے مجنوں کی اپنے لیے محبت کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا۔ وہ سوچ کر ہی ہواؤں میں اڑ رہی تھی کہ مجنوں بری طرح اس پر مرمٹا ہے۔ اب اسے تھوڑی سی لگاوٹ اپنائیت اور چاہت دکھا کر مجنوں کو بالکل ہی اپنے بس میں کرنا تھا کہ اسے اس گھر اور محلے سے نکال کر اپنے عالیشان بنگلے میں لے جائے جہاں وہ اس کے ساتھ خوب عیش و آرام سے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے پہلے کی طرح۔

"بھوں بھوں۔" ٹمی کے بھونکنے نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا۔ اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور اس نے آواز کی سمت دیکھا۔ اس کا کتا ٹمی اس کی ملازمہ زبیدہ کے ہاتھوں میں مچل رہا تھا۔ لیلیٰ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی اور باہیں پھیلا کر بولی۔

"لاؤ اسے مجھے دے دو۔" اسی وقت مجنوں کمرے میں داخل ہوا یہ منظر دیکھ کر تپ ہی تو گیا تھا وہ اور ٹمی بھی اسے دیکھ کر یوں بھونکا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ بچو میری اہمیت دیکھ لے میں تیرے کمرے میں تجھ سے پہلے پہنچا ہوں۔

"یہ کتا یہاں کیا کررہا ہے؟" مجنوں استاد نے لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے ابرو اچکا کر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"زبیدہ..... تم اسے پاپا کے گھر لے جاؤ مگر صبح جلدی لے آنا۔" لیلیٰ نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے زبیدہ سے کہا تو وہ ٹمی کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے یہ کتا اس وقت یہاں کیا کررہا تھا؟"

"مجھے شادی کی مبارک باد دے رہا تھا۔" وہ چڑ کر بولی۔

"اچھا..... پھر تو اس نے تمہیں منہ دکھائی بھی دی ہوگی کیا دیا؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اوہو..... چھوڑو ناں یہ بتاؤ مجھے منہ دکھائی میں تم کیا دے رہے ہو؟" لیلیٰ نے قدرے شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

"دل تو چاہ رہا ہے کہ ایک جھانپڑ دوں الٹے ہاتھ کا۔"

"کیا.....؟" وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ نہیں دو گے؟" لیلیٰ کا منہ اتر گیا۔

"ارے دوں گا ناں صبر تو کرلو۔" وہ اپنے کرتے کی جیب ٹٹولتے ہوئے بولا اور آخر کار جیب میں سے سونے کی ایک انگوٹھی برآمد کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اگلے دن ولیمے کی تقریب بہت شاندار ہوئی۔ وہ بھی ہوٹل میں جہاں چھ قسم کے کھانے پیش کیے گئے تھے۔ سیٹھ قدرت اللہ تو اتنا عمدہ اہتمام دیکھ کر ہی دل میں شرمندہ سا ہوگیا۔ کہاں وہ خود کو سیٹھ کہلواتا تھا اور کہاں اتنی کنجوسی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی میں دو کھانے رکھ کر اور اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجنوں اس پر ہنس رہا ہو اور اسے یقین بھی ہوگیا جب مجنوں نے اس کے پاس آ کر پوچھا۔

"کیوں سیٹھ جی پسند آیا ہمارے ولیمے کا کھانا؟"

"ہاں پسند تو آیا مگر یہ بتا قرضہ کتنا چڑھالیا؟"

"اللہ کے فضل و کرم سے ایک ایک پیسہ مجنوں کی حق حلال کی محنت کی کمائی کا ہے سیٹھ جی..... جنرل اسٹور اور ورکشاپ کے کام میں اوپر والے نے برکت ڈال رکھی ہے..... الحمدللہ، قرضہ ورضہ لینے کی نوبت نہ آئی کبھی۔" مجنوں نے احساس تشکر سے پُر لہجے میں کہا تو سیٹھ قدرت اللہ کھسیانا سا ہو کر مسکرانے لگا۔

"کھاؤ کھاؤ مرغ مسلم پر ہاتھ صاف کرو سیٹھ جی..... آپ کو تو کم کم ہی نصیب ہوتا ہوگا؟" جاتے ہوئے مجنوں استاد اسے جملہ مار گیا، مگر وہ کہاڑیے سے سیٹھ بنا تھا۔ اچھا کھانے کی اور مفت کا کھانے کی بھوک تو پوری موجود تھی۔ اس نے مجنوں کی بات ان سنی کرتے ہوئے مال مفت دل بے رحم والی ضرب المثل پر عمل کرتے ہوئے مرغ روسٹ اور بریانی قورمے پر ہاتھ صاف کیے۔

"سیٹھ کی بیٹی ہے یہ کالی دلہن..... ضرور سیٹھ نے اپنی بیٹی کو لاکھوں کا جہیز دیا ہوگا۔ کوئی زمین مکان پلاٹ کچھ تو دیا ہوگا۔ مجنوں نے ایسے ہی تو لیلیٰ سے شادی نہیں کرلی۔"

عامرہ کی ساس بولی تو صابرہ کی نند نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا اور کہنے لگی۔

"اور کیا بھلا اتنی کالی، موٹے ہونٹوں والی لڑکی سے اپنا مجنوں محبت کی شادی کرے گا' نہ چاچی نہ یہ ضرور پیسے کا چکر ہے۔ دولت کی چمک تو ویسے ہی آدمی کو اندھا کردے اور محبت بھی اندھی ہوتی ہے لہٰذا محبوب کی بدصورتی کہاں دکھتی ہے چاچی..... کچھ عیب محبت ڈھک لیتی ہے اور کچھ برائیوں، خامیوں پر دولت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہی ہوا ہے مجنوں کے ساتھ بھی۔"

"محبت اندھی ہے یہ بات میں بھی مانوں پر یہ دولت کے چکر میں لیلیٰ سے شادی کرنے والی بات میں نہیں مانتی۔ میرے بھائی نے صرف لیلیٰ سے پیار کیا ہے اس کو پیسے کی کمی نہیں ہے، اس کی مثال یہ شاندار ولیمہ ہے اس کے اپنے پیسوں سے ہوا ہے۔" صابرہ کو اپنی نند کی بات بہت بری لگی تھی فوراً ہی تیزی سے صفائی اور وضاحت پیش کی تو ان سب کے منہ بن گئے۔

"چلو بھئی اللہ مجنوں کو سکھی رکھے۔" عامرہ کی ساس نے مسکرا کر بے دلی سے دعا دی۔

"آمین۔" صابرہ نے دل سے آمین کہا۔

ولیمے کی تقریب اختتام پذیر ہوئی تو مہمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو مجنوں کی نظر لیلیٰ کی ملازمہ پر پڑی اور اسے کمی کتایا آ گیا جب ہی اس سے پوچھنے لگا۔

"کیوں بھئی زبیدہ، وہ کہاں ہے؟"

"وہ کون صاحب جی؟" زبیدہ اسے دیکھنے لگی۔

"وہی سگ لیلیٰ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تو کھڑا تو ہے ادھر اور کہاں ہوگا؟" نادرہ بیگم نے غصیلے لہجے میں دبی ہوئی آواز میں کہا تو وہ چونکتے ہوئے پلٹا۔ وہ ناراض نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"اماں..... اپنے سگے بیٹے کو تم نے سگ لیلیٰ بنا دیا، قسم اللہ پاک کی دل کو خنجر کی طرح لگی ہے تمہاری یہ بات۔" مجنوں نے ماں کو دیکھتے ہوئے شکوہ کیا لہجے میں افسردگی تھی۔

"اور جو میرے دل کو تیر تلوار کی طرح لگ رہی ہیں لوگوں کی باتیں؟ ہر کوئی بک رہا تھا کہ مجنوں نے دولت کے لالچ میں لیلیٰ سے شادی کی ہے ورنہ اس کالی میں تھا کیا۔ جو مجنوں اسے چاہ سے بیاہ لایا اور اتنا اچھا ولیمہ کردیا۔" نادرہ بیگم نے جلتے دل کے ساتھ عصیلی اور بھرائی آواز میں

کہا۔

"اماں لوگوں کا تو کام ہے بک بک کرنا، ان کو کیا تکلیف ہے، میں کالی لڑکی سے بیاہ کروں یا پیلی نیلی سے..... میں گوری کو بیاہ لاتا نہ پھر بھی ان کی زبان بند نہ ہوتی ان لوگوں کی تو ٹینشن نہ لے اماں۔" مجنوں نے نادرہ بیگم کے شانوں کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے کہا اور گڈو کو آواز دینے کا حکم صادر کیا۔ یوں شاندار ولیمے کی تقریب نبٹا کر گاڑی میں بیٹھ کر سب گھر کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

ولیمے کے دوسرے دن لیلیٰ مکلاوے کے لیے میکے آ گئی۔ مجنوں اسے چھوڑنے آیا تھا۔ چائے پانی پی کر جاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

"کتنے دن رکو گی یہاں؟"

"میرے پاپا کا گھر ہے جتنے دن چاہوں میں یہاں رک سکتی ہوں۔" لیلیٰ نے ٹمی کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے ادائے بے نیازی سے جواب دیا اور ٹمی کو نیچے قالین پر اتار دیا۔

"بی بی..... تم اپنے پاپا کے گھر مکلاوے کے لیے آئی ہو سیدھی طرح بتا دو، دو دن میں لینے آؤں یا ہفتے بعد؟"

"تم بھی یہیں رک جاؤ ناں میرے پاس۔" لیلیٰ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بہت دلار سے کہا۔ "اتنی تو جگہ ہے یہاں۔"

"یہاں کہاں؟" مجنوں اس کے لمس سے بے خود سا ہونے لگا۔

"میرے دل میں، میرے گھر میں، بس تم بھی یہیں رہ جاؤ ہم اب واپس اس پرانے محلے میں تمہارے گھر نہیں جائیں گے۔ چھوڑو وہ محلہ اب یہ عالیشان بنگلہ تمہارا اسٹیٹس ہے۔"

"اور اماں..... اسے چھوڑ دوں..... ماں ہے وہ میری۔" مجنوں کی بے خودی ایک پل میں کافور ہو گئی تھی۔ سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے اس کی بانہوں کو اپنے گلے سے دور کر دیا۔

"انہیں چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے؟ کبھی کبھار مل آیا کرنا ان سے، پیسے وغیرہ دے آنا۔ وہ بوڑھی ہو چکی ہیں۔ ان کو اپنے پرانے محلے سے، محلے داروں، رشتے داروں سے لگاؤ ہے۔ ان کا جی تو وہیں لگے گا نا اور وہ تمہیں ترقی کرتا دیکھ کر اس بنگلے میں رہتے دیکھ کر خوش بھی ہوں گی۔" لیلیٰ نے اس کی دلکش آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس چہرے پر اپنی نظریں گاڑھ کے سپاٹ لہجے میں بولا۔

"تو تم مجھے گھر داماد بنانا چاہ رہی ہو۔ چاہتی ہو کے میں اپنے پچھلوں کو بھول کر تم میں گم ہو جاؤں۔ ایسا تو ہونے سے رہا۔ مجنوں کی لیلیٰ تم ایسا کرو کہ تم یہاں رہو۔ تم یہاں اپنے گھر میں رہ کر ہی خوش ہو گی ناں..... میں کبھی کبھار تم سے ملنے آ جایا کروں گا اور رہی بات پیسے کی تو وہ تمہارا سیٹھ باپ ہی تمہیں بہت دے سکتا ہے۔ میرے دیئے پیسوں میں پورا نہیں پڑے گا اب میں چلتا ہوں۔"

"ارے ارے، ایسے کیسے چلتا ہوں؟" وہ بھاگ کر تیزی سے اس کے سامنے آ گئی۔

"لیلیٰ ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔ گرم گرم منہ میں ڈالو گی تو اپنا ہی منہ جلاؤ گی اور خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔" لیلیٰ کے دماغ نے اسے صلاح دی تو اس نے پینترا بدلتے ہوئے پیار سے مجنوں کو رام کرنے کی کوشش کی۔

"یہ گھر اب تمہارا ہے۔ صرف تمہارا ہی نہیں ہے۔ تمہاری اماں اور بہنوں کا بھی ہے۔ ہم اماں کو بھی یہاں لے آتے ہیں مجنوں..... میری ماں تو نہیں ہے لیکن اب تمہاری ماں ہی میری ماں ہے۔"

"میرا دل جیتنا ہے تو تجھے ان کی خدمت ہی کرنا پڑے گی اور خدمت بھی ان کے اپنے گھر میں رہتے ہوئے۔ وہ نہیں آنے کی بہو کے میکے میں اور دنیا والے کیا کہیں گے سیٹھ کی بیٹی سے اپنے لونڈے کو بیاہ کے خود بھی بڑھیا بہو کے گھر میں جا بسی۔ نہ بابا نہ یہ تو ہونے سے رہا۔ تو جتنے دن چاہے رہ لے جب آنے کو دل کرے تو مجھے بتا دیجیو آ کے لے جاؤں گا۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ وہاں سے سیدھا

گھر چلا آیا۔ اور نادرہ بیگم کو ان کی بہو کے نادر خیالات سے آگاہی بخشی۔

"اے ہے، میں کیوں جا کے رہنے لگی اس کے گھر میں۔ وہ رہے وہاں جب تک اس کا دل چاہے اور تیرا دل چاہے تو تُو بھی اپنی لیلیٰ کے پاس جا کے رہ لے۔"

"لو ابھی اتنا پاگل نہیں ہوا میں اس کے عشق میں کہ اپنی اماں کو چھوڑ جاؤں۔ میں نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے اسے کہ میں اپنی اماں کو نہیں چھوڑوں گا اسے ادھر آ کے تیری خدمت کرنا پڑے گی۔" وہ تیزی سے پیار سے بولا۔

"اس نے کرلی خدمت اور میں نے کروالی۔ اسے تو ہر وقت اپنے کتے کی خدمت اور محبت سے ہی فرصت نہیں ملتی، وہ میری کیا خدمت کرے گی اور تو میری چھوڑ تیری خدمت بھی نہیں کرنے والی وہ۔ وہ تو بڑی خوش ہے اس کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے کہ اتنا خوب صورت دلہا مل گیا اسے۔" نادرہ بیگم نے جلے دل کے ساتھ خفگی سے کہا تھا۔

❁.....❁.....❁

"مجنوں.....ہم ہنی مون پر کہاں جائیں گے؟" لیلیٰ نے فون پر اس سے بات کرتے ہوئے پوچھا۔

"چاند پر جائیں گے۔" وہ فٹ سے بولا۔

"مذاق نہیں کرو۔ سچی سچی بتاؤ ناں؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ ہم دونوں میں سے ہنی کون ہے اور مون کون.....؟"

"ظاہر ہے ہم دونوں ایک دوسرے کے ہنی بھی ہیں اور مون بھی.....کبھی میں تمہیں ہنی کہہ لیا کروں گی تو کبھی تم مجھے مون کہہ لینا۔" لیلیٰ نے بہت ادا اور ناز سے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"تمہیں مون کہوں گا تو اصلی مون تو شرما جائے گا بلکہ تمہارے حسن کی تاب نہ لاتے ہوئے شرم سے غش کھا جائے گا۔"

"یہ تم میری تعریف کر رہے ہو کہ مذاق اڑا رہے ہو؟"

"بھئی میں کیوں تمہارا مذاق اڑانے لگا باقی لوگ مر گئے ہیں کیا؟" مجنوں نے بے ساختہ کہا تو وہ موبائل کان سے ہٹا کر گھورنے لگی۔

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہہ کیا رہا ہے، تنگ آ کے اس نے فون بند کر دیا اور جب مجنوں اور لیلیٰ اپنے ایک ہفتے کے ہنی مون سے واپس آئے تو مجنوں کی تو کایا ہی پلٹی ہوئی تھی۔ وہ تو دم دبائے اپنی لیلیٰ کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا۔ اس کی جی حضوری میں لگا رہتا تھا ہر دم۔ مجنوں کی ماں اور بہنوں کو تو تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ ان کا سیدھا سادا مجنوں سگ لیلیٰ بن کے رہ گیا تھا۔ اب تو دبے دبے لفظوں اور دھیمی آوازوں میں محلے والوں نے بھی اسے جورو کا غلام اور سگ لیلیٰ کہنا شروع کر دیا تھا۔ لیلیٰ نے بڑے طریقے سے مجنوں کو گھر داماد بنانے کے منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ وہ اس سے وجہ بے وجہ، وقت بے وقت محبت اور چاہت لٹاتی جتلاتی تھی کہ مجنوں کو اس کی بات نہ ماننے کا خیال ہی نہ آتا۔

"مجنوں مجھے پاپا کی بہت فکر رہتی ہے۔ اب دیکھو ناں وہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور کاروبار اتنا پھیلا لیا ہے اور نہ ہی اللہ نے مجھے کوئی بھائی دیا کہ وہ پاپا کا ہاتھ بٹا سکتا اور پاپا کو آرام نصیب ہوتا۔" لیلیٰ نے مجنوں کو دیکھتے ہوئے متفکر لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔" وہ بولا۔

"مجنوں..... میں چاہتی ہوں کہ تم پاپا کا ہاتھ بٹاؤ۔ دیکھو تم ان کے داماد ہو اور داماد بھی تو بیٹے کی طرح ہی ہوتا ہے ناں؟ اور پاپا کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ میرا اور تمہارا ہی تو ہے ناں؟" لیلیٰ نے مجنوں کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بہت مدھم اور نرم لہجے میں کہا مجنوں نے جو اس کے سحر یا اثر میں تھا اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا۔

"ہاں داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے اگر سمجھا جائے تو۔"

"بس تو پھر تم چلو میرے ساتھ میرے پاپا کے گھر۔ ان کا اتنا بڑا بنگلہ خالی پڑا ہے۔ پاپا کا دل بھی اداس رہنے لگا ہے۔ ہم وہاں جا کے رہیں گے تو ان کا گھر پھر سے آباد

ہوجائے گا۔ اماں بھی ہمارے ساتھ ہوں گی تو تمہیں بھی ان کی ٹینشن نہیں ہوگی۔ سب خوش ہوجائیں گے۔" لیلیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بہت جوشیلے لہجے میں کہا تو مجنوں اماں کو ساتھ رکھنے والی بات سن کر مطمئن اور اس کا مزید گرویدہ ہوگیا اور فوراً مان گیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو پھر کب چلنا ہے؟"

"کل ہی چلتے ہیں۔ بس اپنا ضروری سامان ساتھ لے جائیں گے۔ باقی سب تو ہے ناں پاپا کے گھر۔" لیلیٰ اپنی پلاننگ کامیاب ہوتے دیکھ کر خوشی سے پھول اٹھی۔

لیلیٰ نے اماں کو ساتھ رکھنے کی بات جان بوجھ کر کہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ مجنوں کی ماں ایک خوددار اور عزت نفس پر مرمٹنے والی عورت ہے۔ وہ بیٹے کی خوشی کی خاطر دو چار دن تو اس کے سسرال میں رہ لے گی لیکن مستقل رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اپنی طرف سے اماں کو ساتھ لے جانے کی بات کرکے مجنوں کی نظروں میں اچھی بھی بن گئی تھی اور اسے خوش بھی کردیا تھا اور مجنوں ماں کو منانے چل دیا۔

"اماں..... تم نہیں جاؤں گی تو لیلیٰ کا دل ٹوٹ جائے گا اور ساتھ ہی مجنوں کا بھی۔" وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

"اور جو تیری اماں کا بھرم ٹوٹے گا اس کا کیا؟ سسرال میں تیرے رنڈوے سسر کے گھر میں جاکے رہنے لگوں میں اس عمر میں۔ میرے سر میں خاک ڈلوائے گا تو؟ لوگ تھوتھو کریں گے تیرے پر بھی اور میرے پر بھی۔ تو آپ تو لیلیٰ کا کتا بن گیا اب ماں کو بھی اس کی نوکرانی بنانے پر تلا ہے۔ تیری آنکھوں پر تو اس کالی لیلیٰ کے عشق کا پردہ پڑ گیا ہے جو تجھے اپنی اور اپنی ماں کی آبرو کچھ بھی دکھائی نہ دیوے ہے۔" نادرہ بیگم غصے میں بولتی چلی گئیں۔ مجنوں سٹپٹا کر بولا۔

"اماں....."

"چپ کر اماں کا بچہ۔ بے شرم بے غیرت، بیوی کے اشاروں پر ناچتا ہے اور اب ماں کو بھی اس کے حکم پر چلانے چلا ہے۔ لیلیٰ کا کتا بن کے رہنے میں تجھے خوشی ملے ہے تو جا اور اس کی ایک آواز پر دم ہلاتا اس کے آگے پیچھے پھر یو۔" اماں نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے اچھی طرح لتاڑا۔

"ٹھیک ہے اماں..... تم مجھے لیلیٰ کا کتا ہونے کا طعنہ دے لو مگر ایک بات سن لو اماں..... دل توڑنا اور دل دکھانا بھی گناہ ہے اور اکلوتے بیٹے کی خوشی میں خوش نہ ہونا ایک ماں کے شایان شان نہیں ہے۔" وہ دل مسوس کر رونی صورت بنا کر بولا تو نادرہ بیگم کے دل پر چوٹ سی پڑی تھی اس نے ان کی ممتا اور محبت کو چیلنج کردیا تھا۔

"ٹھیک ہے تیری خوشی کی خاطر میں تیرے ساتھ چلوں گی پر دو تین دن سے زیادہ نہیں رکنے کی تیرے سسرال، سمجھ گیا اور تو مجھے روکنے کی کوشش بھی نہ کریو اور قسم بھی نہ دیجیو کان کھول کے سن لے دو تین دن سے زیادہ میں نہیں رکنے کی وہاں۔" نادرہ بیگم نے اس کی خوشی کی خاطر ہار مانتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے ان سے لپٹ گیا۔

❁.....❁.....❁

تیسرے دن کا سورج طلوع ہوا انہوں نے اپنا سامان سمیٹ لیا اور واپسی کا قصد کیا تو جہاں لیلیٰ کو اپنے منصوبے کی کامیابی پر خوشی ہوئی وہیں مجنوں کو پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ وہ اماں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا پر انہوں نے صاف انکار کردیا تھا۔

"دیکھ مجنوں..... جس طرح تجھے لیلیٰ پیاری ہے ناں بالکل اسی طرح مجھے میرا گھر، میرا محلہ پیارا ہے۔ مجھے تو وہیں سکون ملے گا۔ تجھے تیری خوشی کے واسطے یہاں چھوڑنے آئی تھی۔ اب نہ روکیو مجھے۔ میں نہیں رکنے کی۔" نادرہ بیگم نے سپاٹ اور فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اپنے گھر کے لیے نکل گئیں۔

سیٹھ قدرت اللہ نے اپنی گاڑی اور ڈرائیور کے ساتھ گھر بھیجنا چاہا مگر نادرہ بیگم نے رکشے کو ترجیح دی اور واپس لوٹ آئیں، محلے والیوں نے انہیں رکشے سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ سن گن لینے ان کے پاس چلی آئیں۔

"نادرہ بہن تم واپس آگئیں؟" کشور نے حیرانی سے

پوچھا۔

"ہاں تو نہ آتی واپس.....؟ بھئی میرا گھر ہے میں اپنا گھر کیوں چھوڑ کے جانے لگی۔ بہو کے ہاں دعوت میں گئی تھی۔ اس کے سب رشتے داروں سے ملاقات کرنا تھی سو دو دن بہت تھے۔ مجھے تو نیند ہی نہ آ کے دی وہاں اور آتی بھی کیسے؟ اپنے گھر اور بستر کا سکون غیر کے گھر اور بستر پر تھوڑی ملتا ہے۔" نادرہ بیگم نے کہا تو شبانہ بولی۔

"سچ کہا بھابی جی..... اپنے گھر کا سکھ آرام کہیں نہیں ملتا، چاہے آپ محلوں میں جا کے رہ لو۔ یہاں محلے میں تو یہ باتیں گردش کر رہی تھیں کہ مجنوں گھر داماد بن گیا اور تم گھر ساس بن کے بہو کے گھر جا بسی ہو۔ اب دیکھ لو جتنے منہ اتنی باتیں۔"

"منہ توڑ کے ہاتھ میں دے دوں گی جو میرے بارے میں کسی نے الٹی سیدھی بکواس کی تو۔"

"نادرہ لے پانی پی۔ کیوں اپنی طبیعت خراب کرنے پر تلی ہے۔" ہمسائی ہاجرہ نے انہیں پانی کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ چوربنی ہوئی تھیں کیونکہ سب ہی نے حسب توفیق ان کی بہو کے بارے میں مدح سرائی کی تھی۔ نادرہ بیگم نے بھی سوچ لیا تھا کہ مجنوں کے بغیر رہنا ہے تو لوگوں کی باتوں سے ڈر کے دب کے یا شرمندگی سے منہ چھپا کے نہیں رہنا اور ایسا کون سا جرم کیا ہے ان کے بیٹے نے۔ ایک کالی رنگت والی لڑکی سے شادی ہی تو کی ہے اسے بھگا کے تو نہیں لایا تھا وہ۔ لہٰذا وہ پہلے سے زیادہ پراعتماد اور دلیر بن گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

"مجنوں..... میں ذرا بیوٹی پارلر سے ہو آؤں تم تب تک ٹمی کو سنبھال لو پلیز۔" لیلیٰ نے ٹمی کتا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو ٹمی بھونکنے لگا۔

"یہ تو ماں کا لاڈلا؟ میرے پاس تھوڑی ٹکے گا۔ تو اسے اپنے ساتھ ہی لے جا پارلر میں۔" مجنوں نے بھنویں سکیڑ کر ٹمی کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ جھنجلا کر بولی۔

"اُفوہ، تم سے ایک کتا نہیں سنبھالا جاتا، کچھ دیر کے لیے۔ مجھے فیشل کروانا ہے پیڈی کیور، مینی کیور کروانا ہے وہاں میں اسے کہاں رکھوں گی؟"

"اور یہ تو بیوٹی پارلر والوں کو کیوں چیلنج کرنے چلی ہے۔ ان کا امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے جب کہ یہ کنفرم بات ہے کہ وہ پاس نہیں ہونے والے۔ وہ اگر اپنی ساری کریمیں بھی تیرے پر آزمالیں ناں، پھر بھی کوا سفید نہیں ہونے والا۔" مجنوں نے حسب عادت پرمزاح لہجے میں کہا تو وہ سلگ اٹھی۔

"اف..... کس جاہل سے شادی کرلی ہے میں نے۔"

"ہاں تو ٹمی سے کرلیتیں شادی۔ میں نے منع تھوڑی کیا تھا۔" مجنوں نے بھی بے مروتی سے جواب دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"مجنوں ڈارلنگ پاپا کو تم کار خانے لے جایا کرو۔ ڈرائیور کو پاپا نے نکال دیا ہے۔" ایک دن لیلیٰ نے مجنوں سے کہا۔

"نکالنے کی وجہ؟"

"اس نے پاپا کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔"

"اوہ..... تو تمہارے پاپا جی کو بدتمیزی محسوس ہوگئی تھی کمال ہے۔" مجنوں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"مذاق بند کرو اور کل سے پاپا کو لانے لے جانے کا کام تم کرو گے۔ ویسے بھی تم فارغ ہی ہوتے ہو۔"

"ہائیں..... تجھے کس نے کہہ دیا کہ میں فارغ ہوتا ہوں، جنرل اسٹور اور ورکشاپ تیرا باپ چلاتا ہے کیا؟ آدھا وقت تو تیرے اور تیرے باپ کے نازنخروں میں گزر جاتا ہے باقی کا وقت میں اپنے کاروبار کو دیتا ہوں۔ تو نے تو مجھے کتا بنا کے رکھ دیا ہے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر دوڑائے رکھتی ہے۔ کل کو کہے گی کہ میرے پاپا جی کا منہ بھی تم دھویا کرو۔" مجنوں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ بڑی ادا سے بولی۔

"پاپا کا تو نہیں ابھی تو تم ٹمی کا منہ دھوؤ، اسے نہلا دو۔ یہ کافی دن سے نہایا نہیں ہے۔ اس کا ٹب اور شیمپو علیحدہ سے رکھا ہے۔ بیرونی غسل خانے میں وہیں اسے نہلانا۔ وہ

غسل خانہ ہم نے ٹمی کے لیے ہی مخصوص کیا ہے۔" لیلیٰ نے اس کی باتوں کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے مزید احساس ذلت اور اس کی نظروں میں مجنوں کو اپنی قدر وحیثیت کا احساس دلایا۔

"یہ نیک کام تو خود ہی کرلے یا اپنے ملازم سے کروالے میں کتے بلے نہیں نہلاتا۔" مجنوں نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی کام کرتے بھی ہو تم۔ ہر کام سے انکار ہی کرتے ہو نکمے کہیں کے۔" لیلیٰ بدتمیزی سے بولی۔

لیلیٰ نے مجنوں کو شوہر کے بجائے ایک نوکر بنا کے رکھ دیا تھا۔ جو کام وہ اپنے ملازموں سے کرواتی تھی اب وہی کام وہ مجنوں سے لینے لگی۔ صرف وہی نہیں سیٹھ قدرت اللہ بھی مجنوں کو چھوٹے چھوٹے کام کہتا جو داماد کے نہیں ملازم کے کرنے کے ہوتے۔ اسے کاروبار میں حصہ دار ہونے کا کہہ کر اس سے ملازموں والے کاموں پر لگایا ہوا تھا۔ شروع میں تو مجنوں بھاگ بھاگ کر دونوں کے حکم کی تعمیل کیا کرتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اپنی بے حمیتی اور کم مائیگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ جو سب کا استاد کہلاتا تھا اب سب کی ہنسی مذاق کا ہدف بن رہا تھا۔ کتنی عزت تھی اس کی گلی محلے میں، جنرل اسٹور ورکشاپ پر سب ہی اسے استاد استاد کہتے نہ تھکتے تھے اور آج ہنستے نہ تھکتے تھے۔ اب تو گھر کے اور کارخانے کے ملازم بھی اسے لیلیٰ کا کتا کہنے لگے تھے اور اسے اپنا آپ سچ مچ کتے جیسا لگنے لگا جو دم ہلاتا اپنی مالکن لیلیٰ کے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا۔

"مجنوں ٹیلر کے پاس جاؤ اور میرے ڈریس اٹھالاؤ سل گئے ہیں۔" وہ ان ہی سوچوں میں گم بیٹھا تھا کہ لیلیٰ کی حاکمانہ آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کسی ملازم سے کہہ دو، وہ لے آئے گا۔" وہ بولا۔

"میں نے ملازم کی چھٹی کردی ہے۔"

"تو جب وہ چھٹی سے واپس آجائے گا تو تب منگوا لینا۔"

"چھٹی مطلب ہمیشہ کے لیے پکی چھٹی کردی ہے، نوکری سے نکال دیا ہے ملازم کو۔" لیلیٰ نے بیزار لہجے میں اپنی بات کی وضاحت کی تو اس نے فوراً پوچھا۔

"کیوں تنخواہ دینا مشکل ہورہا تھا کیا؟"

"نہیں۔"

"پھر کیوں نکال دیا ملازم کو؟ تمہارے کام کون کرے گا اب؟"

"تم کس مرض کی دوا ہو؟ تم کرو گے میرے کام ویسے بھی میں تمہاری بیوی ہوں۔ میرے کام کرنا تمہارا فرض ہے۔" لیلیٰ نے ناخن فائلر سے فائل کرتے ہوئے جتلانے والے انداز میں بدتمیزی سے کہا تو وہ بھی تیز سپاٹ اور حاکمانہ لہجے میں بولا۔

"پھر تو میرے کام کرنا بھی تیرا فرض ہے۔ چل شاباش اٹھ جا، میرے کپڑے استری کر اور جوتے پالش کرکے لاکے دے مجھے۔"

"واٹ.....؟ میں یہ کام کروں گی؟ میں بیوی ہوں تمہاری، ملازمہ نہیں ہوں، سمجھے تم۔" وہ شاکڈسی ہوکر تیزی سے بولی۔

"میں بھی شوہر ہوں، تیرا ملازم نہیں ہوں سمجھی۔" مجنوں نے غصیلے اور تیز لہجے میں کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اسے فیصلہ کرنے میں ایک پل لگا تھا، وہ شیر بن کے جینا چاہتا تھا کتا بن کے نہیں اور اس کے دماغ نے اسے سمجھایا تھا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی کتے کی ہزار دن کی زندگی سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ محبت کی خاطر وہ مرتو سکتا تھا لیکن کتا بن کے جی نہیں سکتا تھا لہٰذا اس نے واپس اپنی کچھار میں جاکر شیر بن کے جینے کو ترجیح دی۔

یوں بھی اس محبت نے اسے سوائے جگ ہنسائی کے دیا ہی کیا تھا؟ لیلیٰ نے اس کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ قدم قدم پر اسے ذلیل کیا تھا۔ کم حیثیت ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ بات بے بات اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی۔ ہنسی مذاق میں اس کی عزت نفس مجروح کی تھی۔ مجنوں کے گھر

داماد بنتے ہی ملازموں کو نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔ کیونکہ گھر داماد کی صورت میں انہیں مفت کا ملازم جو مل گیا تھا۔ لیلیٰ کا خیال تھا کہ مڈل کلاس کا مجنوں جو اس سے پیار کرتا ہے۔ اس پیار میں اور اس کی دولت کے لالچ میں ساری زندگی اس کے ساتھ بندھا رہے گا اور وہ اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتی رہے گی لیکن یہ اس کی بھول تھی۔ اول تو مجنوں کو اس کی دولت امارت میں کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں کیونکہ وہ محنت کر کے کمانے کھانے پر یقین رکھتا تھا۔ دوم وہ محبت بے غرض ہو کر کرتا تھا اگر کوئی خود غرض اسے اپنی ضرورت اور غرض کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتا تو مجنوں اسے اپنی محبت کی تذلیل و توہین سمجھتے محسوس کرتے ہوئے اس انسان سے کوسوں دور چلا جاتا تھا اور لیلیٰ نے تو اسے شروع دن سے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا دن بدن بدلتا اس کا رویہ مجنوں کے دل سے اس کی محبت کے دریا کو بوند بوند کر کے کم کرتا رہا۔ یہ ساری باتیں تلخ حقیقتیں بن کر مجنوں کی ہنسی اڑا رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

"مجنوں..... کہاں جا رہے ہو تم؟" لیلیٰ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے سامنے سے آتے مجنوں کو ہاتھوں میں سوٹ کیس اٹھائے دیکھا تو چونک کر پوچھا تو اس نے معنی خیز جواب دیا۔

"جہاں سے آیا تھا۔"

"کیا مطلب اور یہ سامان؟"

"چیک کر لے۔ اس میں تیری یا تیرے سیٹھ پاپا کی دی ہوئی کوئی چیز رکھ کے نہیں لے جا رہا صرف وہی چیزیں لے جا رہا ہوں جو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔" مجنوں نے سوٹ کیس فرش پر رکھ کر ان دونوں باپ بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر تو جا کہاں رہا ہے؟" سیٹھ قدرت اللہ چائے کا کپ میز پر رکھ کر متفکر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بتایا تو ہے واپس اپنے گھر جا رہا ہوں اپنی اماں کے پاس، اونچا سنتے ہو کیا؟" مجنوں نے چڑ کر تیز لہجے میں کہا۔

"ایسے کیسے جا سکتا ہے تو، تیری بیوی ہے اس گھر میں۔" سیٹھ قدرت اللہ نے بھڑک کر کہا تو وہ بھی ان ہی کے انداز میں تیز لہجے میں بولا۔

"بیوی ہے تو بیوی بن کے شوہر کے گھر میں رہے ناں، باپ کے گھر میں کیا کر رہی ہے؟"

"مجنوں..... یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟" لیلیٰ نے اس کے قریب آ کر تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"آنکھوں پر جو تیرے پیار کا پردہ پڑا تھا وہ اب اتر گیا ہے۔ تیری اور تیرے باپ کی ساری چالاکی سمجھ میں آ گئی ہے۔ نہیں رہنا مجھے گھر داماد کے نام پر کتا بن کے تیرے باپ کے گھر میں۔ تجھے یہ کتا پیارا ہے شوہر نہیں۔ کتے کی فکر میں ہلکان ہوئی جاتی ہے کہ ٹمی نے کچھ کھایا پیا کہ نہیں۔ ٹمی ٹھیک سے سویا کہ نہیں۔ کبھی اپنے شوہر سے بھی پوچھا چائے کھانے کا؟ بڑی باتیں کرتی تھیں کہ یہ گھر تمہارا ہے، تم پاپا کے بیٹے ہو۔ کاروبار تمہارا ہے، تمہاری ماں میری ماں ہے۔" مجنوں نے سخت اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

"مجنوں تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"غلط تو میں شروع دن سے سمجھتا رہا۔ ابھی تو درست سمجھنے لگا ہوں لیلیٰ میڈم جی..... تم رہو اپنے سیٹھ باپ کے گھر اپنے ٹمی کے ساتھ۔ میں اب یہاں نہیں آنے کا۔"

"تم ٹمی سے جل رہے ہو؟"

"نہیں میں اس بات سے جل رہا ہوں کہ تو نے مجھ میں اور ٹمی میں کوئی فرق ہی نہیں سمجھا۔ وہ کتا ہے تو تُو نے مجھے بھی کتا سمجھ لیا۔ لیکن لیلیٰ میڈم جی، مجنوں نے لیلیٰ سے پیار ضرور کیا تھا۔ لیلیٰ پیاری تو لیلیٰ کا کتا بھی پیارا تھا مگر میں ساری زندگی تیرے پیچھے دم ہلاتا نہیں پھر سکتا نہ ہی تیرے ٹمی کی طرح تیرے پاؤں چاٹ سکتا ہوں اس لیے جا رہا ہوں اور دوبارہ اس گھر میں نہیں آنے کا۔ کان کھول کر سن لو۔"

"کیسے نہیں آؤ گے؟ میں بیوی ہوں تمہاری تم پر حق

ہے میرا۔" لیلیٰ نے تیزی سے اس کے آگے آ کر راستہ روکتے ہوئے یاد دلایا۔

"بیوی ہونے کا حق چاہیے تو شوہر کا گھر آباد کرو بی بی..... ایسے ہی حق نہیں جتایا کرتے۔ کچھ اپنے فرض بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔" مجنوں نے اس کے چہرے کی سیاہی میں مزید اضافہ کیا۔

"تو میری بیٹی کو اس کا فرض یاد دلا رہا ہے؟ ابے اپنی اوقات بھول رہا ہے۔ تجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا میری بیٹی نے۔" سیٹھ قدرت اللہ نے رعونت سے کہا تو مجنوں بھڑک کے بولا۔

"مجھے اپنی اوقات اچھے سے یاد ہے کچرا سیٹھ لیکن تم بھول رہے ہو کہ تمہاری کیا اوقات تھی۔ آج یہ حیثیت ہے پر دماغ، دل اور سوچ میں آج بھی تم دونوں کے کچرا ہی بھرا ہے۔ رشتوں اور جذبوں کو پیسوں میں تولتے ہو۔ انسانوں کو کتوں کی طرح برتتے ہو، پلید جانور کو اپنی میز پر کھانا کھلاتے ہو اور قریبی رشتے کو حقیر سمجھ کر نکے نکے کاموں میں لگائے رکھتے ہو۔ تم دونوں نے سمجھ لیا تھا کہ ایک کاٹھ کا الو ہاتھ آ گیا ہے تو اس سے اپنا الو سیدھا کیے جاؤ۔ مجنوں کو تم دونوں نے الو ضرور بنایا آٹھ مہینے تک پر مجنوں اتنا بھی سیدھا نہیں ہے کہ اپنے ساتھ کھیلا جانے والا کھیل سمجھ ہی نہ سکے۔"

"مجنوں..... تمہیں جانا ہے تو جاؤ۔ زیادہ باتیں بگھارنے کی ضرورت نہیں..... تمہیں گھر داماد بن کے رہنا پڑے گا ورنہ....." لیلیٰ نے اتراتے ہوئے اپنی دولت کی زعم میں کہا۔

"تجھے ورنہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کلو پری، میں تو خود ہی یہ جہنم چھوڑ کے اپنی ماں کی جنت میں جا رہا ہوں۔" مجنوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روکتے ہوئے کہا اور اپنا سامان اٹھا کے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

"بس یہ تھی تمہاری محبت؟" لیلیٰ نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"محبت کو محبت نہ ملے تو چلتا ہے پر اگر محبت کو عزت نہ ملے تو سب ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کہانی ہی اور تھی لیلیٰ کو مجنوں سے پیار ہو گیا تھا اس لیلیٰ کو تو نہ پیار راس آیا نہ عزت۔" مجنوں نے اسے عصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا اور اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے باہر نکل گیا اور اپنے گھر کا رخ کیا جہاں اس کی ماں اس کی آمد کی منتظر تھی۔

❁.....❁.....❁

"اللہ بخشے میری ماں ہمشتن کہا کرتی تھی کہ انسان کو دنیا میں دو چیزیں نصیب سے ملیں۔ ایک پیار اور دوسرا پیسہ..... پیسہ مل جاوے تو اپنی کھال میں رہو اپنا کل، اپنی اوقات نہ بھولو اور اگر پیار ملے تو اس کو پیار دلار سے، عزت حفاظت سے، سینت سینت کے سنبھال کے رکھو۔ اس کی قدر کرو۔ نہیں پیار سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ پھر ہزار جتن بھی کرو گے تو سچا پیار کرنے والا، چاہنے والا نہیں ملنے کا۔" سیٹھ قدرت اللہ نے رات کو کھانے کی میز پر لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو لیلیٰ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"دادی کی یہ باتیں آپ کو پہلے کیوں نہیں یاد آئیں اور آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں سمجھائیں یہ باتیں؟" لیلیٰ نے خالی پلیٹ میں چمچ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔ لہجہ شکایتی تھا۔

"پیسہ ملنے پر اپنی اصل، اپنا کل، اپنی اوقات جو بھول گیا تھا میں۔ غریب آدمی کو اچانک سے اتنی دولت مل جائے تو وہ پیار محبت کو بھی بکاؤ مال سمجھنے لگتا ہے جسے وہ اپنی دولت سے خرید لے گا۔ ہم نے بھی مجنوں کے پیار کو اپنے پیسے میں تولا تھا۔ وہ تو تیرے پیار میں سب کو چھوڑ چھاڑ کے ہمارے ساتھ آن بسا تھا پر ہم نے اس کی قدر ہی نہ جانی اور اسے اپنا نوکر سمجھ لیا۔ زر خرید غلام کا سا سلوک اور رویہ رکھا اس بھلے آدمی کے ساتھ۔" سیٹھ قدرت اللہ نے اپنی زیادتیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈ..... ہم نے اس کی قدر نہیں کی۔ قدرت نے تو مجھ جیسی کم صورت لڑکی کو اتنا حسین چاہنے والا خوب صورت شوہر دیا تھا اور میں اپنی دولت اور

امیری کے نشے میں ایسی غرق تھی کہ اسے خاطر میں نہ لائی۔ وہ خوددار اور محنتی شخص تھا تب ہی اپنی عزت نفس اور محبت کی یہ تذلیل برداشت نہیں کر پایا اور چلا گیا یہاں سے۔" لیلیٰ نے احساس ندامت سے پُر لہجے میں کہا آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"ہاں صحیح کہا تو نے بیٹا..... مجھے مجنوں کو نوکر بنانے سے پہلے، اسے ذلیل کرنے سے پہلے اپنی بیٹی کی شکل اور اپنا کل ضرور دیکھ لینا چاہیے تھا بہت بڑی بھول ہوگئی مجھ سے میں نے باپ ہو کے بھی اپنا فرض نہیں نبھایا۔ بیٹی کو گھر بسانے کا سبق نہیں پڑھایا۔ دولت نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ بہت بڑی بھول ہوگئی مجھ سے بلکہ گناہ کیا ہے میں نے۔ دل آزاری بہت بڑا گناہ ہے اور ہم نے مجنوں کی دل آزاری ہی نہیں کی بلکہ اس کی بوڑھی بیوہ ماں کو بھی دکھ دیا ہے۔ برا کیا ہم نے بہت برا کیا۔" سیٹھ قدرت اللہ نے شرمندگی اور بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا اور کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شرمندگی سے رونے پر تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے تو مجنوں معاف نہیں کرے گا کیا؟" لیلیٰ نے استفسار کیا۔

"مجنوں اعلا ظرف ہے۔ معافی کی امید رکھی جا سکتی ہے پر تو اچھی طرح سوچ لے تو چاہتی کیا ہے؟"

"میں مجنوں کا ساتھ چاہتی ہوں، پاپا مجھے مجنوں کی بیوی بن کے رہنا ہے۔ اس کا ساتھ چاہیے مجھے پاپا۔" لیلیٰ نے روتے ہوئے کہا وہ شدید احساس جرم و احساس ندامت میں مبتلا رو رہی تھی۔

"یہ اچھی بات ہے لیلیٰ بیٹی..... تجھے مجنوں سے معافی مانگنا ہوگی۔"

"مانگ لوں گی معافی غلطی اور زیادتی بھی تو میری ہے ناں۔" لیلیٰ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اب عقل پر پڑا پردہ ہٹ گیا ہے تو پھر چل میں خود تجھے تیرے سسرال چھوڑ کے آؤں گا ابھی۔"

"اوکے پاپا..... میں ابھی اپنا ضروری سامان پیک کر کے آتی ہوں۔" لیلیٰ نے تیزی سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

❁.....❁.....❁

مجنوں کے گھر کا دروازہ اور گھنٹی ایک ساتھ بجے تھے۔ دونوں ماں بیٹا ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھے۔ مجنوں نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

"اس وقت کون آ گیا۔ اللہ خیر کرے۔" نادرہ بیگم فکر مندی سے بولتی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"میں دیکھتا ہوں اماں..... تم لیٹی رہو۔" مجنوں نے بستر سے اترتے ہوئے کہا اور صحن میں آ کر دروازہ کھولا تو سامنے لیلیٰ اور سیٹھ قدرت اللہ کھڑے تھے۔

"تم یہاں اور اس وقت؟" مجنوں کی حیرت دیدنی تھی۔

"ہاں میں، ہٹو راستہ دو۔" لیلیٰ بڑے دھڑلے اور استحقاق سے اسے ہاتھ سے ایک طرف کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوگئی۔ پیچھے پیچھے سیٹھ قدرت اللہ بھی اس کے سوٹ کیس اٹھائے اندر چلے آئے۔ مجنوں نے اس کے پیچھے آتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"اے اے یہ کیا تم بنا اجازت گھر میں گھسی چلی آ رہی ہو پوچھنا تک گوارہ نہیں کیا؟"

"اپنے گھر آنے کے لیے اجازت کی ضرورت تھوڑی ہوتی ہے نہ ہی کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے، سمجھے۔" لیلیٰ نے بڑی ادا سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ نادرہ بیگم بھی آوازیں سن کر کمرے سے باہر چلی آئیں اور اپنی بہو اور اس کے باپ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"بیٹا..... لیلیٰ بیٹی کو اپنی زیادتیوں غلطیوں اور بدتمیزیوں کا احساس ہوگیا ہے۔ یہ شرمندہ ہے تجھ سے، بہت چاہتی ہے تجھے۔ تیرے آنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ تیرے بغیر کچھ بھی نہیں ہے یہ اپنا گھر بسانا چاہتی ہے تیرے ساتھ۔"

"اچھا.....؟ بڑی جلدی احساس ہوگیا۔" مجنوں نے بے یقینی سے لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا جو شرمندہ دکھائی دے

رہی تھی۔

"شکر ہے ناں جلدی احساس ہوگیا، دیر ہوجاتی تو سب ختم ہوجاتا۔ وہ کہتے ہیں ناں دیر آید درست آید تو تم مجھے معاف کردو۔ میری ہر بدتمیزی اور زیادتی کے لیے پلیز۔ آئندہ تمہیں کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی مجھ سے آئی پرامس۔ پلیز معاف کردو مجنوں۔" لیلیٰ نے ندامت سے کہتے ہوئے اس کے سامنے کان پکڑے اور اپنے ہاتھ جوڑے تو مجنوں کو اس کے انداز میں سچائی محسوس ہوئی وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اماں..... صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے پر اگر صبح کا بھولا رات کو گھر لوٹ کے آئے تو اسے کیا کہیں گے؟"

"اسے مجنوں کی لیلیٰ کہیں گے۔ آجاؤ بہو، یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔" نادرہ بیگم نے بھی بیٹے کی خوشی میں خوش ہوتے ہوئے لیلیٰ کو بڑھ کر گلے سے لگالیا۔

"اور سیٹھ جی..... وہ کہاں ہے۔ آپ کی بیٹی کا وفادار۔" مجنوں نے سیٹھ قدرت اللہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تو وہ کہنے لگے۔

"ٹمی تو میرے گھر پر ہے اور کل صبح میں اسے اپنے ایک دوست کے پاس بھیج رہا ہوں ہمیشہ کے لیے۔ اسے کتے پالنے کا شوق ہے وہ ٹمی کو بھی اچھے سے رکھے گا اب تم دونوں بھی اچھے سے رہو۔ میں تو چلا۔ اللہ حافظ۔"

"ارے سیٹھ جی رکو تو سہی۔" مجنوں آواز دیتا رہ گیا اور وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔ مجنوں دروازہ بند کرکے لیلیٰ کے قریب چلا آیا۔

"لیلیٰ..... واقعی میرے ساتھ رہوگی ہمیشہ؟"

"ہاں۔" لیلیٰ نے شرما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس گھر میں اے سی نہیں ہے، جنریٹر بھی نہیں ہے، رہ لوگی؟"

"رہ لوں گی۔ تم بھی تو رہتے ہو یہاں۔"

"اچھا..... گھر کے کام بھی تمہیں خود ہی کرنے پڑیں گے۔ نوکرانی نہیں ہے یہاں۔"

"میں ہوں ناں آپ کی کنیز۔ میں سب کام کرلوں گی۔" لیلیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ حیرت و مسرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"سوچ لو..... تمہارے ابا جتنی دولت بھی نہیں ہے میرے پاس۔ روز روز شاپنگ نہیں کراؤں گا تمہیں۔"

"میں بھی روز روز شاپنگ کی فرمائش نہیں کروں گی لیکن ضرورت کی ہر چیز لاکے دینا ہوگی تمہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"واہ اماں..... آپ کی بہو تو ایک ہی دن میں بدل گئی۔" مجنوں نے ماں کو مخاطب کرکے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا مجنوں..... عورت اگر گھر بسانا چاہے ناں تو اپنے آپ کو سر سے پیر تک، سوچ سے عمل تک بدل ڈالے ہے۔"

"ہاں اور میری سمجھ میں آگیا ہے کہ گھر دولت سے نہیں محبت اور عزت سے بنتے اور بستے ہیں۔ محبت اور عزت کرنے والا جیون ساتھی مل جائے تو جھونپڑی بھی محل بن جاتی ہے اور اگر محبت، عزت ہی نہ ہو تو محل بھی دوزخ سا لگتا ہے۔" لیلیٰ نے سمجھدارانہ انداز میں کہا۔

"لیلیٰ..... تم اتنی اچھی نہ بنو کہ میں تمہارے جیسی ایک اور ڈھونڈنے چل دوں۔" مجنوں نے شوخ لہجے میں کہا تو وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"تم مجھے ہی بھگت لو تو کافی ہے۔" لیلیٰ نے اسے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی بے ساختہ ہنس دیا۔

نادرہ بیگم نے اپنے بہو بیٹے کو ہنستے دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے بیٹے کا گھر بالآخر بس ہی گیا۔ اتنی بڑی خوشی کا سجدہ شکرانہ تو بنتا تھا ناں۔

قسط نمبر 1

عشق نگر کے مسافر

ندا حسنین

وہاں گھپ اندھیرا تھا اور وہ دہشت زدہ سا بھاگ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیوں اور کس لیے بھاگ رہا ہے مگر اس کی ٹانگوں سے انجانے خوف کی سائے لپٹنے کو تھے، جن سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے وہ سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ کئی دفعہ وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا تھا مگر پھر ہمت مجتمع کر کے اٹھتا اور پہلے سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ ان سایوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے بھاگنے کی سعی کرتا۔ اچانک اسے ان تاریک فضاؤں کو چیرتی، چنگھاڑتی ہوئی ایک خوفناک چیخ سنائی دی۔ وہ متوحش سا پلٹا۔ وہ کوئی بلا تھی جو چیختی چنگھاڑتی اس کی جانب برق رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ خود سے اس کی آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ وہ بے ساختہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ آن کی آن میں وہ بلا اس کے سر پر آن پہنچی تھی۔ وہ گھبرا اُٹھا۔ اندھا دھند بھاگنا چاہتا تھا مگر جیسے کسی مقناطیسی قوت نے اس کے قدم جکڑ لیے ہوں۔ وہ چاہ کر بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں پا رہا تھا۔ اس کی قوتِ گویائی بھی سلب ہو چکی تھی۔ نہ وہ چیخ پا رہا تھا، نہ ہی کسی کو مدد کے لیے پکار سکتا تھا۔ وہ بلا شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔ اس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ چنگاریاں اسے جلا کر بھسم کر ڈالیں گی۔ اچانک اس بلا کے روپ بدلنے لگے اور ہر بدلتے روپ کے نین نقش اسے جانے پہچانے لگنے لگے۔ وہ ششدر سا رہ گیا۔

اگلے ہی لمحے اس پل پل رنگ و روپ بدلتی بلا کے منہ سے شعلے نکلے اور ان لپکتے شعلوں نے اسے نگل لیا۔ اس کی ہولناک چیخ فضا میں اُبھر کر تاریکی میں معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ ایک کشادہ ہال تھا جہاں قطار در قطار نشستیں سجی ہوئی تھیں۔ ان نشستوں پر براجمان افراد آنکھیں بند کیے اپنی اپنی نشستوں سے پشت ٹکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے انداز سے اطمینان جھلک رہا تھا البتہ ان سب کے چہرے کورے کاغذ کی طرح تاثرات سے عاری تھے۔ ان سب کی نشستوں کے سامنے ڈیسک پر ہلکے گلابی رنگ کی فائل موجود تھی۔

''ہماری زندگی اکثر و بیشتر ذمہ داریوں کے اَن دیکھے بوجھ تلے جا دبتی ہے اور ان نادیدہ بوجھ کو کاندھوں پر لاد کر سر اُٹھا کر چلتے رہنا ہمارے لیے بے حد دشوار ہو جاتا ہے۔ ہم تھک کر بے زار ہو جاتے ہیں۔ یہ ذمہ داریاں' دشواریاں' یوں لگتا ہے جیسے دھیرے دھیرے ہماری خوشیوں کو نگل رہی ہیں۔ ہماری زندگیوں کو اپنے شکنجے میں قید کیے جا رہی ہیں مگر..... یہی تو آزمائش ہے اور مشکلوں' آزمائشوں سے مسلسل نبرد آزما رہنے کا نام ہی تو زندگی ہے۔ اس مسلسل جنگ سے مقابلے کو ہی تو جینے کا قرینہ کہتے ہیں۔'' ہال میں نسوانی آواز گونج رہی تھی۔ لفظوں

سے شگفتگی جھلک رہی تھی جبکہ لہجہ نرم و مترنم تھا۔ وہاں ہال میں موجود تمام افراد پُرسکون سے اپنی سماعتوں پر پڑتی لفظوں کی پھوار کو سن رہے تھے۔

''ہر مشکل سے مشکل حالات میں بھی دل میں جینے کی امنگ اور ہونٹوں پر مسکراہٹ قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھنا' اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے بوجھ کو بھی بانٹنا' ان کے چہروں پر مسکان بکھیرنا' ان کی مشکلوں کو آسان کرنا..... یہی تو ہے جینے کا قرینہ۔ مگر یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ ہنر ہر کسی کو نہیں حاصل ہوتا۔ یہ صلاحیت خداوند تعالیٰ ہر کسی کو دان نہیں کرتا۔ اتنا بہادر ہر کوئی نہیں ہوتا.....'' لفظوں کے زیر و بام کے ساتھ ساتھ ہال میں میڈم فرنانڈس کی سینڈل کی ہیل کی آواز بھی گونج رہی تھی مگر ہیل کی یہ آواز کسی کے بھی سماعت پر گراں نہیں گزر رہی تھی البتہ ان سب کے چہروں پر تاثرات کی عجب کھچڑی پکی ہوئی تھی۔ غالباً وہ سب ہی تصور میں اپنی اپنی نادیدہ ذمہ داریوں کے انبار سے خود کو نبرد آزما دیکھ رہے تھے۔

''مگر..... آپ ہیں وہ بہادر.....!'' وہ شگفتہ' نرم و مترنم آواز ایک مرتبہ پھر ہال میں گونجی اور پھر کچھ پل کے لیے ہال میں خاموشی چھا گئی۔ میڈم ماریا ایک توقف کے بعد پھر سے گویا ہوئیں۔

''آپ ہیں وہ بہادر جو اپنے اندر وہ قوت پوشیدہ رکھتے ہیں جو کہ اپنی جنگ کے ساتھ ساتھ اپنے سے کمزوروں کی جنگ بھی لڑ سکیں۔ یہ خاص صلاحیت خداوند تعالیٰ نے آپ سب کو دان کر دی ہے کیونکہ آپ سب ہیں بہت خاص' بہت نایاب.....'' میڈم ماریا کے لفظ اچانک مسکرا اُٹھے اور ان مسکراتے لفظوں کی روشنی میں اتنی شدت تھی کہ ہال میں موجود تمام افراد کے چہروں پر ان کا عکس جھلملانے لگا۔ کچھ ساعتوں قبل چہروں پر چھائی کشمکش کی دوڑ اب رفتہ رفتہ تھمنے لگی تھی۔

''ہم ساری زندگی خوشیوں کے حصول کے لیے نہ جانے کن کن راہوں پر جا نکلتے ہیں اور یہ خوشیاں ہمارے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں مگر ہم لاعلم رہتے ہیں مگر آپ ہیں وہ باکمال لوگ جو ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے طاقت حاصل کرنے کا راز پا لیتے ہیں۔ یہ اردگرد جگنوؤں کی طرح منڈلاتی جگمگاتی ننھی منی خوشیاں ہی تو دراصل ہمارا انرجی ڈوز ہوتی ہیں۔ ہمارا پاور پیک ہوتی ہیں۔'' عجب جادوگری تھی میڈم فرنانڈس کے لفظوں میں۔ وہ سب مسحور نظر آ رہے تھے۔ ہال میں جامد خاموشی پھیلی ہوئی تھی مگر اس خاموشی میں سکون و طمانیت کے رنگ گھلے ملے ہوئے تھے۔

''یاد کریں..... شاید کل ہی آپ نے اپنے دوستوں کے ہمراہ مچھیروں کی بستی میں تلی ہوئی سارڈین مچھلی کھائی ہو اور اس کا سواد اب تک آپ کے منہ میں گھلا ہوا ہو۔'' میڈم فرنانڈس اب اپنی نشست پر دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ جمائے بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ہال میں موجود کئی افراد کے لب بے ساختہ مسکرا اُٹھے۔ کل اتوار کا دن تھا اور اتوار کے دن سان سباستیان میں بسنے والوں کی اکثریت کو نچا کے ساحل سمندر سے منسلک مچھیروں کی بستی کا رُخ تلی ہوئی سارڈین مچھلی کا ذائقہ چکھنے کی غرض سے ضرور کرتی ہے کیونکہ وہاں جانے والے جانتے تھے کہ تلی ہوئی سارڈین مچھلی کا ذائقہ کیسی انوکھی خوشی سے متعارف کراتا ہے۔

''اور ہاں..... ذرا یاد کریں' شاید کل آپ میں سے کسی کے خاوند نے بڑے چاؤ سے آپ کے لیے فاسمین

کے پھولوں کے گجرے لائے ہوں۔'' کئی خواتین کے لب بے ساختہ مسکرا اُٹھے۔

''اور آپ کے وہ جاگتی آنکھوں دیکھے سپنے جو آپ کی خواہشات کا مجسمہ ہیں' جو آپ کے اندر جینے کی اُمنگ پیدا کرتے ہیں' وہ سپنے اپنی تکمیل کے لیے آپ کے منتظر ہوں۔'' میڈم فرنانڈس اس بار کھل کر مسکرا رہی تھیں۔ ماریانہ کے لب میڈم فرنانڈس کی اس بات پر بے ساختہ مسکرا اُٹھے اور بند آنکھوں کے کناروں پر جھکی گھنیری پلکوں کی جھالریں بے اختیار لرزنے لگیں۔ شاید وہ اپنے جیتے جاگتے خواب تصور کی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے لبوں پر ابھی بھی مسکان سجی تھی۔

''یہ ذمہ داریاں' کٹھنائیاں سب اپنی جگہ مگر یہ محبتیں' اُمنگیں' یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہماری زندگیوں میں مٹھاس گھولتی ہیں۔ آج بھی آپ کی خوشیاں آپ کی منتظر ہیں۔ نہ جانے کتنے لوگ آپ کے ساتھ کے خواہشمند ہیں۔ کتنی منتظر آنکھیں آپ کی راہ تکتی ہیں۔ ایک خوب صورت صبح اپنے تمام تر اُجالوں' رنگوں اور رعنائیوں کے ہمراہ آپ سب کی منتظر ہے۔'' میڈم فرنانڈس کی آواز میں ایک جلترنگ نمایاں تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دیواروں میں نصب کھڑکیوں کی جانب بڑھنے لگیں۔ ہال میں موجود تمام افراد کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں البتہ ان سب کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

''ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیے' ایک مسکراتی ہوئی چمکیلی صبح بانہیں کھولے آپ سب کی منتظر ہے۔'' میڈم فرنانڈس نے کھڑکیوں کے پٹ یک بہ یک کھولتے ہوئے کہا۔ ان سب نے دھیرے دھیرے اپنی آنکھیں کھولیں۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں سے سنہری کرنیں جھانک رہی تھیں' پرندوں کی سریلی چہکار یوں محسوس ہوتا تھا جیسی قدیم دُھن فلیمنگو کی لے پر گیت گا رہی ہوں۔ ساعتوں میں رس گھول رہی ہوں۔

میڈم فرنانڈس پورے ہال کا چکر لگا کر واپس اپنی جگہ پر آن کھڑی ہوئیں۔ ہمیشہ کی طرح ان کے چہرے پر مہربان سی مسکراہٹ سجی تھی۔ ہال میں موجود سب ہی افراد میڈم فرنانڈس کی جانب متوجہ ہوئے۔ کچھ دیر قبل ان سب کا انرجی بوسٹنگ سیشن (Energy Boosting Session) چل رہا تھا' جو ان سب کے لیے بے حد ضروری تھا۔

اپنے شاگردوں کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''بیونس ڈیاز..... (صبح بخیر) سورج کی چمکتی کرنوں کے ساتھ ساتھ آپ کے رواں ہفتے کا ٹاسک بھی آپ سب کا منتظر ہے۔'' ان سب کی نگاہ بے اختیار ہلکے گلابی لفافے پر جا ٹھہری تھیں۔

❀.....❀.....❀

اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی اور وہ متوحش سا بستر سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا پورا بدن پسینے میں شرابور تھا۔ آخر یہ خواب اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ ایک عجیب سی بے کلی اس کے اندر سرایت کر چکی تھی۔ وہ بے چین سا اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں بھینچ کر بیڈ کراؤن سے پشت ٹکائے نڈھال سا بیٹھ گیا۔ وہ تھک چکا تھا۔ اپنے ماضی کی ہولناکیوں سے ڈر ڈر کر..... ان ڈراؤنے خوابوں سے لڑ لڑ کر..... وہ اب تھک چکا تھا اور یہ تھکن اب اس کے پور پور سے جھلکنے لگی تھی۔ کچھ دیر تک یونہی وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔ کمرے میں ہنوز گھپ

اندھیرے نے بسیرا کر رکھا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر شمعدان موجود ہونے کے باوجود اس نے روشن نہیں کی تھی۔ جو اندھیرا وہ خوابوں میں دیکھتا آرہا تھا' کمرے میں چھایا اندھیرا اس سے کئی گنا بہتر تھا۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے اپنی تمام ہمیں مجتمع کیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا۔ گھونٹ گھونٹ پانی پیتے ہوئے اس کے تنے ہوئے تاثرات کچھ ڈھیلے پڑنے لگے۔ تیز تیز چلتی دھڑکنیں رفتہ رفتہ اعتدال پر آنے لگیں۔ ایک آگ کی طرح بھڑکتی' یادوں کے شعلے کچھ مدھم پڑنے لگے۔ باقی کا گلاس خالی کر کے وہ بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر قبل طاری ہونے والی وحشت میں کچھ تو کمی آئی تھی مگر گھٹن کا احساس اسے ابھی بھی پریشان کر رہا تھا۔ وہ کمرے کا دروازہ کھول کر بالکونی میں جا کھڑا ہوا۔

ایک خوشگوار ہوا کے جھونکے نے اسے آنکھیں میچنے پر مجبور کر دیا۔ کونجا کے ساحلوں کی نم ریت سے اٹھکھیلیاں کرتی خوشگوار ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی' اس کے پسینے سے شرابور بالوں میں جا چھپی۔ گھٹن کا احساس یک دم کافور ہو گیا تھا۔ اس نے اس تازہ ہوا کے جھونکے کو گہری سانس کی صورت اپنے اندر اتارا۔ سامنے روشنیوں سے جگمگاتا شہر آباد تھا۔ وہ اس وقت جدید طرز کے حامل ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی دسویں منزل کی بالکنی کی ریلنگ کو دونوں ہاتھوں سے تھامے پشت کو ہلکا سا خم دیئے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ احساسات سے عاری۔ کچھ لمحے قبل وہ شدید ذہنی اذیت میں مبتلا رہا ہے۔ اس اذیت کا کوئی بھی نشان اب اس کے چہرے پر نہ تھا۔

کچھ گھنٹوں قبل ہی اس نے اسپین کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ سان سباستیان میں آج اس کی پہلی شب تھی اور اس پہلی شب میں ہی اسے بخوبی احساس ہو چکا تھا کہ اس کا ماضی ان خوفناک خوابوں کے ہمراہ اس کے تعاقب میں یہاں بھی آپہنچا ہے۔ وہ اب کس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کا چہرہ اس کی خبر نہ دیتا تھا البتہ اس کی نگاہیں..... دُور..... بے حد دُور سے نظر آتے سانتا کلارا کے جزیرے پر ٹکی ہوئی تھیں' جہاں روشنیاں جگنوؤں کی مانند جگمگا رہی تھیں۔

❀.....❀.....❀

سب ہی اس لفافے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ مرینہ نے بھی ہلکے گلابی لفافے کو دھیرے سے کھولا۔ لفافے کے اندر ایک اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ اس نے بھی باقی سب کی طرح حیرانگی سے نظریں اٹھا کر میڈم فرنانڈس کی جانب دیکھا۔

''اس لفافے میں موجود رقم آپ کی ہی ماہانہ فیس کا پچاس فیصد حصہ ہے۔'' میڈم فرنانڈس نے مسکرا کر سب کی آنکھوں میں پنپتے سوال کو پڑھ کر جواب دیا۔ تقریباً وہاں موجود سب ہی افراد نے گلابی لفافے میں موجود رقم کو ایک بار پھر بغور دیکھا۔

''آپ کو یہ رقم کسی ایسے انسان یا خاندان پر صرف کرنی ہے جو مشکلوں' مصیبتوں میں گھرا ہونے کے باوجود اپنے مصائب کی داستان زبان پر نہ لاتا ہو۔ پیسوں کی اشد ضرورت ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو۔ جسے اپنی عزتِ نفس اور خودداری بے حد عزیز ہو۔ ایسے انسان کی مدد اس انداز میں کرنی ہے کہ اس کی

خودداری یا عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچے۔ آپ کی عاجزی وانکساری اور خوش اخلاقی کا گراف بلند ہونا چاہیے مدد کرتے وقت ایسے خوددار مگر حالات کے ستم سے مجبور' آسان لفظوں میں کہوں تو سفید پوش لوگوں کو کھوجنا اور ان کی مدد کرنا ہی آپ لوگوں کا موجودہ ٹاسک ہے اور اس ٹاسک کی مکمل و جامع تفصیل آپ سب کا اسائنمنٹ ہے۔'' میڈم فرنانڈس نے ٹاسک سے جڑی تمام معلومات ان سب کے گوش گزار کردیں۔ اس طرح کے ٹاسک ان سب کے لیے نئے نہ تھے۔ ہر کچھ دن بعد ان سب کو مختلف نوعیت کے ٹاسک فراہم کیے جاتے تھے جو انہیں ایک بہترین ہیپناتھراپسٹ بننے میں معاون ثابت ہوتے۔

مگر موجودہ ٹاسک کی نوعیت اب تک کے ٹاسک سے بالکل مختلف تھی۔ ان سب کے ذہنوں میں کئی سوال کلبلانے لگے۔

''آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ اس ٹاسک کے مقاصد کیا ہیں۔'' میڈم فرنانڈس نے ان سب کے ذہنوں کو پڑھتے ہوئے کہا۔ ایک مہربان مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کیے رکھا۔

''وہ عہد نامہ تو یاد ہوگا آپ سب کو' جس پر ادارے نے آپ سب سے عہد لیا تھا کہ ہیپناتھراپسٹ بننے کے بعد آپ اپنے ہر دس مریضوں میں سے ایک کا علاج مفت کریں گے۔ یہ عہد آپ سب سے اس لیے لیا گیا تھا کہ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے مریض باآسانی آپ تک رسائی حاصل کرسکیں۔ حیثیت نہ رکھنے کے باوجود وہ آپ کے علاج سے مستفید ہوسکیں۔ مگر آپ کے مریضوں میں سے کون اس دست گیری کا مستحق ہے' اس کا فوری فیصلہ کیسے کریں گے آپ' کیا ایسی باریک بین نظر ہے آپ کے پاس؟'' میڈم فرنانڈس نے ان سب کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ اسٹوڈنٹس کی جانب سے مسلسل جامد خاموشی برقرار رہی۔

''اس ٹاسک کو مرتب کرنے کا ہمارا پہلا اہم مقصد ہی آپ کو ایسے لوگوں کی پہچان کرانا ہے جو بظاہر ضرورت مند نظر نہیں آتے مگر بے حد مجبور اور بے بس ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اتنے وسائل تو نہیں ہوتے مگر آپ سے علاج کرانے کے لیے وہ شدت سے خواہش مند ہوتے ہیں۔'' میڈم فرنانڈس اتنا کہہ کر چند ثانیے کو رکیں۔ پھر ایک توقف کے بعد بولیں۔

''بدقسمتی سے ہم جس صدی میں داخل ہوچکے ہیں' وہاں نفسانفسی اور بے حسی اتنی پھیل چکی ہے کہ مفت میں تو کوئی اپنا بخار بھی کسی کو نہیں دے۔ تنویمی علاج کے معالج بننے کے بعد آپ کا ایک ایک لمحہ بے حد قیمتی ہوگا اور اپنا یہ قیمتی وقت جب آپ ہر دسویں مریض کو مفت دیں گے تو یقینی طور پر آپ کے انداز و اطوار میں تبدیلی رونما ہوگی۔ آپ کے لفظوں میں احسان مندی کے رنگ نمایاں ہوں گے۔ لہجے میں بھی مریض کے لیے وہ پروانہ ہوگی جو دوسروں کے لیے ہوگی۔ آپ کا فیور (Favour) لیے بیٹھا مریض آپ کے لیے اتنا اہم نہیں ہو پائے گا جتنا کہ وہ حق رکھتا ہے اور ہم آپ کے اندر پیدا ہونے والے اس احساسِ تفاخر کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ادارے Mind Technology (مائنڈ ٹیکنالوجی) کا یہ اصول ہے کہ ہمارے تربیت یافتہ عالم تنویم اپنے علاج کے دوران کبھی بھی کسی مریض کی خودداری اور عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچائیں' اس لیے اس ٹاسک کا دوسرا مقصد آپ کے اندر سے اس رویے اور احساس کو دُور کرنا ہے جو کسی کی دل شکنی کا موجب بنے۔'' اسٹوڈنٹس میڈم

فرنانڈس کی زبانی اس ٹاسک کے مقاصد جان کر حوصلہ افزا انداز میں مسکرانے لگے تھے' جیسے خاموش پیغام دے رہے ہوں کہ وہ مائنڈ ٹیکنالوجی کے اس اصول کو اپنی زندگی کے رہنما اصولوں میں سرفہرست رکھیں گے۔

''میں اُمید کرتی ہوں آپ اس ٹاسک کی اصل روح سے بخوبی واقف ہو چکے ہوں گے۔ Buena Suerte (کامیابی آپ کے قدم چومے)۔'' سیشن کا مرحلہ اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ میڈم فرنانڈس سیشن ہال سے باہر جا چکی تھیں۔

مائنڈ ٹیکنالوجی ایک ایسا انسٹیٹیوٹ تھا جو انسانی ذہن کے حوالے سے نہ صرف ریسرچ میں مصروف تھا بلکہ نفسیاتی امراض کا علاج تنویمی عمل (Hypnosis) کے ذریعے کرنے کی تعلیم کو فروغ بھی دے رہا تھا۔

Hypnosis (تنویمی عمل) ایک ایسے عمل کا نام ہے جس میں معالج اپنے مریض کو ایک ایسے ٹرانس میں لے جاتا ہے جو سونے جاگنے کی درمیانی کیفیت ہوتی ہے۔ مریض جب اس خاص کیفیت میں جا پہنچتا ہے' تب وہ اپنے معالج کی جانب سے تمام Command (احکام) من وعن قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ معالج اس کی ذہنی پریشانیوں' الجھنوں کے حوالے سے سوال پوچھتا ہے اور مریض اس کے ہر سوال کا صحیح صحیح جواب دیتا چلا جاتا ہے۔ وہ واقعات بھی مریض باآسانی اپنے معالج کے سامنے گوش گزار کر دیتا ہے جو عام حالات میں کہنے سے گھبراتا یا خوف کھاتا ہے۔ مریض کی الجھنیں' پریشانیاں جان لینے کے بعد ہپناٹھراپسٹ تنویمی عمل کے ہی ذریعے مریض کی ذہنی حالت کو اعتدال میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ذہن سے تمام منفی خیالات' خوف' فکر' ناامیدی' جو سخت ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں اور مریض کی ذہنی کیفیت اور شخصیت کو متاثر کرتے ہیں' انہیں دور کرتا ہے۔ خوشگوار یادوں' مثبت خیالات اور پُرامیدی کے دیپ جلاتا ہے۔

انرجی بوسٹنگ سیشن بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا' جس کا میڈم فرنانڈس روز اپنے اسٹوڈنٹس کے لیے خاص طور پر اہتمام کرتی تھیں۔ ہر عام انسان کی طرح ان کے طالب علم بھی یقیناً بے تحاشا مسائل کا شکار ہوں گے اور جب تک وہ خود ان الجھی ہوئی کیفیات سے نہیں نکلیں گے' دوسروں کو ٹراما سے کیسے نکالیں گے' اس لیے وہ ہر سیشن میں اُن سب کو ذہنی طور پر مضبوط کرنا چاہتی تھیں۔ اس کے علاوہ Hypnosis کے عمل کی دوسری اہم وجہ اسٹوڈنٹس کا ذہنی طور پر تروتازہ ہونا بھی ضروری تھا تاکہ وہ اپنی تربیت پر خاص توجہ دے سکیں۔

میڈم فرنانڈس کے جانے کے بعد تمام اسٹوڈنٹس سیشن ہال سے نکلنا شروع ہو گئے۔ ماریانہ بھی وہ لفافہ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھتی ہال سے باہر نکل آئی۔ اس کی بہترین سہیلی میا اس کے ہمراہ تھی۔

''ہر بار کی طرح اس ٹاسک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے سینور' ماریانہ؟'' ہال سے نکلتے ہی میا نے چہکتے ہوئے ماریانہ سے استفسار کیا۔ وہ اسے میری کے نام سے پکارتی تھی۔

''سینور میا..... میرے خیال سے اس ٹاسک کی بدولت ہمارے آنے والے دن بے حد دلچسپ گزرنے والے ہیں۔'' ماریانہ نے بھی شرارت بھری نگاہیں میا کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔ یہ اُن دونوں کا معمول تھا' ہر ٹاسک پر خوب رائے زنی کرنا۔

''اچھا' وہ بھلا کیوں اور کیسے؟'' میا نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''وہ ایسے کہ اس ٹاسک کی بدولت ہماری نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہونے والی ہے..... ذرا سوچو..... ہم ایسے خوددار' خودشناس لوگ ڈھونڈیں گے کیسے؟'' ماریانہ نے جواب دیتے ہوئے اچانک ذہن میں در آنے والا سوال اُٹھایا۔

''سینور۔ اتنے بڑے شہر میں کوئی نہ کوئی مشکلوں میں گھرا خوددار انسان ہمیں مل ہی جائے گا۔ بس ہمیں شہر کا چپہ چپہ چھان مارنا ہے۔'' میا نے سیکنڈوں میں راہ ڈھونڈ نکالی۔ وہ دونوں اس وقت راہداری میں چل رہی تھیں۔

''میرے خیال سے ہم کل شہر کی مارکیٹ کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں ہمیں ہمارا سبجیکٹ نہ ملا تو پھر کونچا بیچ کی راہ لیتے ہیں۔ وہاں تو ضرور کوئی نہ کوئی مل جائے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟'' ماریانہ نے پلان بناتے ہوئے میا سے استفسار کیا۔

''نہیں کل نہیں ماریانہ..... کل مجھے ماما کو اسپتال لے کر جانا ہے۔'' میا اچانک سنجیدہ ہوگئی۔

''اوہ..... تم نے بتایا تھا ان کی طبیعت کی خرابی کا۔ اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' اسے اچانک ہی خیال آیا۔ میا نے دو دن پہلے ہی اسے اپنی ماں کی طبیعت خرابی کا بتایا تھا۔ میا بہت اداس تھی۔ اس پر ذمہ داریاں بھی تو بہت پڑ گئی تھیں۔ بیوہ ماں' چھوٹا بھائی..... ان دونوں کی مکمل ذمہ داری اس کے نازک کاندھوں پر تھی۔ کچھ عرصہ قبل تک اس کی ماں بھی انڈسٹریل ہوم میں کام کر کے کچھ پیسے کما لیتی تھی مگر بیماری کی بعد وہ بھی گھر بیٹھ گئی تھی۔ سارا بوجھ اچانک میا کے سر پر آن پڑا تھا۔

''جانتی ہو ماریانہ..... کبھی کبھی میں کیا سوچتی ہوں۔'' میا نے اچانک کہا۔ اس کی پُرسوچ نگاہیں سامنے نظر آتے کونسلنگ روم کے بند دروازے پر گڑی ہوئی تھیں۔ ماریانہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''میں سوچتی ہوں تم کتنی خوش قسمت ہو ماریانہ۔ کسی کی بھی کوئی ذمہ داری ہے تم پر نہ ہی کوئی فکر۔ صرف اپنی ذات کے لیے جیتی ہو زندگی۔ نہ کسی کی فکر' نہ کسی کے مسائل سر پر سوار رہتے۔ بس تن تنہا تم..... آزادی ہی آزادی..... اکیلا' تنہا ہونا بھی باعث رحمت ہے ماریانہ۔'' میا کا لہجہ عجیب تھا۔ ان لفظوں سے زیادہ عجیب اس کے چہرے پر ایک بے نام سی حسرت پوری شدت کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔ ماریانہ چونک کر رہ گئی۔

''اکیلا' تنہا ہونا بھی باعث رحمت ہے ماریانہ۔'' اس ایک جملے کی تکرار ہتھوڑے کی طرح اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔ اس کے قدم تھم گئے تھے اور وہ ششدر سی میا کو دیکھے رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

سفید شرٹ' سیاہ کوٹ میں ملبوس وہ کمپنی کی گاڑی میں سوار تھا۔ اس کے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔ گہرے رنگ کی ٹائی' کف لنکس اور انتہائی قیمتی گھڑی اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی میں وقت کی قدر بتا رہی تھی۔ سب کچھ مکمل' کامل تھا۔ گاڑی میں ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی سیاہ روشن' ذہانت سے بھرپور آنکھیں کھڑکی کے شیشے باہر سبک روی سے گزرتے نظاروں پر جمی ہوئی تھیں۔ سان سباسپتان کی سفید عمارتیں دھوپ میں سنگ مرمر کی مانند چمک رہی تھیں۔ وہ دو رویہ سڑک تھی جس کے دونوں اطراف سرسبز درختوں کی قطاریں تھیں۔ شاید رات کے کسی پہر بارش نے اپنا جلوہ دکھایا تھا۔ سرسبز پتوں کی رنگت نکھر آئی تھی مگر اب آفتاب

اپنے تمام تر آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز تھا اور اس کی سنہری کرنوں میں سفید و سرسبز نظارہ نگاہوں کو تقویت بخش رہا تھا۔

سڑک کے کنارے ایک بڑھیا فاسمین کے پھولوں کے گجروں کا ٹوکرا لیے گاہکوں کی منتظر کھڑی تھی۔ اس کی زیرک نگاہیں آتے جاتے ہر شخص کے چہرے ٹٹولتی تھیں۔ بڑھیا نے ایک عمر گزاری تھی' لوگوں کے چہرے پڑھنا جانتی تھی۔ محبت کی داستان جس چہرے پر رقم نظر آتی' وہ ایک پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اس شخص کے آگے پھولوں کا ٹوکرا کر دیتی۔

''فاسمین!'' وہ پُرامید نگاہوں سے اس شخص کو دیکھتے ہوئے استفسار کرتی اور وہ شخص مسکرا کر چند پیسوں کے عوض ٹوکرے سے تر و تازہ گجرے اٹھا لیتا۔ وہ بڑھیا کی صوابدید اور بصیرت پر دل سے معترف ہوا۔

اور پھر وہ بڑھیا بھی گزرتے ہوئے منظر کی طرح اس کی نظروں سے غائب ہوگئی۔ اب اس کی نگاہوں کے سامنے قہوہ خانے اور ریسٹورنٹ تھے' جہاں ہر طرح کے لوگ کھانے پینے میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ اچانک کچھ شرارتی کرنوں نے اس کی نگاہوں کے سامنے اٹھکھیلیاں کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ یہ چبھتی ہوئی آنکھ مچولی اسے کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی' اس نے چہرے کا زاویہ بدل لیا۔ وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں جو چند لمحے قبل کرنوں کی چبھن سے دوچار ہوئی تھیں' اس میں ہلکی ہلکی سی نمی چھلکنے لگی۔ ایک عجب سی کشش تھی اس کی آنکھوں میں جیسے کوئی انہونی داستان چھپی ہو ان آنکھوں میں اور مقابل کو دعوتِ عام دیتی ہوں کہ آؤ دریافت کر لو اس انوکھی داستان کو..... ہاں' اگر کر سکو تو..... اور اگر اس کی سیاہ آنکھوں میں کوئی چند ساعتوں کے لیے بھی جھانک لے تو وہ جان جائے ان ذہانت سے بھرپور آنکھوں میں اداسی بھی ہلکورے لیتی ہے۔

گاڑی سگنل پر رکی تھی۔ وہ حسب عادت یونہی اردگرد نظریں دوڑانے لگا۔ دائیں جانب ایک سرمئی گاڑی آ رکی۔ میاں بیوی آگے کی نشستوں پر براجمان اپنی باتوں میں مصروف تھے جبکہ پیچھے بیٹھے دونوں بچے ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے میں مشغول تھے۔ وہ لاشعوری طور پر ان دونوں بچوں کو دیکھنے لگا۔ یکا یک ان میں سے ایک بچے کی نظر اس پر پڑی اور اسے اپنی جانب یک ٹک دیکھتا پا کر وہ بچہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ اس کے یوں ہنس پڑنے سے اس کے دونوں گالوں میں بھنور پڑنے لگے۔ مسکراتی آنکھیں' معصوم چہرہ اور گالوں میں پڑتا بھنور۔

ایک تلخ یاد نے انگڑائی لی۔

''جن کے گالوں میں بھنور پڑتے ہیں' وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں۔'' ماضی کے پردے کو چاک کرتی مسکراتی ہوئی مترنم آواز نے اس کی سماعتوں پر دستک دی۔ اس کا دل اچانک ایک انجانے بوجھ تلے دب گیا۔ سگنل کھل چکا تھا۔ گاڑیاں ایک بار پھر رواں دواں تھیں۔ اس بچے نے جاتے ہوئے اسے ہاتھ ہلایا۔ وہ چاہ کر بھی ہاتھ نہ ہلا سکا۔ بہ مشکل مسکرا سکا اور مسکرانے سے اس کے گالوں میں بھی بھنور پڑنے لگے تھے۔

خوش قسمتی کا بھنور ساتھ لیے پھرنے کے باوجود وہ قسمت کے بھنور میں جا پھنسا تھا' جہاں سے وہ لاکھ کوششوں کے باوجود تا حال نہیں نکل سکا تھا۔

❁.....❁.....❁

آفس پہنچتے ہی کام کا ایک انبار اس کا منتظر تھا۔

''سینور..... اینا پاؤل سے ہماری بات ہو چکی ہے۔ حتمی معاملات آپ کے ساتھ ملاقات کے دوران طے کیے جائیں گے۔'' پیڈرو نے اسے ساری تفصیلات فراہم کی۔

''اور یہ ملاقات کب تک ممکن ہے پیڈرو۔'' اس کی نگاہیں کانٹریکٹ پیپر کا باریک بینی سے جائزہ لے رہی تھیں۔ نظر اٹھا کر اس نے سوالیہ نگاہیں جماتے ہوئے استفسار کیا۔

''سینور..... کل شام چھ بجے ہماری اینا پاؤل سے ملاقات فکسڈ ہے۔ ہمیں کونچا بیچ جانا ہوگا۔'' پیڈرو نے مؤدبانہ انداز میں اطلاع فراہم کی۔

''کونچا بیچ..... مگر وہاں کیوں؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

''وہاں شوٹنگ ہے۔ اینا پاؤل کا شیڈول اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ہم سے علیحدہ ملاقات کا وقت نکال سکے۔ ہمارے پاس انتظار کا آپشن بھی نہیں کیونکہ رواں ہفتے کے اختتام میں اینا پاؤل سالانہ شو کی تیاریوں کے سلسلے میں فرانس روانہ ہو جائے گی۔'' پیڈرو نے پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا کر مشہور فلم اسٹار اینا پاؤل کی مصروفیت کی داستان سنائی۔

''اوہ..... پیڈرو تم یہ تو بخوبی جانتے ہو وقت ہمارے لیے کتنا قیمتی ہے اور شوٹنگ کے دوران اینا پاؤل سے ملاقات ہمارا کتنا قیمتی وقت ضائع کرنے کا باعث بنے گی۔'' وہ ناگواری سے گویا ہوا۔

''ہماری مجبوری ہے سینور۔'' پیڈرو ان چند دنوں میں ہی اپنے باس کے مزاج کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ اس کا باس ہر اس جگہ جانے سے گھبراتا تھا جہاں لوگوں کا بے انتہا ہجوم ہو۔

''ٹھیک ہے پیڈرو..... اس میٹنگ میں تم میرے ساتھ رہو گے۔'' اسے مجبوراً ہامی بھرنی پڑی۔

''سینور.....'' پیڈرو نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا اور واپس جانے کو مڑا۔

''پیڈرو۔''

''سینور۔'' وہ جاتے ہوئے واپس پلٹ کر متوجہ ہوا۔

''اسٹاف میں کچھ باصلاحیت نوجوانوں کے اضافے پر ہم سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔ جتنی جلد ہو سکے ہماری ریکوائرمنٹ کے مطابق اشتہار لگوا دو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پیڈرو کو یاد دہانی کرائی۔ پیڈرو نے یقین دہانی کراتے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے سامنے بیٹھا شخص بے انتہا شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اب تک دوسرے ملک میں موجود کمپنی کے ہیڈ کوارٹر میں کام کرتا رہا تھا اور اس کے کام کا ریکارڈ بھی ایک بہترین مثال رکھتا تھا۔ چند دن قبل ہی وہ ٹرانسفر ہو کر یہاں آیا تھا اور پیڈرو نے اس مختصر وقت میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس شخص کی سربراہی میں وہ اپنی فیلڈ میں بے شمار کامیابیاں حاصل کرنے والے ہیں۔ پیڈرو اس سے بے پناہ متاثر نظر آ رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ اس کی شاندار شخصیت میں کچھ جھول اس کی زیرک نگاہوں میں آ چکے تھے مگر پیڈرو ان لوگوں میں سے نہ تھا جو لوگوں کی

ذاتی زندگی کی کھوج کو اپنا مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ ایک ذہین، محنتی، ایمان دار انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے دل اور سوچ کا مالک انسان بھی تھا۔

❀.....❀.....❀

کمرے میں مدھم روشنی کے ساتھ خاموشی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ البتہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی جہاں سے تازہ ہوا چاندنی کے ہمراہ سفید باریک پردے سے سرگوشی کرتی کمرے میں پھیل رہی تھی۔ کمرے کے ایک گوشے میں رائٹنگ ٹیبل رکھی ہوئی تھی، جس پر کچھ کتابیں پھیلی ہوئی تھیں۔ قریب ہی ایک بک شیلف تھا جس میں نفسیاتی امراض پر لکھی گئیں کتابیں قطار در قطار سجی ہوئی تھیں۔ کمرے کے عین وسط میں بیڈ رکھا ہوا تھا جس کی چادر پر پڑی سلوٹیں گواہی دے رہی تھیں کہ کچھ دیر قبل کسی نے اپنے جسم و روح کی تھکن یہاں اُتاری ہے۔ بیڈ کی عقبی دیوار پر ایک دیوار گیر پورٹریٹ لگا ہوا تھا جس میں سرمئی بالوں والی عمر رسیدہ خاتون ایک شاندار سی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ سرخ میکسی پہنے ان کے شانوں کو اپنے ہاتھوں سے تھامے اس شاندار کرسی کے ہتھی پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے گہرے بھورے بال اونچی پونی کی صورت میں بندے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بھرپور اور روشن تھی اور اس کے مسکرانے سے اس کی نیلی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ عمر رسیدہ خاتون نے اس کے شانوں پر رکھے ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھا ہوا تھا اور ان کے چہرے پر ایک مہربان سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

صرف عقبی دیوار پر ہی نہیں، اس کمرے کی ہر دیوار پر تصاویر کے فریم لگے ہوئے تھے۔ کسی میں وہ معصوم، چھوٹے بچوں کے ہمراہ تھی تو کسی میں ادھیڑ عمر شخص کے ہمراہ۔ ایک تصویر میں وہ سفید رنگ کی بڑے بڑے بالوں والی چھوٹی نسل کی بلی کو گود میں اٹھائے پیار کر رہی تھی۔ اس کی ساری تصاویر کسی نہ کسی کے ساتھ تھیں۔ مگر ایک تصویر ان سب سے منفرد اور مختلف تھی۔

وہ تصویر ایک میاں بیوی اور ایک چھوٹی بچی کی تھی۔ تصویر میں موجود خاتون نے گہرے نیلے رنگ کی میکسی پہن رکھی تھی۔ وہ بلاشبہ بے حد حسین تھی جبکہ اس کے ساتھ کھڑے مرد نے یونیفارم پہن رکھا تھا۔ لمبے چوڑے قد کاٹھ کا مالک نہایت خوبرو انسان اور ان دونوں میاں بیوی کے درمیان گڑیا جیسی چھوٹی سی بچی سفید نرم بالوں والی بلی کے بچے کو گود میں لیے مسکرا رہی تھی۔ اس بچی نے سفید رنگ کی فراک پہن رکھی تھی۔ اس کی نیلی آنکھیں بالکل اپنی ماں پر گئی تھیں جبکہ اس کی مسکراہٹ بالکل اپنے باپ کی طرح تھی۔ مسکراتے لب، مسکراتی آنکھیں۔

وہ اسی تصویر کے سامنے دم سادھے کھڑی تھی اور یک ٹک اس تصویر کو تک رہی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں نمی گھلی ہوئی تھی، لب ہولے ہولے کانپ رہے تھے اور ان میں سے ہلکی ہلکی سسکی اُبھر رہی تھی۔ شاید وہ اندر ہی اندر رو رہی تھی۔

''اکیلا، تنہا ہونا بھی باعث رحمت ہے ماریانہ.....'' میا کے یہ الفاظ اب تک اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔

وہ تصویر کو دیکھنے میں یوں کھوئی ہوئی تھی جیسے اس فریم میں کوئی تصویر نصب نہ ہو بلکہ کوئی فلم چل رہی ہو۔

آئبیر یا (Iberia Air Bus) ایئر بس کے رن وے پر جہاز ابھی اُترا تھا۔ کچھ دیر بعد مسافروں کے باہر نکلنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ کب سے اپنی ماں کا ہاتھ تھامے منتظر نگاہوں سے اخراجی دروازے کی جانب بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔

''مما' بابا کب آئیں گے؟'' ہر تھوڑی دیر بعد وہ یہی سوال دہرا رہی تھی۔

''بس آنے والے ہیں بیٹا۔'' صوفیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آخر کب.....؟'' وہ منہ پھلا کر رُخ موڑ کر بولی۔

اس نے سرخ رنگ کی فراک پہنی ہوئی تھی اور گہرے بھورے بالوں کی اونچی پونی بنائی ہوئی تھی۔ وہ لگ بھگ پانچ سال کی عمر کی ہوگی۔

''سامنے دیکھو ماریانہ..... بابا آگئے.....'' صوفیہ نے اس کے گالوں کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ وہ پُر جوش سی سامنے دیکھنے لگی۔

کیپٹن خاور اپنی کیپ اُتارتے ہوئے خارجی دروازے سے باہر آرہے تھے۔ وہ اور اس کی ماما ہاتھ فضا میں بلند کر کے ہلانے لگے۔ کیپٹن خاور ان ہی کی طرف آرہے تھے۔ وہ انہیں قریب آتا دیکھ کر دوڑتے ہوئے بابا کہتی جا لپٹی۔

''میری پیاری بیٹی.....'' کیپٹن خاور نے اس کے گالوں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اور گود میں اٹھالیا۔

''کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی ماریانہ۔'' صوفیہ نے کیپٹن خاور کے نزدیک آنے پر بیٹی اور شوہر کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور تم.....؟'' کیپٹن خاور نے مسکرا کر صوفیہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی بیٹی سے بھی زیادہ۔'' صوفیہ نے مسکرا کر کہا۔ وہ تینوں ایئر پورٹ سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ اور اس کے مما' بابا راستے بھر آپس میں باتیں کرتے رہے تھے۔ وہ تینوں کبھی باتوں باتوں میں مسکراتے تھے' کبھی ہنستے تھے' کبھی کھلکھلاتے تھے۔ سفر بے حد خوشگوار عالم میں کٹا تھا۔

ہر بچے کی طرح وہ بھی اپنے ماں باپ سے بے حد محبت کرتی تھی۔ اس کے بابا بے حد زندہ دل انسان تھے اور اپنی فیملی پر جان چھڑکتے تھے۔ اس کی مما بے حد محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ بہت مہربان' بہت شفیق۔ اسے اپنا گھر جنت سے کم نہ لگتا تھا۔ بہت خوش تھی وہ اپنی جنت میں۔

کیپٹن خاور آئبیر یا ایئر بس کے پائلٹ تھے۔ اُڑان بھرنا ان کا پروفیشن ہی نہیں جنون بھی تھا۔ پائلٹ کی اہم ذمہ داری کاندھے پر ہونے کے باعث ان کا زیادہ تر وقت فضاؤں میں اُڑان بھرتے گزرتا تھا۔ وہ اپنی فیملی کو بہت ہی کم وقت دے پاتے پر جتنا بھی دے پاتے وہ بہت شاندار و یادگار ہوتا تھا۔

''بابا..... میں آپ سے ناراض ہوں۔'' وہ اپنے اردگرد کھلونے پھیلائے بیٹھی تھی۔ کیپٹن خاور ایک پُر سکون نیند سے بے دار ہو کر اس کے پاس آبیٹھے تھے کہ اس نے جھٹ سے شکایت کر دی۔

''کیوں بھئی..... میری بیٹی کیوں ناراض ہے اپنے بابا سے؟'' انہوں نے اسے اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے

اس کی پونی کھینچتے ہوئے پوچھا۔
''سب کے بابا ہر وقت سب کے پاس ہوتے ہیں' میرے بابا نہیں ہوتے۔ ماریانہ ناراض ہے اپنے بابا سے۔'' اس نے بدستور منہ پھلایا ہوا تھا۔ صوفیہ کچن میں کیپٹن خاور کا من پسند کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ بیٹی کی شکایت سن کر مسکراتے ہوئے وہیں سے بولی۔
''لیجئے کیپٹن صاحب' بیٹی کی شکایتوں کا پنڈورا بکس کھل گیا۔ اب گزشتہ دنوں کی تمام شکایتیں ایک ایک کر کے آپ کے سامنے گوش گزار ہوں گی۔'' کیپٹن خاور ہنس پڑے۔
''میں اپنی بیٹی کی ساری شکایتیں دُور کردوں گا۔''
''سب کے بابا کام پر جاتے اور واپس آجاتے ہیں مگر آپ کم کم آتے ہیں۔'' ایک اور شکایت۔ خاور اور صوفیہ ہنس پڑے۔
''دیجیے کیپٹن صاحب اپنی بیٹی کو جواب اب۔'' صوفیہ نے ہنستے ہوئے لقمہ دیا۔
''میری بیٹی..... سب کے بابا کی ذمہ داری اتنی اہم نہیں جتنی آپ کے بابا کی ہے۔ آپ کے بابا بہت سارے مسافروں کو اپنے ملک سے دوسرے مل لے کر جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو! جب ہم گرینی سے ملنے دوسرے شہر جاتے ہیں تو ہمارا کتنا وقت لگ جاتا ہے۔ پھر جب بابا دوسرے ملک اتنے سارے لوگوں کو لے کر جائیں گے اور پھر واپس لے کر آئیں گے تو بابا کا زیادہ وقت لگے گا ناں۔'' کیپٹن خاور اسے سمجھا رہے تھے اور وہ بہت غور سے ان کی بات سن رہی تھی۔
''بابا..... آپ ڈرائیور ہیں؟'' اس نے ساری بات سن کر یہ معصومانہ نتیجہ نکالا۔
کیپٹن خاور نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ صوفیہ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا چکی تھی۔ اس کے معصومانہ سوال کو سن کر ان دونوں کے پاس آبیٹھیں اور کہنے لگی۔
''میری پیاری بیٹی..... آپ کے بابا جہاز اُڑاتے ہیں اور جہاز اُڑانے والے کو پائلٹ کہتے ہیں۔ اب چلو بابا کو بھوک لگی ہے' جلدی سے بابا کو کھانے کی میز پر لے کر آؤ۔'' صوفیہ ان دونوں کو کھانے کا کہہ کر اُٹھ گئیں۔
''چلو ماریانہ اب کانا کھاتے ہیں۔ شام میں بابا اپنی بیٹی کو ایک سرپرائز بھی دیں گے۔'' بابا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو وہ پُرجوش ہوگئی۔ اس نے کھانا بھی بے حد خوشی خوشی کھایا تھا۔ ممانے کھانا بے حد مزے دار پکایا تھا۔
شام میں کیپٹن خاور نے اسے بید کی بنی ٹوکری لا کر دی۔ وہ آتشی رنگ کے کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ماریانہ نے حیرانگی سے اس کپڑے کو دیکھا۔ کپڑے کے اندر ہلچل سی محسوس ہو رہی تھی جیسے اندر کوئی ہاتھ پیر مار رہا ہو۔ ماریانہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کپڑے کو ہٹایا۔ ٹوکری کے اندر چھوٹا سا بلی کا بچہ تھا۔ سفید رنگ کا' لمبے لمبے بالوں والا' جو یوں کپڑا اٹھائے جانے پر اپنی نیلی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔
''اسنو وہائٹ۔'' اس کے ریشمی نرم ملائم بالوں کو چھوتے ہوئے اس نے زیرلب کہا۔
''بابا کا اپنی بیٹی کے لیے خاص تحفہ.....'' کیپٹن خاور نے سرگوشی کی۔ وہ خوش ہوگئی۔ بابا کا دیا گیا تحفہ اسے بے

حد پسند آیا تھا۔ اس نے بلی کے بچے کو جھٹ سے اٹھا کر سینے سے لگالیا۔ آج کا دن اس کے لیے بے حد خوشیاں لے کر آیا تھا۔

صبح صبح گرینی کی آمد نے چھٹی کا مزہ دوبالا کر دیا۔ گرینی اس کی دادی تھیں اور وہ انکل فصیح کے ساتھ آئی تھیں۔ فصیح، کیپٹن خاور کے چھوٹے بھائی تھے۔ گرینی انہی کے ساتھ رہتی تھیں۔

ان سب نے آج کا دن ساحل سمندر پر گزارنے کا ارادہ باندھا اور کونجا بیچ کے لیے نکل گئے۔ وہاں کتنی ہی دیر وہ اسنوو ہائٹ اور گرینی کے ساتھ نرم نرم ریت پر بیٹھی کھیلتی رہی۔ انکل فصیح کبھی اس کے اور گرینی کے ساتھ ہوتے تو کبھی ساحل پر کھڑے ایک دوسرے سے الجھتی موجوں کو دیکھنے لگ جاتے۔ مما، بابا ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ساحل کنارے چہل قدمی کر رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے ہنستے مسکراتے تھے۔ کبھی بابا ہاتھ سے اشارہ کر کے کچھ دکھاتے تو کبھی مما..... وہ ان دونوں کو وقفے وقفے سے دیکھ رہی تھی۔

وہ بار بار ریت کا گھروندہ بناتی اور اسنوو ہائٹ پنجہ مار کر خراب کر دیتی۔ وہ اسنوو ہائٹ کو گھرکتی، منع کرتی مگر اسنوو ہائٹ باز نہ آتی۔ گرینی ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائے جاتیں۔ اسے سورج کی کرنوں میں چمکتا گرینی کا چہرہ اچھا لگ رہا تھا۔ اسے تو آج کا سارا دن اچھا لگ رہا تھا۔

دن ڈھلنے کو تھا..... اچانک ہڑبونگ مچی، شور اٹھا۔

''کوریرا..... کوریرا.....'' (کھیل شروع ہونے کو ہے)

ماما، بابا اور انکل فصیح بھی لوٹ آئے۔

''بل فائٹنگ دیکھیں..... کیا خیال ہے؟'' انکل فصیح نے تجویز پیش کی۔

ماما، بابا، گرینی بھی متفق ہوئے۔ وہ حیرت سے ان سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنی پانچ سالہ زندگی میں اب تک بل فائٹنگ نہ دیکھی تھی۔ آج پہلی بار وہ بل فائٹنگ دیکھنے والی تھی۔ اسنوو ہائٹ کو گود میں بٹھائے وہ ماما، بابا کے درمیان سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس نے اسنوو ہائٹ کو بھینچ کر پکڑ رکھا تھا۔ اسنوو ہائٹ کا ننھا سا دل بے تحاشا شور شرابے اور ہجوم سے دھک دھک دھڑک رہا تھا۔

اسے نہ بل پسند آیا، نہ بل فائٹر۔ اسے یہ کھیل سرے سے پسند ہی نہ آیا۔ وہ منہ بسورے بیٹھی رہی۔ کھیل ختم ہونے کے بعد انکل فصیح کی فرمائش پر انہوں نے فائیو اسٹار ہوٹل کے بجائے مچھیروں کی بستی کا رُخ کیا تھا۔ اسے وہ جگہ، وہاں کا کھانا اچھا لگا تھا اور اس دن رات گئے تک ان لوگوں نے خوب تفریح کی تھی۔ اگلی صبح کیپٹن خاور کو فلائٹ پر جانا تھا۔ وہ صبح سویرے جانے سے پہلے اسے پیار کرنے اس کے کمرے میں آئے تھے۔

''بابا.....!'' وہ باپ کے لمس کو محسوس کر کے کسمسا کر اٹھی۔ شاید لاشعوری میں صبح سویرے باپ کی روانگی کا خیال چھپا بیٹھا تھا۔

''میری پیاری بیٹی۔'' کیپٹن خاور نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''آپ جا رہے ہیں بابا۔'' وہ رونکھی ہوئی۔

''میری بیٹی، بابا کو جانا پڑے گا ناں..... مسافر انتظار کر رہے ہیں۔'' کیپٹن خاور نے اس کے بالوں کو

سہلاتے ہوئے کہا۔
''پھر کب آئیں گے بابا؟'' وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔
''بہت جلد میری بیٹی۔'' انہوں نے اس کے گالوں کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا۔
دروازے پر صوفیہ ان کی منتظر کھڑی تھیں۔ کیپٹن خاور اس سے مل کر جانے کے لیے پلٹ گئے۔ دروازے پر صوفیہ کے ساتھ کھڑے ہو کر انہوں نے مڑ کر ایک بار پھر ماریانہ کی جانب مڑ کر دیکھا۔
''اللہ حافظ میری بیٹی۔'' اسے ماما' بابا ایک ساتھ کھڑے مسکراتے ہوئے بے حد اچھے لگ رہے تھے۔
''اپنا خیال رکھئے گا بابا۔'' اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔
''تم بھی میری پیاری بیٹی۔'' بابا کہہ کر چلے گئے تھے۔ ماما انہیں رخصت کرنے دروازے تک گئی تھیں۔
یہ دو دن اسے بے حد اچھے لگے تھے۔ بابا اپنے ساتھ بہت سی خوشیاں لے کر آئے تھے۔ اسے اچانک اسنو وہائٹ کا خیال آیا۔ اس نے فوراً بستر سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ بستر کے برابر میں عقبی دیوار کے ساتھ ایک باسکٹ رکھی تھی' اس میں کپڑوں کو تہہ لگا کر بستر بنایا گیا تھا۔ اسنو وہائٹ اس میں سو رہی تھی۔
''اسنو وہائٹ۔'' اس نے پیار سے زیر لب اس کا نام پکارا۔ اس کے بابا خاص طور پر اسنو وہائٹ کو لے کر آئے تھے۔ اسے بلی کا یہ بچہ بے حد عزیز تھا۔
''میرے پاپا بے حد اچھے ہیں۔'' اسے اپنے بابا پر پیار آ رہا تھا۔ اس نے اپنی ڈرائنگ بک اٹھائی اور تصویر کشی کرنے لگی۔ اس نے سب سے پہلے اپنی ماما اور بابا کی تصویر بنائی' پھر اس تصویر میں گرینی اور انکل فصیح کو بھی شامل کر لیا۔ سب سے آخر میں اس نے اسنو وہائٹ کو بنایا تھا۔ اسے ڈرائنگ کرنا اچھا لگتا تھا۔ وہ جب بے حد خوش ہوتی تھی تو ڈرائنگ بنایا کرتی تھی۔
آج صبح اس نے ماما' بابا کو ایک ساتھ مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ لمحہ اسے بے حد اچھا لگا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ یہ حسین پل بہت جلد اس کی زندگی کی سب سے بڑی محرومی میں تبدیل ہونے والے ہیں۔ ماما' بابا کو ایک ساتھ دیکھنے کی خواہش آنے والے دنوں میں اس کی زندگی کی سب سے بڑی حسرت بن کر رہ جائے گی۔
اس کے بابا کا جہاز لاپتہ ہو گیا تھا۔ یہ خبر شام سے ہی نیوز چینل پر نشر کی جا رہی تھی۔ وہ لاپتہ ہونے کا مطلب تو نہیں جانتی تھی مگر ماما کو غشی کے دورے پڑتا دیکھ کر گرینی کو صدمے سے نڈھال و بے حال ہوتا دیکھ کر اور انکل فصیح کو پریشانی کے عالم میں مختلف لوگوں سے رابطہ کرتا دیکھ کر اسے یہ تو سمجھ آ چکا تھا کہ لاپتہ ہونا کوئی اچھی بات نہیں۔
اس کے بابا چند دن بعد گھر لوٹ آئے تھے۔ ایک تابوت میں بند..... اس کی ماما رو رو کر بے ہوش ہو چکی تھیں۔ انہیں کچھ ہوش نہ تھا۔ اس کی بھی فکر نہ تھی۔ گرینی کا بھی رو رو کر برا حال تھا مگر اس کے باوجود وہ اسے سنبھال رہی تھیں۔ اس سے غافل نہ تھیں۔ اس دن اس نے زندگی میں پہلی بار اپنے نانا اور نانی کو دیکھا تھا۔ سپاٹ اور تنے ہوئے چہرے والے۔
''ماریانہ۔'' روشنی کا جھماکا ہوا اور اسے عقب سے گرینی کی آواز نے چونکایا۔ فقط چند ثانیے وہ ماضی سے حال میں واپس لوٹ آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر گرینی کو دیکھا۔ ایک اداس سی مسکان اس کے لبوں اور آنکھوں میں

پھیل گئی تھی۔

''میری بچی..... آج اتنی اداس کیوں ہو؟ جب سے آئی ہو نہ کچھ کھایا' نہ پیا' نہ کوئی بات کی۔ آخر کیا بات ہے ماریانہ؟'' گرینی دلگرفتہ سی اس سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ خاموش سی بستر پر جا بیٹھی۔ بستر پر بیٹھ کر وہ کچھ دیر تک اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھورتی رہی۔ گرینی اس کی ایک ایک حرکت کو بغور دیکھتی رہیں۔

''گرینی.....'' اس نے دھیرے سے پکارا۔

''گرینی کی جان۔'' گرینی صدقے واری ہوتی اس کے برابر جا بیٹھیں۔ وہ بہت کم اس کیفیت کا شکار ہوتی تھی اور اگر آج وہ اتنی خاموش اور اداس تھی تو کوئی نہ کوئی اہم بات ضرور اس کیفیت کے پیچھے چھپی تھی۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''گرینی یہ دُنیا اتنی عجیب کیوں ہے؟''

''میری بیٹی دُنیا تو بابائے آدم کے زمانے سے جیسی تھی' ویسی ہی ہے۔ دُنیا عجیب نہیں' قدیم ہے۔'' گرینی نے اس کے گہرے بھورے بالوں کی پونی کو آہستگی سے کھولتے ہوئے اپنے مخصوص شفیق انداز میں جواب دیا۔

''پھر شاید اس دُنیا کے لوگ عجیب ہیں گرینی۔'' اس نے اس بار سوال مختلف انداز میں دہرایا۔

''نہیں بیٹی..... لوگ بھی عجیب نہیں ہیں۔ بس ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ رنگ و نسل کے لحاظ سے' قومیت کے اعتبار سے مختلف ہیں مگر لوگ عجیب نہیں ہیں۔''

''پھر عجیب کیا ہے گرینی..... جب دُنیا عجیب نہیں' لوگ عجیب نہیں' پھر کیا عجیب ہے جو دلوں کو دُکھا ڈالتا ہے۔ جو مسکراتے لبوں سے مسکراہٹ چھین لیتا ہے۔'' وہ اداس تھی۔ یہ تو گرینی جان چکی تھیں مگر وہ دُکھی ہے' اس کا ادراک انہیں اس کے جملے سے ہوا۔

''میری بیٹی..... یہ دُنیا عجیب نہیں' اس میں بسنے والے لوگ عجیب نہیں مگر لوگوں کے اندر پنپتی سوچ عجیب ہے' ان کی نیتیں عجیب ہیں' ان کے الفاظ عجیب ہیں۔'' گرینی نے اس کے ریشمی بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ وہ بیڈ کراؤن سے پشت ٹکائے بیٹھی تھیں اور ان کی آنکھوں کے کناروں پر آنسو تھکن سے چور بیٹھے تھے' جسے عمر رفتہ کے آخری دور میں ہوں اور کسی بھی لمحے کناروں سے لڑھک جانے کو تیار ہوں۔

''لوگوں کی سوچ' ان کے الفاظ عجیب کیوں ہیں۔ زہر تو سانپ کے اندر موجود ہوتا ہے' پھر انسان کیسے زہر اُگل لیتے ہیں گرینی؟'' اس کی آنکھوں سے نکلنے والی نمی گرینی کی گود بھگونے لگی۔

''ماریانہ میری بیٹی بتاؤ آخر کیا ہوا ہے' کس نے دُکھ پہنچایا ہے تمہیں؟'' گرینی کو اس کے لفظوں نے شدت سے احساس دلایا تھا کہ اس کے جذبات کسی نے بے حد سنگدلی سے مجروح کیے ہیں ورنہ اسے وہ ذہنی اور جذباتی طور پر اس قدر مضبوط بنا چکی تھیں کہ کسی معمولی بات کو وہ اتنا محسوس نہیں کرتی۔

''میا کہتی ہے کہ میں خوش نصیب ہوں گرینی..... کیونکہ میں اس دُنیا میں تنہا ہوں' آزاد ہوں اور میرا تنہا ہونا باعث رحمت ہے۔ کیا تنہا ہونا باعث رحمت ہوتا ہے گرینی؟'' بھیگے لہجے میں ان الفاظ کو دہرا رہی تھی اور اس کا لہجہ بتاتا تھا کہ ان کڑوے لفظوں کو ادا کرتے ہوئے کڑواہٹ اس کے اندر تک پھیل چکی تھی۔

''نہ نہ..... میری بیٹی..... تنہا ہونا باعث رحمت نہیں۔ مگر تم تنہا کب ہو ماریانہ..... تم تو کبھی تنہا نہیں رہیں۔ کسی مشکل سے مشکل مرحلے میں بھی تم تنہا نہیں رہیں۔ تمہارا خیال رکھا گیا' تمہارا ساتھ دیا گیا' تم تنہا کبھی نہیں رہیں۔ تم پھر لوگوں کو یہ باور کیوں کراتی ہو ماریانہ کہ تم تنہا ہو۔ یہ دُنیا جسے تنہا جانتی ہے اسے کمزور سمجھتی ہے اور کمزوروں کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کرتی۔ تم خود کو تنہا کیوں سمجھتی ہوں؟'' گرینی کو افسوس میا کی سوچ سے نہیں' ماریانہ کی سوچ سے ہوا تھا۔

''گرینی..... میں خود کو تنہا نہیں سمجھتی۔ میں جانتی ہوں آپ ہر پل میرے ساتھ ہیں۔ ہر مشکل مرحلے میں آپ نے میرا ساتھ.....'' وہ اٹھ بیٹھی۔ گرینی کا ہاتھ تھام کر وضاحت دینے لگی۔

''میں اپنی بات نہیں کر رہی ماریانہ۔'' گرینی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

''میں ''اس کی'' بات کر رہی ہوں۔'' انہوں نے شہادت والی انگلی اوپر کی جانب اُٹھاتے ہوئے لفظ ''اس کی'' پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ماریانہ ششدر رہ گئی۔

''میں خداوند تعالیٰ کی بات کر رہی ہوں میری بیٹی۔ وہ جس کے ساتھ ہوتا ہے' اسے کبھی کمزور نہیں ہونے دیتا اور جس کے ساتھ وہ نہ ہو' وہ تمام رشتوں کے ہونے کے باوجود تنہا ہوتا ہے۔'' گرینی اسے اپنے مخصوص پُرشفیق انداز میں سمجھا رہی تھیں۔

''تمہیں میا کے لفظوں نے اس لیے دکھ پہنچایا کیونکہ وہ تمہاری زندگی میں گھٹنے والی ہر گھٹنا سے واقف ہونے کے باوجود تمہاری دل آزاری کا باعث بنی۔ تمہارے جذبات جاننے کے باوجود اس نے ان جذبات کو مجروح کیا۔ یہی بات ہے ناں ماریانہ؟'' وہ اس کا ذہن پڑھ رہی تھیں۔ وہ آج سے نہیں' ہمیشہ سے اس کا ذہن پڑھ لیتی تھیں۔ وہ جوان کے ایک ایک لفظ کو بغور سن رہی تھی' میکانکی انداز میں سر اثبات میں ہلا گئی۔

''میری بیٹی' جو زندگی تم جی رہی ہو اس زندگی کے تمام پیچ وخم سے صرف تم واقف ہو۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میا جی رہی ہے' اس کی کٹھنائیوں سے بھی صرف وہی آگاہ ہے' ہم چاہ کر بھی ایک دوسرے کے حصے کا درد سہہ نہیں سکتے۔ تمہاری اور میا کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تمہارے رشتے' تمہارے ساتھ محبت کی صورت تھے۔ میا کے رشتے میا کے ساتھ ذمہ داری کی صورت ہیں۔ اگر ان ذمہ داریوں سے گھبرا کر اس کی سوچ منفی رخ پر چلی بھی گئی ماریانہ' تو اسے تم مثبت رخ پر واپس لے آؤ۔'' وہ ہمیشہ کی طرح اس کے اندر مثبت سوچوں کی جوت جانے لگیں۔

''گرینی آپ یہ کیسے کر لیتی ہیں..... کیسے سب کچھ جان لیتی ہیں۔ ہر مسئلے کا حل کیسے نکل آتا ہے آپ کے پاس۔ کیسے گرینی کیسے؟'' وہ مسکراتے ہوئے ان سے لپٹ کر کہنے لگی۔

''جادو کی چھڑی جو ہے تمہاری گرینی کے پاس۔'' گرینی کی مہربان ہنسی کمرے میں گونجنے لگی۔ انہوں نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگائی۔ گرینی کی بات پر وہ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کچھ دیر قبل گھر آنے والی یاس و مایوسی کی کیفیت بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ تنہا ہونے کا احساس عنقا ہو گیا۔ وہ اب گرینی سے روزمرہ کی باتیں کر رہی تھی۔ ان کے آغوش میں چھپی ہوئی بے فکر' پُرسکون۔

کچھ لوگ پیدائشی خوش قسمت واقع ہوتے ہیں' جو سونے کا چمچہ منہ میں لیے پیدا ہوتے ہیں۔ یاور بخت کا شمار بھی ان ہی خوش بختوں میں کیا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔ وہ مشہور صنعت کار بخت آمد کے اکلوتے چشم و چراغ تھے۔ قدرت نے انہیں بے حساب نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ وہ جدی پشتی رئیس تھے۔ دولت ان کے گھر کی باندی تھی تو طاقت ان کے حجرے کی کنیز۔ زمانے بھر میں ان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ پھر بھی ان کی آنکھوں میں ویرانی اور چہرے پر اداسی بستی تھی۔ جس خوشی کی انہیں حسرت تھی' وہ خوشی ان کی چوکھٹ پر ماتھا ٹیکنے سے انکاری تھی اور دُنیا بھر کی دولت بھی خوشیاں خریدنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں' خاص طور پر اولاد کی خوشی۔

شادی کے ساتھ سال گزر جانے کے باوجود وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے اور محرومیاں نت نئے جذبات و احساسات' خواہشات پیدا کرنے کی موجب بنتی چلی جاتی ہیں تاوقتیکہ ان محرومیوں کا سدباب نہ ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ محرومیاں حسرت کو جنم دیتی ہیں۔ گویا جذبات و احساسات کی بھی نسلیں ہوتی ہیں۔

جیسے محرومی حسرت کو جنم دیتی ہے تو حسرت مایوسی کو' مایوسی نا اُمیدی کو تو نا اُمیدی یاسیت' ذہنی خلفشار پیدا کرتی ہے تو ذہنی خلفشار اشتعال کو' اشتعال منفی سوچوں کو تو منفی سوچ حسد کو..... اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' رکتا ہے تو احساسِ ندامت پر جا کر اور پھر نئی نسل کی شروعات ہوتی ہے۔ پچھتاوے کی۔

یاور بخت بھی احساسِ محرومی کا شکار ہوتے چلے گئے تھے۔ طرح طرح کی خدشات و وسوسے انہیں پریشان کرنے لگے تھے۔ ان کی نسل کیسے آگے بڑھے گی' کون ہوگا ان کا والی وارث' کون بڑھائے گا ان کے نام و مقام کو آگے۔ ان کی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کو کون نسل در نسل آگے بڑھائے گا۔ کوئی تو ہونا چاہیے جو دُنیا کو ان کے اعلیٰ شان و مرتبے کے بارے میں بتائے' مگر وہ کوئی آخر کب آئے گا..... کب وہ دن آئے گا جب ان کے محلوں جیسے گھر میں قلقاریوں کی آواز گونجے گی۔ کب آئیں گے وہ دن جب کوئی ننھے قدموں کو زمین پر نکالنا سیکھے گا؟ اپنے ننھے قدموں کو آگے بڑھانے کے لیے ان کا ہاتھ تھامے گا۔ ان کے مضبوط ہاتھوں کو تھام کر ڈگمگاتا ہوا چلے گا' پھر دوڑے گا' بھاگے گا..... اور پھر جب ان کے مضبوط ہاتھوں میں عمر رسیدہ لکیریں اُبھرنے لگیں گی تو وہ اپنے مضبوط ہاتھوں سے انہیں تھام لے گا۔ اور پھر وہ کہیں گے۔

''دیکھو صبیحہ..... آج ہمارا بیٹا ہمارا فخر' ہمارا مان' ہمارا سہارا بن گیا ہے.....!'' اور صبیحہ کا نام یاد آتے ہی ان کی کشادہ پیشانی پر تفکر کی لکیریں کھنچ جاتی تھیں۔

متناسب جسامت اور خوب صورت چہرے کی مالک صبیحہ مکمل طور پر ان کے والد کی پسند تھیں۔ ان کے والد نے ان کی نوعمری کے دور میں ہی ان کا رشتہ اپنے چھوٹے بھائی کی اکلوتی بیٹی صبیحہ سے کر دیا تھا گو کہ یہ مکمل طور پر ارینج میرج تھی مگر یاور بخت اس شادی سے بے حد خوش تھے۔ صبیحہ شاندار جہیز اور جائیداد اپنی ہمراہی میں لانے کے باوجود سادہ مزاج کی مالک خاتون تھیں۔ یاور بخت اور ان کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی تھی۔ یاور بخت کی زندگی میں صبیحہ کی آمد کے بعد کاروبار کو مزید ترقی و خوشحالی ملنا شروع ہوگئی۔ صبیحہ پڑھی لکھی' تعلیم یافتہ خاتون ہونے کے باوجود انہوں نے سوشل لائف پر گھریلو زندگی کو فوقیت دی۔ شوہر اور ان کی خوشیوں کا خیال رکھنا ان کی

اولین ترجیح تھی۔ یاور بخت صبیحہ کی ہمراہی میں بے پناہ خوش تھے۔

''بھابھی کے آنے کے بعد سے آپ کی شخصیت میں مزید نکھار اور خود اعتمادی در آئی ہے یاور صاحب۔''

''یاور صاحب آپ کیا کم خوش قسمتی کی چادر اوڑھے ہوئے تھے جو بیگم بھی بلند بختی کا گھونگھٹ اوڑھے آپ کے آنگن میں اتر آئیں۔'' احباب میں سے اکثر ملنے والے کچھ اسی طرح کے تاثرات کا اظہار کرتے اور وہ مسکرا دیتے۔ صبیحہ کے اس پُرخلوص اور محبت سے سرشار ساتھ پر وہ بے انتہا نہال تھے۔ صبیحہ کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی بہترین گزر رہی تھی۔

''خوش بختیاں اپنی جگہ یاور صاحب..... مگر خوش خبری کب سنا رہے ہیں؟'' یہ محمود بیگ تھے۔ صنعتی میدان میں ابھی ابھی قدم جمانے والے صنعت کار۔ یاور بخت اس شخص کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ سرِ محفل ملاقات ہوئی تو محمود بیگ بڑے معنی خیز لہجے میں گویا ہوئے۔

''کس طرح کی خوش خبری کی بات کر رہے ہیں آپ محمود بیگ؟'' یاور بخت کو ان کے معنی خیز انداز نے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ انتہائی ناگوار تاثرات کے ساتھ انہوں نے وضاحت مانگی۔

''اتنے بھولے تو نہ بنیے یاور صاحب..... کیا کاروبار ہی پھیلاتے رہیں گے یا اس پھیلے ہوئے کاروبار کے وارث کو بھی اس دُنیا میں لائیں گے؟'' محمود بیگ نے بہت واضح جملوں میں چوٹ کی تھی۔ انہوں نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

ان کی صبیحہ سے شادی کو دو سال گزر چکے تھے اور یہ دو سال ان دونوں کے ہی دیس بدیس گھومتے گزرے تھے۔ اب تک ان دونوں نے ایک دوسرے کی علاوہ کچھ نہ سوچا تھا۔ وہ جس سرکل میں موو کر رہے تھے وہاں شادی کے فوراً بعد بچوں کی ولادت ویسے بھی زیرِ غور نہ ہوتی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ وقت بتانے' سیر و تفریح کرنے پر زیادہ زور دیتے کیونکہ یہ وہ وقت ہوتا جب ان دونوں کے درمیان بہترین ذہنی ہم آہنگی پنپتی۔ ایک دوسرے کے لیے محبت ان کے دلوں میں جڑ پکڑتی۔ یاور اور صبیحہ بھی فی الحال ایک دوسرے کی ذات میں گم رہنا چاہتے تھے۔ مگر آج محمود بیگ کے الفاظ نے ان کے اندر ہلچل مچا دی۔

''کاروبار ہی پھیلاتے رہیں گے یا اس پھیلے ہوئے کاروبار کے وارث کو بھی اس دُنیا میں لائیں گے۔''

اگلے دو دن تک وہ محمود بیگ کی کہی گئی بات پر غور کرتے رہے اور پھر فیصلہ کرنے کے بعد صبیحہ سے اس سلسلے میں بات کرنے کی ٹھانی۔

''صبیحہ میں کچھ دنوں سے تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔'' شام کی چائے پیتے ہوئے انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ صبیحہ متوجہ ہوئیں۔

''ہم نے شادی کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ بہترین وقت گزارا۔ ہم ذہنی اور دلی طور پر بھی ایک دوسرے کے بے حد قریب آ چکے ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا کہ اب ہمیں اپنی فیملی پلان کرنی چاہئے۔'' وہ اپنی بات کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے صبیحہ کے چہرے کو دیکھنے لگے' جہاں ایک سرگیں مسکان سجی ہوئی تھی۔

''میں آپ سے خود اس سلسلے میں بات کرنے والی تھی۔'' صبیحہ نے نظریں جھکا کر حوصلہ افزا جواب دیا تھا۔

یاور بخت کے چہرے پر خوشی چمک اُٹھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے صبیحہ کا ہاتھ تھام کر شکریہ کہا۔

آنے والے دنوں کی خوب صورت ان دونوں کے ہی تصور میں جھلملانے لگی تھی۔ مگر ان دونوں کا ہی خواب' حقیقت کا روپ میں ڈھلنے سے انکاری تھا۔ پہلے ڈیڑھ سال' پھر ڈھائی سال اور پھر پانچ سال گزر جانے کے باوجود وہ دونوں اولاد کی خوشیوں سے محروم رہے۔ صبیحہ کتنے ہی معالج سے اپنا چیک اَپ کروا چکی تھیں' حیرت انگیز طور پر کسی بھی نقص کا شکار نہ ہونے کے باوجود وہ اب تک ماں کے مقدس درجے پر فائز ہونے سے محروم تھیں اور یہ محرومی ان دونوں میاں بیوی کے رشتے میں بھی دراڑ ڈالنے کا باعث بن رہی تھی۔

یاور بخت کو اب کاروبار کو پھیلانے میں دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی فکر کا محور اس پھیلے ہوئے کاروبار کا وارث تھا۔ وہ وارث جو اس دُنیا میں آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''اللہ کے ذات سے مایوس نہ ہو۔'' کسی عزیز نے انہیں تسلی دی تھی۔

''اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔'' کسی قریبی دوست نے حوصلہ دیا۔

''فلاں ملک کے معالج سے اپنی بیگم کا علاج کراؤ۔'' فلاں شناسا خاتون نے مشورہ دیا۔

''منت مانو' چادر چڑھاؤ۔''

''فلاں جڑی بوٹیاں استعمال کرو' افاقہ ہوگا۔''

ایک طویل عرصے سے یاور بخت اسی طرز کے مشورے' ہمدردیاں سنتے آرہے۔ ایسا نہ تھا کہ ان مشوروں پر عمل نہ کیا تھا۔ نہ جانے کس کس دیس کے معالجین کو وہ صبیحہ کا چیک اَپ کروا چکے تھے۔

''کوئی نقص نہیں..... کوئی خرابی نہیں۔ نا اُمید نہ ہوں۔'' وہی ہر دفعہ کی دہرائی ہوئی باتیں۔

وہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ سب کچھ صحیح ہونے کے باوجود ان کی اُمید بَر کیوں نہیں آتی۔ نہ جانے کون کون سی جڑی بوٹیاں وہ خود بھی کھا چکے تھے اور صبیحہ کو بھی کھلا چکے تھے۔ کوئی افاقہ تو نہ ہوا' الٹا ان کی طبیعت مکدر ہوگئی۔ اب تو انہوں نے لوگوں کے مشوروں پر کان دھرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ عجیب چڑچڑا پن ان کے مزاج میں عود آیا تھا۔

''یاور بخت..... سب کچھ آزما چکے تو ایک کام اور کر لیجئے۔'' محمود بیگ سے پھر کسی دن سرِ محفل ملاقات ہوئی تو وہ گویا ہوئے۔ انداز وہی مبہم اور لب ولہجہ معنی خیز تھا۔

انہیں یہ شخص بے انتہا برا لگتا تھا۔ اسی شخص نے ان کے دل میں وارث کی آگ لگائی تھی' جس کے شعلوں میں وہ اب تک جل رہے تھے مگر نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھے تھے۔

''کیا کام؟''

''بیوی بدل کر دیکھ لیجئے۔ کیا خبر آپ کا وارث آپ کی دوسری بیوی کے نصیب سے ہو۔'' عجب کائیاں انداز تھا محمود بیگ کا۔ خود تو چلے گئے مگر یاور بخت کو نئی اُلجھن میں ڈال گئے۔ بات دل کو لگی تھی مگر ہونٹوں کو چپ لگ گئی تھی۔ ممکن ہے کہ صبیحہ کے نصیب سے اولاد نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اولاد دوسری بیوی کے نصیب سے ہو۔

دل میں ابھی بھی کہیں نہ کہیں صبیحہ کے لیے محبت کنڈلی مارے چھپی بیٹھی تھی' تب ہی دل میں فکر نے سر اُٹھایا۔ بظاہر وہ خاموش رہنے لگے۔ درحقیقت وہ اس سوچ میں اُلجھے ہوئے تھے کہ صبیحہ کا کیا ہوگا۔ صبیحہ کا کیا ہوگا' یہ سوچ

کا دوسرا رُخ تھا۔

پہلا رخ یہ تھا کہ دوسری شادی اب کر لینی چاہیے۔

یعنی کہ یاور بخت تہیہ کر چکے تھے کہ دوسری شادی اب انہیں کر لینی چاہیے مگر صبیحہ کو کس طرح رام کرنا ہے' وہ اسی جوڑ توڑ میں اُلجھے ہوئے تھے۔ یہ تو طے تھا کہ وہ انہیں چھوڑنے نہیں والے' زندگی کا بہترین دوران کی سنگت میں گزرا تھا۔ کتنی ہی حسین یادیں صبیحہ سے جڑی تھیں۔ علیحدہ کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا' مگر اولاد کے لیے دوسری شادی..... ضروری تھی بے حد ضروری۔

❁.....❁.....❁

اس شام وہ جلد گھر آ گئے تھے۔ لان میں بیٹھے تھے کہ صبیحہ ان کے پاس آئیں۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ان کی اتنے دنوں کی جامد خاموشی صبیحہ کو بھی پریشان کر رہی ہے۔

''شاید یہ ہماری آزمائش ہو..... اللہ تمہیں آزما رہا ہو۔'' خود بے انتہا اذیت کا شکار ہونے کے باوجود وہ ان کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ وہ دیکھ سکتے تھے' سمجھ سکتے تھے۔ یاور بخت ان کی دلجوئی پر خاموش رہے۔ ایک گہری نگاہ انہوں نے ان کے مضطرب سراپے پر ڈالی اور وہاں سے چلے گئے۔ صبیحہ کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ آنسو قطار در قطار ان کی آنکھوں سے لڑھکنے لگے' جیسے شدت سے بند کے ٹوٹنے کے انتظار میں ہوں۔ انہیں بھی ماں بننے کی آرزو تھی۔ ماں بن کر وہ بھی اپنے وجود کی تکمیل چاہتی تھیں۔ خامی تو ان میں بھی نہ تھی' پھر بھی وہ مجرم بنی پھر رہی تھیں۔ وہ کس سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتیں۔ وہ کس سے اپنا درد بیان کرتیں۔ ان کا ساتھی' ان کا ہمسفر تو انہیں قصوروار ٹھہرا کر نگاہیں پھیرنے کو تھا۔ بھلے زبان سے کچھ نہ کہا تھا مگر خاموشی کی بھی ایک زبان ہوتی ہے اور یاور بخت کی جانب سے اختیار کی گئی خاموشی کسی بپھرے ہوئے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

❁.....❁.....❁

اس شام صبیحہ ان سے آزمائش کی باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے ایک گہری نگاہ ان کے سراپے پر ڈالی تھی۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھیں۔ اولاد کے لیے وہ بھی تڑپ رہی تھیں مگر بے بس تھیں' بے اختیار تھیں۔ اس وقت تو وہ اس سے منہ موڑ کر چلے گئے تھے مگر شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔ رات کمرے میں لوٹے تو صبیحہ بستر پر دراز سو رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد آنسوؤں کی روانی سے کاجل پھیلا ہوا تھا' جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا' جیسے ہچکیاں لیتی سوئی ہوں۔

''دوسری شادی ضروری ہے۔ بے حد ضروری۔ صرف میرے لیے نہیں' صبیحہ کے لیے بھی..... دوسری بیوی سے ہونے والی اولاد پر حق صبیحہ کا بھی اتنا ہی ہوگا' جتنا ایک ماں کا ہونا چاہیے۔'' صبیحہ کے ریشمی بالوں پر انگلیاں پھیرتے وہ ایک بار پھر جوڑ توڑ کرنے لگے۔

مگر یہ لازمی ہے کہ دوسری شادی ایسی عورت سے ہو جو معاشی طور پر کمزور ہو' جسے سہارے کی ضرورت ہو' جو رشتہ ہر حال میں نبھانے پر مجبور ہو' جسے اولاد دینے کا زعم نہ ہو۔ پھر ایسی عورت ڈھونڈنی ہے جو معاشی طور پر کمزور ہو' مگر جہالت کے اندھیروں سے دُور ہو' تعلیم یافتہ ہو' بے سہارا ہو مگر خوب صورت ہو' اولاد کا معاملہ ہے تو ان دو

چیزوں پر سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ کاروباری انسان تھے۔ ہر معاملے میں جوڑتوڑ طبیعت کا خاصہ بن چکی تھی۔

❀.....❀.....❀

محمود بیگ' یاور بخت سے آفس میں ملاقات کے خواہش مند تھے۔ کاروباری حلقے میں محمود بیگ کی آمدنی تھی۔ سیاسی حلقوں میں بھی خوب پہچان بننے لگی تھی۔ یاور بخت بخوبی اس امر سے واقف تھے کہ کاروباری حلقوں میں بے معنی ملاقات کا کوئی بھی خواہاں نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ملاقات کا خواہش مند ہے تو اس خواہش کے پیچھے کوئی نہ کوئی خاص مقصد چھپا ہوگا۔ صرف اس خاص مقصد کو جاننے کے لیے انہوں نے ملاقات میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

''کہو محمود بیگ' آج کس مشورے کے ساتھ تشریف آوری ہوئی۔'' گفتگو کا آغاز یاور بخت نے چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجا کر کیا مگر ان کے طنزیہ انداز نے چائے نوش کرتے محمود صاحب کو چونکا دیا تھا۔

''اس بار مشورے کے ساتھ نہیں' ایک پیشکش کے ساتھ حاضر ہوا ہوں یاور بخت۔'' چائے کو گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتارتے ہوئے محمود بیگ نے اپنے آنے کا مقصد بڑے اطمینان سے بیان کیا۔

''کس طرح کی پیشکش؟'' یاور بخت نے اپنی آرام دہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے استفسار کیا۔ یوں جیسے تفصیلات سننے کے لیے آمادہ ہوں۔ محمود بیگ چائے کا کپ میز پر رکھ کر گلا کھنکھارتے ہوئے بولے۔

''یاور بخت' ہم اس صنعتی میدان میں طویل عرصے سے ایک دوسرے کے حریف کی حیثیت سے موجود رہے ہیں۔ ہمارے درمیان جو بھی معاملات ہیں' وہ اب تک تنازعے اس لیے بنے ہوئے ہیں کیونکہ ہم ان کا حل ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تنازعے حل ہو جائیں تو ہم اس میدان میں حریف کے بجائے بہترین شراکت دار بن سکتے ہیں۔''

''یعنی تم شراکت داری کی پیشکش کی آڑ میں ان تنازعوں کا حل چاہتے ہو؟'' یاور بخت بات کی تہہ تک پہنچ چکے تھے۔ ایک طنزیہ مسکراہٹ کا عکس ان کے چہرے پر نمایاں تھا۔

''بالکل..... میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملات مل بیٹھ کر طے ہو جائیں۔ حالانکہ میرے پاس طریقے اور بھی ہیں یاور بخت۔'' محمود بیگ اب کھل کر بولے تھے۔ چہرے سے پیشہ ورانہ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ چندی چندی آنکھوں میں چمک اور لہجے میں دھمکی پوشیدہ تھی۔

''ہونہہ..... طریقے اور بھی ہیں.....'' یاور بخت نے ایک گہری سانس لے کر محمود بیگ کے الفاظ کو زیرلب دہرایا اور اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے۔ لہجے میں مخفی دھمکی کی دھمک ان تک پہنچ چکی تھی۔

''صحیح سمجھ رہے ہو یاور بخت..... طریقے کئی ہیں مگر میں ہاتھ ملانے کا راستہ اختیار کر رہا ہوں۔'' محمود بیگ کے لہجے میں ابھی بھی تنبیہہ گھلی ہوئی تھی۔

''جن لوگوں کے ایما پر تم اُڑان بھرنا سیکھ رہے ہو محمود بیگ' ان کے بھروسے پر نہ رہنا۔ تم اس میدان میں نئے ہو اور خرگوش کی سی رفتار سے بھاگنا چاہ رہے ہو۔ بھاگتے بھاگتے ایسا نہ ہو جہاں منزل سمجھ کر پہنچو وہ پاتال ہو۔''

''مجھے دھمکا رہے ہو یاور بخت۔'' محمود بیگ غصے سے دانت بھینچ کر غرائے۔

''تمہاری دھمکی کا جواب دے رہا ہوں محمود بیگ۔'' دونوں ہاتھ میز پر جما کر وہ سخت لہجے میں گویا ہوئے۔

''تمہاری پیشکش ٹھکراتا ہوں محمود بیگ۔ دوبارہ یہاں کا رخ نہ کرنا۔'' یاور بخت نے دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔

''بہت پچھتانا پڑے گا تمہیں یاور بخت..... بہت پچھتانا پڑے گا۔'' محمود بیگ مٹھی بھینچے غراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ یاور بخت پانی کا گلاس تھامے کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ کئی لمحے تو انہیں اپنا تنفس بحال کرنے میں لگ گئے۔ بلڈنگ سے نکل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا' اپنی گاڑی کی جانب بڑھتا محمود بیگ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ اس پر نگاہ کیے بہت دیر تک سوچتے رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

یاور بخت کی اگر سیاست میں وابستگیاں تھیں تو وہ معتبر حلقے تھے۔ ان کا نام باعزت طور پر جانا پہچانا جاتا تھا مگر محمود بیگ نہ تو خاندانی صنعت کار تھا' نہ ہی اس کی اہلیت رکھتا تھا مگر صنعتی حلقوں میں اچانک نمودار ہونا اور باوثوق لوگوں سے تعلقات رکھنا خدشات کو جنم دیتا تھا۔ یاور بخت بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ محمود بیگ کے پیچھے کچھ بدنام زمانہ لوگوں کا ہاتھ ہے' جو منظر پر اسے سامنے رکھ کر پس منظر میں رہ کر اس کی ڈور ہلاتے تھے۔

یاور بخت اس حلقے کو' جس سے محمود بیگ کا تعلق ہے' اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ ان شر پسند لوگوں سے زمینوں کے کچھ معاملے میں تنازعے بھی چل رہے تھے۔ ان کی کچھ خاندانی زمینوں پر ان لوگوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ معاملہ گمبھیر اور پیچیدہ تھا۔ یاور بخت کی اگر سیاسی حلقوں تک رسائی نہ ہوتی تو اب تک انہیں بے حد نقصان اُٹھانا پڑتا۔ خیر کچی گولیاں تو انہوں نے بھی نہیں کھیلی تھیں۔ تعلقات کو کس طرح اور کہاں استعمال کرنا تھا' انہیں خوب آتا تھا۔ ان کی زیرک نگاہوں سے مخالفین کا کوئی بھی وار مخفی نہ تھا۔ محمود بیگ کی آمد نے ویسے ہی انہیں خبردار کر دیا تھا۔ محفل میں ملاقات ہونا مجبوری تھی مگر محمود بیگ جیسے لوگوں کو وہ اپنے سامنے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

وہ زمینوں کے تنازعوں کو حل کرنے کے قریب تھے۔ اس بار انہوں نے جن لوگوں پر تکیہ کیا تھا' وہ پچھلوں سے کہیں زیادہ زور آور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ محمود بیگ شراکت داری کی آڑ میں بالواسطہ ان سے معاملات طے کرنے آیا تھا۔ انہیں آگے اس معاملے کو کس نہج پر لے کر چلنا تھا' وہ طے کر چکے تھے۔ محمود بیگ جیسے لوگوں سے نبٹنا انہیں خوب اچھی طرح آتا تھا۔

❁.....❁.....❁

سرمئی پتھروں سے مزین سڑک کے دونوں اطراف سیڑھیاں تھیں جن کے اطراف میں حفاظتی بند تھے جن کی فصیلوں کے بالائی سرے پر سفید ہسپانوی طرز کی روایتی گریلیں موجود تھیں۔ ان سرمئی سیڑھیوں سے اترتے ہی تاحد نگاہ نیلاہٹ ہی نیلاہٹ تھی۔ سمندر ایک آبنائے کی صورت میں شہر کے درمیان میں پھیلا ہوا تھا۔ آبنائے کے دونوں سروں پر اِگلڈو اور اُرگل نامی دو سرسبز پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان پہاڑیوں کے درمیان سانتا کلارا کا خوب صورت جزیرہ دکھائی دے رہا تھا' جس کی چھوٹی سی بندرگاہ میں مچھیروں کی کشتیاں ڈول رہی تھیں۔ یہ سان سباستیان کے کونچا بیچ کا نظارہ تھا اور بیچ کے اطراف میں اونچی اونچی کچھ جدید طرز کی' کچھ قدیم طرز کی

خوب صورت عمارتیں کھڑی تھیں۔

اس کی نگاہوں کے سامنے گہرا نیلگوں سمندر تا حدِ نگاہ پھیلا ہوا تھا' جس کا پانی شیشے کی طرح شفاف' چمکتا ہوا تھا اور لہریں ساحل کے کنارے پر ماتھا ٹیک کر واپس چلی جاتیں۔ وہ ایک شاندار قدامت کا محل نما ہوٹل تھا' جو کونچا بیچ کی جانب رخ کیے کھڑا' ساحل پر موجود لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔ اس محل نما ہوٹل کی نچلی منزل کا کوریڈور سمندر کی دم توڑتی لہروں کا نظارہ کرتا تھا تو بالائی منزل کی گیلری سانتا کلارا جزیرے کا حسین منظر دکھلاتی تھی۔ وہ وہیں بیٹھا تھا۔ ''ہورشاتا ڈی شوفا'' سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ہورشاتا ڈی شوفا (Horchata De Chufa) ناریل کے دودھ اور بادام سے بنایا گیا سفید رنگ کا ٹھنڈا مشروب ہے جو عموماً گرما کے موسم میں ہسپانیہ میں شوق سے پیا جاتا تھا۔

اینا پاؤل ساحل کنارے کمرشل اشتہار کی شوٹنگ میں مصروف تھی۔ پیڈرو وہیں بیٹھا اینا پاؤل کی شوٹنگ کے اختتام پذیر ہونے کا منتظر تھا۔ جیسے ہی اس کی شوٹنگ مکمل ہوئی' پیڈرو اسے اپنے ہمراہ لیے اس شاندار ہوٹل کی گیلری میں لے آیا۔ ان کی ملاقات کے لیے سیٹ ریزرویشن وہیں کرائی گئی تھی۔

اس کا قیمتی وقت اینا پاؤل کے انتظار میں برباد ہو رہا تھا اور وہ سخت کوفت کا شکار نظر آ رہا تھا۔ کونچا بیچ کا نظارہ بے پناہ حسن اور رنگینیوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا مگر اس کے باوجود یہ رنگینیاں اسے متاثر کرنے میں ناکام ٹھہری تھیں۔ گزشتہ بیس منٹ میں وہ کوئی پانچ بار اپنی کلائی میں بندھی رولیکس کا دیدار کر چکا تھا۔ متعین کردہ وقت سے پورے چالیس منٹ اوپر گزر چکے تھے۔ بلاشبہ اینا پاؤل نے اسے بے حد خوار کیا تھا۔ اگر ہیڈ آفس سے اینا پاؤل کو ہی کمپنی کا برانڈ ایمبیسیڈر بنانے کے لیے دباؤ نہ ہوتا تو وہ اینا پاؤل کے بے پناہ مصروفیات کو دیکھتے ہوئے اسے ایمبیسڈر بننے کی پیشکش نہ کرتا مگر اس معاملے میں وہ بے اختیار تھا اور بے اختیار ہونا اسے سخت ناپسند تھا۔ بے اختیاری اس کے مزاج پر بجلی کی صورت ٹوٹتی تھی۔ دس منٹ مزید سر کنے کے بعد اسے پیڈرو اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ اینا پاؤل اس کے ہمراہ تھی۔ کچھ دیر قبل وہ سوئمنگ کاسٹیوم میں ملبوس شوٹنگ میں مصروف تھی۔ اس کے اردگرد ایک جمگھٹا اکٹھا تھا' جو اس کے ہوشربا حسن سے اپنی اپنی آنکھیں سیک رہا تھا۔ اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے اس منظر کو دو سے تین بار دیکھا تھا اور ہر بار دیکھنے پر اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمودار ہو جاتے تھے۔

اینا پاؤل نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ وہ اب سیاہ رنگ کے چست گاؤن میں ملبوس تھی۔ بیک لیس' سلیولیس' گلے کے نہایت گہرے کٹاؤ والا ریشمی خوب صورت ریشمی گاؤن' اس نے اپنے سنہری بالوں کا جوڑا باندھ رکھا تھا۔ اس کی گہری نیلی آنکھوں میں کاجل کی ترش لکیر کھنچی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے نیلے سمندر کو سیاہ کوزے میں بند کر دیا ہو۔ آبرو کمان کی طرح اُٹھی ہوئی اور لبوں پر لال دہکتی ہوئی سرخی تھی۔ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا ہوا تھا۔ کم از کم اسے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یوں چل رہی تھی جیسے ٹھہرے ہوئے پانی پر چل رہی ہو۔ اس کے قدم اُٹھانے سے اس کا لچکدار گاؤن جھوم جاتا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر ہی تھی کہ وہ اپنی نشست سے احتراماً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اینا پاؤل اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی۔

''سنیور.....!'' اس نے مسکرا کر اسے خوش آمدید کہتے ہوئے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ اینا پاؤل کے بیٹھتے ہی پیڈرو اور اس نے بھی اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

ان تینوں کے درمیان باقاعدہ گفتگو کا آغاز ہو چکا تھا۔ کانٹریکٹ پیپر جو کمپنی اور اینا پاؤل دونوں کی باہمی رضا مندی سے بنے تھے' اس کے تمام مندرجات پر حتمی و تفصیلی بات چیت طے پاتی چلی گئی۔ اینا پاؤل نے بے شک بے حد انتظار کرایا مگر وہ ہر معاملے میں بھرپور تعاون کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اسے اینا پاؤل کا پیشہ ورانہ انداز مہارت متاثر کن لگا۔

کانٹریکٹ پیپر پر دستخط ہونے کے بعد پیڈرو اُن دستاویز کو کمپنی کے لیگل ایڈوائزر تک پہنچانے کی ذمہ داری لے کر جا چکا تھا۔

''آپ فرانس میں منعقد ہونے والے سالانہ شو کے دوران ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر ریلیز کریں گی جس میں آپ ہمارے برانڈ کے میک اَپ کا سامان استعمال کریں گی۔ یہ ویڈیو وائرل ہونے کے بعد جیسے ہی آپ فرانس سے واپس لوٹیں گی' ہماری کمپنی آپ کے اعزاز میں ایک شاندار عشائیہ دے گی جس میں مشہور فلم اسٹار' خوبرو ماڈل ''اینا پاؤل'' کو کمپنی کے برانڈ ایمبیسڈر کے طور پر متعارف کرایا جائے گا۔'' وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے کا لائحہ عمل سمجھا رہا تھا۔ اینا پاؤل کی قاتلانہ نیلی آنکھیں' اس کی بھوری آنکھوں میں چھپی ذہانت کی معترف دکھائی دے رہی تھیں۔ معاملات طے پا گئے۔ اینا پاؤل اس کی ذہانت اور پروفیشنلزم کی تعریف کر کے روانہ ہو گئی۔

اینا پاؤل کے جانے کے بعد اس نے ساحل سمندر پر ایک نگاہ دوڑائی۔ فائیو اسٹار ہوٹل بے شک سنہری روشنیوں میں نہا چکا تھا مگر بیچ پر نیلگوں اندھیرا اپنے پَر پھیلانے کو تھا۔ دن بھر نرم گرم ریت پر لیٹے سیاح اب کونچا بیچ کو الوداع کہہ رہے تھے۔ وہ بھی گھڑی پر ایک نگاہ دوڑاتا اس محل نما ہوٹل سے نکل کر باہر سڑک پر آ گیا۔ اس سے قبل کہ وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا' کچھ فاصلے سے آتے شور نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

کچھ کھلنڈرے ہسپانوی نوجوان تھے جو ایک لڑکی کو تنگ کر رہے تھے۔ اس کے قدم وہیں منجمد ہو گئے۔

''اولے.....اولے.....'' وہ اس لڑکی کو چھیڑتے اور مرحبا مرحبا کی گردان کیے جاتے..... وہ لڑکی غصے سے کبھی انہیں اپنے بیگ کا سہارا لے کر پیچھے دھکیلتی تو کبھی بے بس ہو کر برا بھلا کہتی۔

وہ کچھ دیر کھڑا اس گھٹیا چھیڑ چھاڑ کو دیکھتا رہا۔ وہ لڑکی فٹ پاتھ کے جس حصے میں کھڑی تھی' وہاں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کافی کم تھا' جس کا فائدہ وہ کھلنڈرے نوجوان اُٹھا رہے تھے۔ غصے کی ایک شدید لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ یہ ملک' یہ لوگ اس کے لیے اجنبی تھے اور وہ خود بھی ہسپانیہ میں اجنبی تھا۔ اسے اس لڑکی کی مدد کرنی چاہیے یا نہیں' وہ اسی کشمکش میں مبتلا رہا۔ اس لڑکی کی بے بسی محسوس کر کے وہ مزید شہہ پا گئے تھے۔ ان کی چھیڑ خانی مزید بڑھ گئی تھی۔ ان میں سے ایک نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔ اس لڑکی نے بلند آواز میں چیخ مار کر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ وہ بے حد سہمی ہوئی اور خوفزدہ تھی۔

اس لڑکی کی بے بسی و خوفزدگی نے اسے ماضی میں لا پٹخا۔ اس رات بھی اس نے ایسی ہی خوفزدہ چیخیں سنی تھیں..... مگر وہ کچھ نہ کر سکا تھا۔ تو کیا آج کی رات بھی وہ کچھ نہ کر سکے گا؟

اس کے دماغ کی رگیں پھول گئیں۔ طیش کے عالم میں مٹھی بھینچ لی۔ اسی اثناء میں ان کھلنڈرے نوجوانوں نے پھر کوئی نازیبا حرکت کی۔ وہ لڑکی ایک بار پھر چلائی تھی۔ اس کے لیے اب رُکنا مشکل تھا۔ وہ مٹھی بھینچتے' غصے سے غراتا ہوا ان نوجوانوں کی جانب بڑھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ یہ ملک اس کے لیے اجنبی ہے' یہ لوگ اس کے لیے اجنبی ہیں' وہ لڑکی اس کے لیے اجنبی ہے اور وہ خود ان سب کے لیے اجنبی ہے..... اس کی اگر شناسائی تھی تو صرف اس بے بسی سے' درد سے' جو اس لڑکی کی چیخ و پکار میں اس نے محسوس کی تھی۔

وہ نوجوان ڈھیٹ بنے اسے جارحانہ انداز میں اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہے تھے۔ واضح تھا کہ وہ اس سے خوفزدہ نہیں ہو رہے مگر جب اس نے جارحانہ انداز میں ایک زوردار مکا ان میں سے ایک نوجوان کے منہ پر رسید کیا تو باقی دونوں بھی گھبرا کر اپنے زخمی ساتھی کو گھسیٹتے ہوئے بھاگ گئے۔ وہ انہیں کچھ دیر تک دُور جاتے دیکھتا رہا' پھر ان کے واپس نہ لوٹنے کا یقین لے کر واپس پلٹنے لگا۔

''گراسیا (شکریہ)..... سینور.....!'' اس لڑکی نے رندھی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

اس نے بے ساختہ پلٹ کر اس لڑکی کی جانب دیکھا۔ وہ سبز لانگ اسکرٹ میں ملبوس نیلی آنکھوں والی لڑکی تھی۔ اس کے بھورے بال پونی کی صورت بندھے ہوئے تھے اور ان نیلی آنکھوں میں نمی گھلی ہوئی تھی۔ آج کے دن اس نے دوسری بار نیلی آنکھوں کا نظارہ کیا تھا۔

''میرا نام ماریانہ ہے۔'' وہ اسے خاموش نگاہوں اور سپاٹ چہرے کے ساتھ تکتا پا کر گھبرا کر بولی۔

''میں ارسل ہوں۔'' وہ فارمیلیٹی کے طور پر اپنا تعارف کرا کر پلٹ گیا۔

چند قدم آگے ہی بڑھا تھا کہ جھماکے کی صورت ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا۔ اس کے بڑھتے قدم رُک گئے۔ کھڑے کھڑے اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ لڑکی ہنوز وہیں کھڑی تھی..... ساکت و جامد..... سنگ مرمر کے بُت کی طرح..... اگلے ہی پل وہ تیزی سے اس لڑکی کی جانب بڑھا اور اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ وہ گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں اُڑنے لگیں۔

''ماریانہ.....!'' اس نے گمبھیر لہجے میں اسے پکارا۔

''میرے ساتھ چلو.....!''

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ہیں کواکب کچھ

رونا حرم

''نیند حرام کرکے رکھ دی، کیسا شور ہورہا ہے یہ گلی میں؟'' خالدہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے اوپر دیورانی کے پورشن میں آئیں اور زینب کے جواب دینے سے پہلے ہی چھت کی منڈیر سے نیچے گلی میں جھانکنے لگیں جب کہ زینب جو خالدہ بھابی کی آواز سن کر نکلی تھیں وہیں سے پلٹ گئیں۔ جانتی تھی جٹھانی کی تجسس کی عادت کو، اب جب تک وہ گلی میں ہونے والے شور کا پتا لگا کر اور اسے مطلع کرکے نہیں جاتیں۔ انہیں سکون نہیں ملتا۔ ایسا ہی ہوا' ٹھیک دس منٹ بعد بھابی' زینب کے پاس کچن میں موجود تھیں۔

''میں تو سمجھی کوئی لڑائی وڑائی ہوگئی محلے میں کسی کی پر ایسا کچھ نہیں ہے۔ سامنے نیازی صاحب کا جو مکان خالی پڑا تھا اس میں نئے کرائے دار آئے ہیں۔ بدبختوں نے نیند خراب کردی۔ شام کو لے آتے سامان۔ دوپہر میں شور شرابا کرکے رکھ دیا۔ لوگوں کے آرام کا بھی خیال نہیں، جاہلوں کو اور میں بھی دوڑی چلی آئی کہ جانے کیا ہوگیا؟ ہونہہ۔''

''چلیں بھابی..... کافی ٹائم سے یہ مکان خالی پڑا تھا۔ اچھا ہے رونق ہوجائے گی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ تمہارے پورشن سے تو سارے گھر کا منظر نظر آتا ہے پر لوگ بھی اچھے ہونے چاہیں۔ ورنہ محلے میں گند کا اضافہ ہی ہوگا۔ خیر میں چلوں، عدیل اور عادل آنے والے ہیں یونیورسٹی سے۔ ابھی روٹی بھی نہیں پکائی میں نے، سر میں درد تھا تو لیٹ گئی۔ ذرا آنکھ لگی تھی کہ ان کم بختوں نے جگا دیا۔'' وہ لڑکوں کے آنے کی فکر میں جلدی سے سیڑھیاں اتر گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

خالدہ اور زینب دو ہی دیورانی جٹھانی تھیں۔ پچیس برس قبل اکٹھی ہی بیاہ کر اس گھر میں آئی تھیں اور اب اتنے برس گزر جانے کے بعد جب بچے بھی جوان ہوگئے تب بھی ایک گھر میں بہت پُرسکون طریقے سے رہ رہی تھیں کیونکہ دونوں میں ذرا بھی روایتی لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔ جو عموماً ایسے رشتوں میں پایا جاتا ہے۔ کبھی کبھار ہلکی پھلکی نوک جھونک ہو بھی جاتی اور اس کی وجہ زیادہ تر خالدہ ہی ہوتیں کہ وہ زبان کی ذرا تیز تھیں مگر دل کی بہت اچھی تھیں۔ اسی لیے ہر تکرار کے بعد بڑی ہونے کے باوجود انا کا مسئلہ بنائے بغیر دیورانی کو خود مخاطب کرتیں۔ مگر خالدہ کی ایک بری عادت تھی جس سے زینب کو اکثر اختلاف ہوتا۔ وہ عادت تھی دوسروں کی ذرا ذرا سی بات کو کریدنا اور اچھی بھلی بات کو بھی غلط رنگ دے کر آگے پہنچانا۔ خالدہ بھابی کو اگلے میں وہ برائی بھی نظر آجاتی جس کا شاید اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو۔ زینب اپنی سادہ طبیعت کے باعث اکثر انہیں ٹوک دیتیں۔ جس پر خالدہ بھابی برا مانے بغیر کہتیں۔

''بھئی مجھ سے تو اللہ میاں کی گائے کی طرح گونگا' بہرہ ہوکر وقت نہیں گزرتا۔ اس نے بولنے کے لیے زبان دی ہے تو اس کا استعمال بھی کریں گے۔''

ان کا بھی قصور نہیں تھا۔ محلے کی آدھی سے زیادہ عورتوں کا خالدہ بھابی کے پاس آنا جانا تھا اور کیمیں لڑانے کے لیے ہر دن ایک نئے تازے قصے کا ہونا بھی ضروری تھا اسی لیے وہ محلے کے ہر گھر پر نظر رکھتیں اور رائی کا پہاڑ بنانے کی پوری کوشش کرتیں اور شاید اب باری تھی نئے کرائے داروں کی۔ آنے والے دنوں میں خالدہ بھابی کی باتوں سے اس کا اندازہ ہوگیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''امی میں اپنے کپڑے پریس کررہی ہوں۔ اگر آپ کو بھی پریس کروانے ہیں تو مجھے دے دیں' میں کردیتی ہوں۔'' فریحہ استری اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

زینب نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فریحہ

سے بڑے دانیال اپنے اور میاں کے ہفتے بھر پہننے والے سوٹ لاکر اس کے سامنے ڈھیر کردیے۔ کالج کی ٹف پڑھائی کے باوجود وہ ماں کے ساتھ گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں ہاتھ بٹا دیتی تھی۔ اس وقت دل تو نہیں تھا فریحہ کا، مگر پھر بھی ازلی فرماں برداری کے باعث پوچھ بیٹھی اور اب اتنے ڈھیر سارے سوٹ دیکھ کر چلا اٹھی لیکن اس کی چیخ خالدہ تائی کی آمد پر ادھوری رہ گئی۔

''کیا ہورہا ہے بھئی؟'' وہ فریحہ کو کام کرتے دیکھ کر نہال سی ہوکر پوچھنے لگیں۔ ان کا ارادہ فریحہ کو بچپن سے ہی بہو بنانے کا تھا اور بڑے ہونے پر اس کی سادہ اور فرماں بردار طبیعت نے تو ان کے اس ارادے کو اور بھی مضبوط کردیا تھا۔

ان کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ اللہ نے دو ہی بیٹے دیے تھے اسی لیے وہ فریحہ کو بیک وقت بہو اور بیٹی کی نظر سے دیکھتی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں تائی امی، بس یہ کپڑے پریس کررہی تھی۔ آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھیں ناں۔'' وہ فوراً لہجے کو نارمل کرتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا کہنے لگی۔

''نہیں بھئی، میں بیٹھنے نہیں آئی اگر کمرے میں بند ہوکر بیٹھنا ہوتا تو نیچے ہی رہتی ناں۔ میں تو دو گھڑی کھلی ہوا میں سانس لینے آئی ہوں۔''

یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ عصر کی نماز اور تسبیحات سے فارغ ہوکر مغرب تک کا وقت اوپر ان کے پورشن میں کھلے حصے میں گزارتی تھیں۔ گھر تو کافی کشادہ تھا مگر خالدہ کے شوہر نے اپنی پسند سے نیچے والا حصہ اپنی رہائش کے لیے مختص کرلیا تھا جب کہ اوپر والوں نے چار کمروں کے آگے برآمدہ بنا کر کچن اور واش روم وغیرہ کے بعد جو جگہ بچی اسے کھلا ہی رہنے دیا تھا۔ شام ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وہاں بیٹھنے والوں کو بے حد تازگی اور راحت بخشتے تھے۔

شام کا یہ وقت خالدہ اوپر آکر یہیں گزارتی تھیں ان کی آمد پر زینب بھی وہیں آبیٹھتیں اور گپ شپ کے ساتھ گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی نپٹا لیتیں۔ جیسے چاول صاف کرنا سبزی کاٹنا اور کپڑے وغیرہ دھونا۔ جب کہ خالدہ ہوا سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا پسندیدہ مشغلہ بھی سرانجام دیتیں یعنی آس پاس سے خبریں اکٹھی کرنا اور ہاں واشنگ مشین تو خالدہ بھی اوپر ہی لگاتی تھیں۔ یہاں کپڑے دھونے کے دو فائدے تھے۔ ایک چھت پر پھیلانے کے لیے گیلے کپڑوں کو اٹھا کر سیڑھیاں نہیں چڑھنی پڑتی تھیں دوسرے کام کرتے وقت بوریت بھی نہیں ہوتی تھی۔ بوریت سے بچنے کا حل یہ تھا کہ گاہے بگاہے کپڑے دھونے اور پھیلانے کے دوران وہ آس پاس نظر آتے گھروں میں تانک جھانک بھی کرلیتی تھیں۔

یوں ان کے پاس خاصا مواد جمع ہوجاتا آگے پھیلانے کے لیے، مثلاً کس ساس، بہو میں آج زبردست جھڑپ ہوئی اور کس نے محض منہ ماری پر اکتفا کیا؟ کس کی بیٹی آج کل بے لگام ہورہی ہے؟ محلے میں کس کا لڑکا کس کی لڑکی کو تاڑ رہا ہے۔ ان کو یہ بھی پتا ہوتا کہ کون سی لڑکی شرافت کا لبادہ اوڑھے اپنی عزت کو محفوظ کیے ہوئے

ہے اور کس کی بیٹی ایسی بے شرم ہے جو اشاروں اور کنایوں کی زبان میں جواب دے کر محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے؟ غرض خالدہ کے شام کے دورے خاصے کامیاب رہتے تھے اور وہ کافی معلومات لے کر نیچے اترتی تھیں۔ اگر کبھی ان کی بے بنیاد باتیں حقیقی نکلتیں تو پھولے نہ سماتیں۔

"دیکھا..... میں تو پہلے ہی کھٹک گئی تھی..... اس کی تو چال ہی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔"

"مجھے تو اس گل کے کھلنے کا پہلے سے ہی علم تھا۔"

اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی اسی لیے انہیں کسی کی بھی عزت کا خیال نہیں تھا۔ اب بھی وہ فریحہ کی پیشکش کو رد کرتی' محبت سے اس کا گال تھپتھپاتی ہوئی باہر نکل گئیں اور باہر رکھی پلاسٹک کی کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے سائیڈ کی دیوار سے ہمسایوں کے گھر جھانکنے لگیں۔ کوئی خاص منظر نہ پا کر اسی لائن میں بنے اگلے گھر کی طرف دیکھنے لگیں وہاں بھی ان کے مطلب کا کوئی منظر نہیں تھا۔ یوں ہی ٹہلتے ٹہلتے آخر کار ایک کام کا منظر ان کی نظر نے ڈھونڈ ہی لیا۔

سامنے نئے کرائے داروں کی چھت پر ایک خوب صورت' کم عمر اور سادہ سی لڑکی ہینڈز فری کانوں میں لگائے فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھیں کیونکہ اس کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اسی لیے وہ لڑکی باتیں کرتی ہوئی تو واضح نظر آ رہی تھی لیکن کوشش کے باوجود وہ اس کی باتیں نہیں سن سکیں۔ خالدہ پھر بھی کافی دیر اسے نوٹ کرتی رہیں۔ تھک گئیں تو کرسی گھسیٹ کر دیورانی کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

پورے ایک گھنٹہ اپنی بیاہی نندوں کے بخیے ادھیڑنے کے بعد وہ نیچے جانے کے لیے اٹھیں تو بے اختیار نظر پھر سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ وہ یہ دیکھ کر کافی حیران ہوئیں کہ لڑکی اب بھی فون پر اسی طرح مصروف تھی۔ جانے کس سے باتیں کر رہی ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں، وہ سر جھٹک کر واپسی کے لیے مڑ گئیں۔

خالدہ اسے ہر روز باتیں کرتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ جب بھی خالدہ چھت پر آتیں تو وہ لڑکی اپنی چھت پر موجود ہوتی۔ اکیلی ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے تقریباً گھنٹہ بھر بات کرتی پھر موبائل بند کرتی اور نیچے چلی جاتی۔ ایک ہفتے تک جب اس لڑکی نے کوئی قابل اعتراض حرکت نہ کی تو خالدہ بوریت کا شکار ہو کر پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دیورانی کی طرف دیکھ کر زور سے بولنے لگیں۔

"جب دیکھو ایک ہی کام ہے، جانے ایک ہے یا کتنوں کو پیچھے لگا رکھا ہے اس بالشت بھر کی لڑکی نے۔ کسی ایک سے تو اتنی باتیں نہیں ہو سکتی جتنا یہ ہر وقت فون سے چپکی رہتی ہے، توبہ..... قرب قیامت ہے۔"

"کیا ہو گیا بھابی..... کس بات سے آنے لگی قیامت۔" جس زور و شور سے خالدہ بات کر رہی تھیں پوچھنا زینب کا فرض بنتا تھا اور خالدہ سرسری سا پوچھنے پر شروع ہو گئیں۔

"ان کی بات کر رہی ہوں' یہ جو نئے کرائے دار آئے ہیں۔" انہوں نے ہاتھ سے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

"جانے کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آ کر بسے ہیں' مجھے تو ٹھیک نہیں لگتے۔ ارے پچھلے ایک ہفتے سے میں نوٹ کر رہی ہوں ان کی لڑکی اکیلی چھت پر ٹہلتے ہوئے جانے کس کس سے گھنٹوں فون پر باتیں کرتی ہے۔ مجھے تو اس کے گھر والے بھی مشکوک لگتے ہیں اسی لیے جوان لڑکی کو ایسی فتنہ چیز دے کر چھوٹ دے رکھی ہے اور کوئی روک ٹوک بھی نہیں، خود ہی جب جی بھر جاتا ہے تو نیچے چلی جاتی ہے۔"

"ارے بھابی..... دیکھی ہے وہ لڑکی میں نے، بچی ہے کسی سہیلی یا کزن وغیرہ سے کرتی ہو گی یا پھر کوئی رشتہ دار ہو گا۔"

"سہیلیوں سے یوں اکیلے چھپ کر بات کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کون ہے جسے آج کل اتنی فرصت ہے یوں وقت ضائع کرنے کی۔ اپنی فریحہ کو ہی دیکھ لو۔

ایک بار کہا تھا فون لینے کا اپنے باپ اور بھائی کے منع کرنے کے بعد دوبارہ ضد نہیں کی۔ کوسوں دور ہے ان خرافات سے وہ اس زمانے میں بھی، کیونکہ اس کی تربیت میں تم جیسی سمجھ دار ماں کا ہاتھ ہے۔'' زینب واقعی سمجھ دار تھیں کیونکہ وہ جٹھانی کے ارادے ان کے کہے بغیر ہی جان گئی تھیں۔ اچھا تھا اکلوتی بیٹی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہتی مگر وہ جٹھانی کی اس عادت کا کیا کرتیں جس سے انہیں چڑ ہونے لگی تھی۔ وہ تاسف سے خالدہ کی طرف دیکھ کر رہ گئیں جب کہ خالدہ زینب کی سوچوں سے بے نیاز کہہ رہی تھیں۔

''یاد نہیں، پچھلی لائن والے راشد صاحب، دو سال قبل ان کی بیٹی بھی تو اسی موبائل کے نتیجے میں گھر سے بھاگی تھی۔ اس کے گھر چھوڑنے کے بعد سم کا ڈیٹا کھلوایا تب پتا چلا کہ معاشقہ فون پر لڑایا گیا اور بات گھر سے بھاگنے تک پہنچ گئی۔ لکھ لو یہ لڑکی بھی فون کی وجہ سے برباد ہو جائے گی۔ مجھے تو اس ماں پر حیرت ہے جسے اپنی بیٹی کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔'' وہ بولتی رہیں زینب ناگواری سے سنتی رہیں۔

چند دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن وہ عورت خود ہی نیاز دینے ان کے گھر آ گئی۔ کوثر نامی وہ عورت کافی خوش مزاج تھی۔ اپنے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ گھر میں کل تین افراد تھے۔ ایک وہ خود ایک اس کی نند ہانیہ جو آج کل پیٹھ پیچھے خالدہ بھابی کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور کوثر کا میاں جو کسی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ کوثر بے چاری شادی کے سترہ برس گزرنے کے بعد بھی ماں نہیں بن سکی تھی۔ اسی لیے ہانیہ کو اپنی بیٹی سمجھتی تھی۔ کوثر بمشکل دس منٹ بیٹھ کر ان لوگوں سے مختصر تعارف حاصل کر کے یہ کہتے ہوئے کہ ابھی اور گھروں میں بھی جانا ہے چلی گئی۔ اس کے نکلتے ہی بھابی اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرنے لگیں۔ اتفاق سے اس وقت زینب نیچے خالدہ کے پاس آئی بیٹھی تھی۔

''دیکھا پھر میں نہ کہتی تھی وہ کون سی ماں ہے جسے اپنی بیٹی کی خبر ہی نہیں۔ بے چاری کی ماں ہوگی تو خبر لے گی ناں ہونہہ بیٹی سمجھتی ہوں۔ ارے اگر بھاوجیں مائیں بننے لگیں تو ماؤں کو روئے گا کون۔ کوئی نظر رکھنے والا نہیں ہے لڑکی پر۔ ماں ہوتی تو اچھے برے کی تمیز سکھاتی۔ بھاوج کو کیا پڑی ہے کہ نند کی خبر گیری کر کے اپنا سکون برباد کرے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی زینب کو خالدہ کی بے تکی باتیں سننا پڑیں۔ جب بھی اٹھنے کا سوچتیں، بھابی پھر بٹھا لیتیں۔

❁.....❁.....❁

کوثر لوگوں کو یہاں رہتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے نہ پھر دوبارہ وہ ان کے ہاں آئی اور نہ ہی اس کے دعوت دینے پر یہ لوگ ان کے ہاں گئیں۔ ہانیہ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور نہ خالدہ بھابی نے اس کا پیچھا چھوڑا تھا۔ جب بھی اس پر نظر پڑتی وہ کوئی گرا ہوا جملہ اس کے لیے ضرور استعمال کرتیں۔ زینب کو ان کا ہانیہ جیسی معصوم لڑکی کے لیے اس طرح فضول بولنا اچھا نہیں لگتا تھا کہ ان دو ماہ میں کوئی قابل اعتراض حرکت اس نے نہیں کی تھی۔

مگر ایک دن وہ ہو گیا جس کی امید زینب کو اس کم عمر اور سادہ سی لڑکی سے ہرگز نہیں تھی۔ خالدہ، زینب کے پورشن میں ہفتہ وار کپڑوں کی دھلائی میں مصروف تھیں۔ ساتھ ہی دلچسپی کا سامان بھی ڈھونڈ رہی تھیں اور پھر ان کی نظروں نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر تو خالدہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ سامنے گھر کے برآمدے میں ایک لڑکا چارپائی پر بیٹھا تھا اور بالکل اس کے قریب بیٹھی ہانیہ خوب بے تکلفی سے اس سے باتیں کر رہی تھی اور باقی کسر اس بات نے پوری کر دی کہ کچھ دیر پہلے ہی انہوں نے کوثر کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکی اس وقت گھر میں اکیلی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ خود ہی اسے موقع دے کر گئی ہو۔'' شیطان نے پوری کہانی پل میں ان کے ذہن میں بنا ڈالی تھی۔ ذرا بھی وقت ضائع کیے بغیر خالدہ نے

زینب کو پکارا۔

''ابھی پول کھولتی ہوں۔ زینب..... زینب..... کہاں ہو؟ جلدی آؤ۔''

''کیا ہوا بھابی؟'' زینب افتاں وخیزاں کمرے سے نکلی۔

''آؤ دیکھو اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ میں نا کہتی تھی یہ لوگ ٹھیک نہیں۔ میرا اندازہ بالکل درست تھا۔'' انہوں نے پُرجوش ہوکر سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہائیں یہ کیا؟''

''ہاں وہی جو تم دیکھ رہی ہو۔ اتنے دنوں میں ہم کوثر کے میاں کو تو دیکھ ہی چکے ہیں پھر کیا خیال ہے یہ لڑکا کون ہوسکتا ہے اور اب یہ مت کہہ دینا کہ کوئی کزن یار شتے دار ہوگا کیونکہ یوں تو کزنز کے ساتھ بیٹھنا بھی قابل اعتراض ہے۔''

''واقعی بھابی..... اللہ معاف کرے پر ہم کر بھی کیا سکتے ہیں جب خود ہی کسی کو اپنی عزت کا خیال نہیں ہے۔''

پریشان تو زینب بھی ہوگئی تھیں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مگر اتنا کہہ کر پیچھے ہٹ گئیں۔

''کر کیوں نہیں سکتے۔ محلے سے نکلوائیں گے ان گندے لوگوں کو۔ ارے غضب خدا کا' ابھی تو ایک نمونہ سامنے آیا ہے۔ آگے پتا نہیں کون سا گھناؤنا کاروبار کرنے کا ارادہ ہو۔ ہمارا ابھی جوان بچوں والا گھر ہے۔ جیسا ماحول دیکھیں گے ویسا اثر ہوگا ان پر بھی۔ ہماری جگہ عدیل یا عادل میں سے کوئی یہ نظارا دیکھتا یا پھر فریحہ تو؟ نہیں بھئی آج ہی بندوبست کرتی ہوں، میں بلاتی ہوں محلے کی عورتوں کو اکٹھا کرکے لے جاؤں گی ان بے غیرتوں کے گھر۔'' اور پھر ڈیڑھ گھنٹہ جیسے تیسے گزار کر خالدہ بھابی نے سب سے پہلے شریفن خالہ کو بلوایا۔ جو ایسے پھڈوں میں حصہ لینے میں مشہور ومعروف تھیں۔ ان کے آنے پر سارا قصہ انہیں سنایا گیا۔ ایسی مرچ مسالا والی بات سن کر صبر کرنا خالہ شریفن کے بھی بس سے باہر ہوگیا۔ جھٹ پوتی کو بھیج کر محلے کی چند خواتین کو اکٹھا کرلیا۔ پھر یہ قافلہ کوثر کے گھر کے سامنے جا کر ہی تھما۔

پہلے تو وہ بے چاری حیران ہوئی پھر حیرت کے شدید جھٹکے سے نکل کر ان سب کو اندر آنے کی دعوت دی۔ تمام خواتین منہ کے زاویے بگاڑتیں' ایک دوسرے کے پیچھے گھر میں داخل ہوگئیں جب کہ خالدہ سب سے آگے تھیں۔ مرے مرے قدم اٹھاتی زینب بھی شامل تھیں گو کہ انہیں ایسے لڑائی جھگڑے والے کام اچھے تو نہیں لگتے تھے پر اب بات ایسی تھی کہ خالدہ کے کہنے پر وہ بھی ساتھ ہولیں۔

''آپ لوگ بیٹھیں، میں ابھی آتی ہوں۔'' کوثر شاید حق میزبانی نبھانے کے چکر میں تھی۔

''ہم لوگ یہاں بیٹھنے نہیں آئے بی بی اور نہ ہی تمہارا گھر شریفوں کے بیٹھنے کے لائق ہے بلکہ ہم سب یہاں ایک ضروری بات کرنے جمع ہوئے ہیں۔'' سب سے پہلے خالدہ بولیں۔ آخر وہی چشم دید گواہ تھیں۔

''دیکھیے بہن..... زبان سنبھال کر بات کیجیے۔ ہم کرائے دار ہیں تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہماری کوئی عزت نہیں..... جو بات کرنی ہے آرام سے کیجیے۔''

''ہونہہ..... خوامخواہ کی شرافت کے ڈھول پیٹنے سے کوئی شریف نہیں بن جاتا۔'' ایک اور خاتون نے اپنی زبان کی تیزی دکھائی۔

''مطلب کیا ہے اس ساری بکواس کا؟''

''خیر ہم کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کریں گے۔ کوئی اور مکان دیکھو اور جلد از جلد یہ گھر خالی کردو' فضول میں اتنی مغزماری کررہی ہو۔''

''یہ تو بتاؤ کس خوشی میں یہ گھر خالی کریں۔'' کوثر کو تاؤ ہی آ گیا۔

''ایسے ہی بے وجہ نہیں آئے۔'' اس بار پھر خالدہ بولیں۔ ''جب سے اس محلے میں آئے ہو تم لوگ تب سے میں اس لڑکی کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی ہوں۔ گھنٹوں فون پر باتیں کرنا' چھت پر اکیلے گھومنا۔ آس پاس کے لڑکے تاڑنا لیکن تب بات اور تھی' ایسی باتوں پر اعتراض

نہیں کیا جاسکتا تھا مگر آج میں نے اور میری دیورانی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تمہاری نند کو کسی غیر لڑکے کے ساتھ۔ اگر تم یا تمہاری وہ نند اپنے سگے رشتے داروں کو فون تک محدود رکھتیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر تم لوگ تو اب غیر مردوں کو دن دہاڑے گھر پر بلانے لگی ہو اور یہ بات ہم جیسے شریف لوگوں کی برداشت سے باہر ہے، ارے ہمارے بھی جوان بچے ہیں جیسا دیکھیں گے ویسا ہی کریں گے۔'' خالدہ تقریر کرنے والے انداز میں سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ سب ہی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں وہ پھر کوثر کی طرف پلٹیں۔

''کان کھول کر سن لو ایک ہفتے کا ٹائم دے رہے ہیں' اس ہفتے کے دوران یہ گھر خالی کردو اور اپنے جیسے لوگوں میں جا کر یہ کام شروع کرو اور یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے ہماری ورنہ.....''

''ایک منٹ رکیے۔'' کوثر آگے بڑھ کر الماری کا پٹ کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ ساری خواتین تجسس کے مارے کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ تب ہی مطلوبہ چیز برآمد کر کے وہ خالدہ کی طرف بڑھی۔ کوثر نے ہاتھ میں پکڑی تصویر خالدہ کے سامنے کی۔ خالدہ نے ناسمجھی سے کچھ الجھ کر بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیا اور اب بولنے کی باری کوثر کی تھی وہ سب کی طرف دیکھتے ہوئے پُرسکون مگر بے حد سرد انداز میں گویا ہوئی۔

''سب سے پہلے تو میں آپ سب کو یہ بتا دوں کہ مجھے اپنی نند پر پورا بھروسا ہے۔ آپ تو کیا' پوری دنیا بھی مل کر اسے غلط کہے تب بھی میں یقین نہیں کروں گی کیونکہ میں ہانیہ کو نند نہیں اپنی بیٹی سمجھتی ہوں اور میری بیٹی بہت مضبوط کردار کی مالک ہے۔ ہانیہ فون پر گھنٹوں باتیں کرتی ہے۔ اعتراض تو آپ سب کو اس پر بھی نہیں ہونا چاہیے پھر بھی تسلی کے لیے بتا دوں' ہانیہ ماشاء اللہ سے حافظ قرآن ہے۔ وہ اپنے سینے میں چھپے قرآن کو کہیں خدانخواستہ بھول نہ جائے۔ اس ڈر سے وہ موبائل میں تلاوت لگا کر سنتی اور ساتھ ساتھ دہراتی ہے شروع سے ہی اس طریقہ کو اپنایا ہوا ہے اور اب یہ آپ کی سوچ ہے بہن کہ ایک اچھی عادت کو بھی بری عادت ثابت کرنے کی کوشش کی۔'' کوثر بات کرتے ہوئے افسوس سے خالدہ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''جس بات کا افسانہ بنا کر آپ معزز اور شریف گھرانے کی عورتوں نے یہاں آنے کی زحمت کی ہے اس کی حقیقت جان کر اگر ذرا سی بھی شرم' غیرت ہے تو ڈوب مریے گا کیونکہ.....'' اس نے سانس لینے کی مہلت کے دوران اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویر سب کے سامنے لہرائی۔

''یہ آپ لوگ جسے اس یتیم اور معصوم لڑکی کا عاشق بنانے پر تلی ہیں' جاننا چاہیں گی ہانیہ سے اس کا رشتہ کیا ہے؟ بھائی..... بھائی ہے یہ ہانیہ کا۔ سگا بھائی۔'' بے حد افسوس کے عالم میں بولتے ہوئے اچانک کوثر کی نظر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی ہانیہ پر پڑی تو دھک سے رہ گئی۔ ہانیہ جو جانے کب سے کھڑی تھی اور کافی حد تک بات کو سمجھ چکی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی کئی آنسو اس کے چہرے کو تر کر گئے۔ تب ہی وہ خالدہ کی طرف دیکھتے ہوئے ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آنٹی..... یہ ٹھیک ہے کہ آج کل لوگوں میں سے خوف خدا ختم ہونے لگا ہے۔ اچھائی کم' برائی زیادہ ہوگئی ہے۔ لوگ خود کو گناہ کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں دن بدن دنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے لیکن آنٹی..... کسی بھی انسان کو دیکھے' پرکھے بنا اور ملے بنا اس کے متعلق مفروضے قائم کرنا بھی اچھی بات نہیں۔ آپ میرے متعلق جانتی ہی کتنا تھیں جو آپ نے مجھ پر الزام لگایا۔ مجھے تو اس سارے قصے کے بارے میں سوچ کر ہی شرم آ رہی ہے۔ بھائی ہیں وہ میرے، کیا آپ اپنے بھائیوں کے گلے نہیں لگتیں؟ کیا ضروری ہے کوئی عورت یا لڑکی کسی مرد کے گلے لگے تو اس سے کوئی ناجائز رشتہ ہی ہو؟ وہ مرد اس کا باپ ہوسکتا ہے بھائی ہوسکتا ہے' بیٹا ہوسکتا ہے۔'' ہانیہ کے ایک ایک لفظ پر خالدہ شرمندگی سے پانی

پانی ہو رہی تھیں۔ اب تو زینب کو پوری امید تھی کہ بھابی اپنی یہ غلط عادت ہمیشہ کے لیے ترک کردیں گی۔ دو پل کی خاموشی کے بعد ہانیہ پھر بولی تو آواز بالکل صاف اور لہجہ میں بے پناہ معصومیت تھی۔

''آنٹی ایک غلطی آپ نے کی ہے مجھ پر بے بنیاد الزام لگا کر مگر دوسری غلطی میں نہیں کرسکتی آپ سے بدتمیزی کرکے، پر مجھے بے حد دکھ ہوا ہے۔ کوشش کیجیے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو کیونکہ جو انسان کسی دوسرے انسان کا پردہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس انسان کے عیبوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور جو کوئی دوسروں کے عیبوں اور برائیوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے اللہ بھی اس کے عیبوں اور برائیوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ باقی آپ پر ہے کہ آپ اس غلطی سے سیکھتی ہیں یا نہیں۔'' ہانیہ دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں پونچھتی کمرے سے نکل گئی۔

''بتائیے کچھ شرم حیا آئی اصل بات جان کر۔'' کوثر کڑے تیوروں سے بولی۔

''مگر..... مگر تم نے تو بتایا تھا کہ تم لوگ کل تین ہی افراد ہو گھر کے۔ نند بھاوج اور تمہارا شوہر۔'' خالدہ حیرت اور شرمندگی کے طوفان میں ڈوب کر بمشکل لفظوں کو زبان دے پائیں۔

''جی بالکل کہا تھا کہ ہم تین افراد ہیں مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ ہمارا کوئی اور رشتے دار بھی نہیں ہے۔ میرا دیور مطلب ہانیہ کا بھائی۔'' اس نے بھائی پر زور دیا۔ ''نوکری کی وجہ سے اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتا ہے اور اب اپنی بہن سے ملنے یہاں آیا تھا اگر اب بھی آپ کو یقین نہیں تو دونوں بہن بھائیوں کے آئی ڈی کارڈ دیکھ لیں۔ تو پھر کیا خیال ہے آپ کا۔'' کوثر بھرپور طنز کرتے ہوئے بولی۔

وہاں موجود سب خواتین ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سر جھکا گئیں۔ خواتین شرم سار ہو کر جس طرح وہاں سے نکلیں وہ خود ہی جانتی تھیں جب کہ سب سے زیادہ خالدہ جو کسی سے بھی نظر ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں بالکل خاموشی کے ساتھ چپ چاپ وہاں سے نکل گئیں۔

میں نے کہانی کے شروع میں بتایا تھا ناں کہ میری جٹھانی زبان کی بری ہیں۔ عادتوں کی بھی بری ہیں مگر دل کی بہت اچھی ہیں۔ یہ جاننے کے لیے چلیے ڈیڑھ ماہ پیچھے چلتے ہیں۔

❁.....❁.....❁

جب بھابی ہانیہ پر بے تحاشہ تنقید کرتی تھیں، اسے خوب برا بھلا کہتی تھیں اور تب جتنی غصے سے بھری نظروں سے ہانیہ کو دیکھتی تھیں اتنی ہی میٹھی نگاہوں سے ان ہی کا بیٹا اسے تکا کرتا تھا۔ جی ہاں میں خالدہ بھابی کے بڑے بیٹے عادل کی بات کر رہی ہوں جو نیک شریف اور انتہائی قابل لڑکا ہے اور جسے میں نے ہمیشہ اپنے داماد کی حیثیت سے دیکھا اور سوچ رکھا تھا۔

ہانیہ لوگوں کے یہاں شفٹ ہونے سے پہلے وہ کم کم اوپر آتا تھا لیکن پھر اچانک آہستہ آہستہ اس کے چکر ہمارے پورشن میں بڑھنے لگے۔ تب ایک دن خالدہ بھابی کے نیچے اترتے ہی عادل کا اوپر آنا اور ہانیہ کے گھر کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا میں نے نوٹ کر ہی لیا اور پھر میرے شک کو یقین میں بدلنے کے لیے وہ ایک دن میرے ہاتھ تھامے میرے سامنے بیٹھا تھا۔

''چاچی پلیز امی سے کہیں ناں ہانیہ کے گھر میرا رشتہ لے کر جائیں۔ مجھے یہ لڑکی بہت اچھی لگتی ہے۔''

''کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''پتا نہیں چاچی وہ تو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ میری پیاری چاچی..... پلیز آپ امی کو منالیں ناں۔'' وہ ہاتھ تھامے امید سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور اس پل میں اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لیے خود غرض بن گئی تھی۔

''نہیں عادل..... میں تمہاری امی سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گی۔ ابھی تم زیر تعلیم ہو۔ پھر جاب کرو گے تب ہی ایسا سلسلہ شروع ہوگا۔ میں ابھی

سے ایسی بات کر کے بھابی کو خود سے متنفر نہیں کر سکتی۔ وہ تو یہی سمجھیں گی کہ میں ہی تمہیں اس راہ پر لگا رہی ہوں۔"

"کہاں چاچی..... تین ماہ رہ گئے مجھے یونیورسٹی سے فارغ ہونے میں اور جاب کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو کا کاروبار ہی سنبھالیں گے ہم دونوں بھائی۔"

"جو بھی ہے اگر ہمت ہے تو خود اپنی ماں سے بات کرلو۔" میں نے اسے صاف ہری جھنڈی دکھائی اور وہاں سے اٹھ گئی۔

میں جانتی تھی بھابی کا اپنے بیٹوں پر خوب کنٹرول تھا۔ عادل کبھی ہمت نہ کرتا ماں سے یہ سب کہنے کی اور بھابی کا ارادہ شروع سے ہی فریحہ کو بہو بنانے کا تھا اسی لیے میں مطمئن ہوگئی تھی۔

اور صاف دل ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے خالدہ بھابی نے پہلے کوثر سے معافی مانگی اور گلے ہاتھ کوثر سے ہانیہ کا رشتہ مانگ لیا۔ بقول ان کے ایسی شریف معصوم اور سادہ دل لڑکی چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔

پھر تو ہفتے کے اندر اندر باقاعدہ رشتہ لے جانے سے لے کر چھان بین، سوچنے کے لیے وقت لینے جیسے تمام مراحل طے پا گئے اور آج ہم سب ہانیہ کے گھر ہانیہ اور عادل کی منگنی کی رسم ادا کرنے جا رہے ہیں۔ کوثر کے گھر سے آ کر غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ فریحہ نے مجھے یوں غصے کی حالت میں دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

"کیا ہوا امی..... کہاں گئی تھیں آپ تائی امی کے ساتھ؟"

"کہاں جانا تھا مجھے؟ اپنے ہی ارمانوں کا اپنے سامنے خون ہوتا دیکھنے گئی تھی۔ کب سے دل میں ارمان سجا رکھے تھے تمہیں بیاہ کر بھی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کے، تمہیں ہمیشہ اسی گھر میں دیکھنے کے۔ مگر یہ تمہاری تائی امی بھی عجیب ہی ہیں۔ عمر ہی کیا ہے ابھی لڑکوں کی، چوسنی منہ سے نکلی نہیں کہ بیٹوں کے سر پر سہرا سجانے کی پڑ گئی اور میں بھی اسی کار خیر میں حصہ لے کر آ رہی ہوں۔" فریحہ کے پوچھنے پر میں پھٹ پڑی۔

"کیا.....! ایسا کیسے ہوسکتا ہے اتنی جلدی کیسے؟" فریحہ حیرت سے بولی۔

"تائی کا اسی ہفتے میں منگنی کا ارادہ ہے کوثر کے ہاں، حد ہے اوچھے پن کی بھی۔" مجھے عادل جیسے لڑکے کے رشتے کا ہاتھ سے نکل جانے پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ اسی لیے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔ ہوش تو تب آیا جب اپنی بیٹی کے زرد چہرے پر نظر پڑی میں دھک سے رہ گئی۔ تو کیا فریحہ عادل کو پسند کرتی ہے؟ مگر اس کے اگلے ہی جملوں نے پھر مجھے توانائی لوٹا دی۔

"عدیل تو کہتا تھا کہ وہ مجھے..... عدیل کیسے مان گیا کہیں اور شادی کے لیے؟" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

"فی الحال عدیل کا نہیں صرف عادل کا رشتہ طے کیا ہے بھابی نے۔" میں نے کسی احساس کے تحت چونکتے ہوئے عدیل کے بجائے عادل کے رشتے کا بتا کر غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں پھر سے وہی پہلے والا سکون اور اطمینان جھلکنے لگا تھا اور جس طرح فریحہ نے کئی لمحوں کے بعد کھل کر سانس لیا تھا اس بات نے مجھے بھی پرسکون کر دیا۔ یعنی اللہ پاک نے میری بیٹی کی خوشیاں بچالی تھیں۔

"ویسے بھی ہمارا اللہ تو بے نیاز ہے۔"

دیئے جلنے لگے

صباحت رفیق چیمہ

ہاں مجھے یاد ہے
دسمبر کے وہ حسیں دن
میں جب اُس کے پاس ہوتی تھی
تو اُس کی شوخ آنکھوں میں
جلتے تھے دیے محبتوں کے
اُن جلتے دیوں میں
میرا دل ڈوبنے لگتا
میری مدھم سی چلتی سانسیں
اُس کی گرم سانسوں میں
مدغم ہونے لگتیں
سنگ میرے ہزاروں
خواہشوں کی تتلیاں
رقص کرنے لگتیں
نیلے امبر سے
زمیں کی دھرتی پر
جیسے پھولوں کی
آبشاریں بہنے لگتیں
محبتوں کو امر کرنے کا
جو یہ سہانا موسم آیا تھا
پلک جھپکتے ہی جیسے بیت گیا
نفرتوں کی آندھیاں چلنے لگیں
سانسیں میری تھمنے لگیں
محبتوں کے دیے بجھنے لگے
مجھ سے جُدا وہ ہو گیا
میں تو جیسے مرنے لگی
صدیوں سے بھی لمبی راتیں
کاٹے نہ مجھ سے کٹیں
دُکھ، آنسو اور تنہائی
کا ساتھ ہوا مسلسل
یوں پھر ایک شب
چاند کی چاندنی میں
میری آنکھ میں
اک چھوٹا سا
اُمید کا دیا روشن ہوا
شاید وصل کی یہ
گھڑیاں بیت جائیں
شاید لوٹ آئے وہ دُشمن جاں
شاید مجھے اپنے سامنے پا کر
پھر اُس کی شوخ آنکھوں میں
محبتوں کے دیے جلنے لگیں
شاید.....!
جلنے لگیں محبتوں کے

پہلا باب
''الفاتحہ''

آسماں پہ روئی کے گالوں جیسے چند بادلوں کے ٹکڑے آپس میں اٹھکیلیاں کرتے دکھائی دے رہے تھے اور پھر دسمبر کی پہلی رات قطرہ قطرہ پگھلنے لگی۔ وہ ہنوز آنگن میں رکھے تخت پہ بیٹھی اُس کی یادوں کو سینے سے لگائے سسک رہی تھی۔

''انوشے..... میرے ناتواں وجود میں اتنی طاقت نہیں کہ میں اس وجود کو برف کر دینے والی سردی میں چند منٹ اور ٹھہر سکوں۔'' بی بی جان کی سردی سے کانپتی آواز پہ وہ فوراً اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سخت سے اُٹھی اور بی بی جان کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے بولی۔

''سوری بی بی جان..... آپ کیوں باہر آئیں' میں بس اندر ہی آ رہی تھی۔'' وہ اُن کے ساتھ چلتی ہوئی اپنے اور بی بی جان کے مشترکہ کمرے میں آ گئی اور بی بی جان کے ساتھ اُن کی نرم و گرم محبت بھری آغوش میں لیٹ گئی۔

❁.....❁.....❁

دراز پلکیں' وصال آنکھیں، مصوری کا کمال آنکھیں
ہزاروں ان سے قتل ہوئے ہیں خُدا کے بندے سنبھال آنکھیں

دھوپ آہستہ آہستہ اپنے پر سمیٹنے لگی' کنویں کے پاس گاؤں کی الہڑ ٹیاریں اپنے گھڑوں میں پانی بھرنے کے ساتھ

ہیر رانجھے کی داستان نئے سرے سے فضا میں بکھیر رہی تھیں۔

''اوئے ہیر..... دیکھ تیرا رانجھا شہر سے آ گیا ہے۔'' زُلیخا کی سکھیوں میں سے ایک نے چودھری یوسف حیات خان کو اپنے خاص ملازم بخشو کے ساتھ آتے دیکھ کر کہا۔

زُلیخا نے دھڑکتے دل کے ساتھ اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ اُسی وقت یوسف نے بھی نظریں اُٹھائیں۔ پل بھر کے لیے نگاہوں کا تصادم ہوا تھا۔ زُلیخا کے چہرے پہ حیا کی لالی اُمڈ آئی۔ جسے دیکھ کے اُس کی سکھیوں نے کھی کھی کرنا شروع کر دی۔ اُس نے فوراً نظریں جھکا کے اپنا گھڑا اٹھانے کے لیے ابھی ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ زمین پہ پڑے پتھر نے اُسے لڑکھڑانے پہ مجبور کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ توازن برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے زمین بوس ہوتی یوسف کے مضبوط بازوؤں نے اُسے تھام لیا اور پھر بنا کچھ کہے آگے کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔

''دونوں ساتھ کھڑے ہوں تو ایسے لگتا ہے جیسے اللہ نے ان کو بنایا ہی ایک دوسرے کے لیے ہے۔'' اُن کے جاتے ہی نوشی نے زُلیخا کا گھڑا اُسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''کیا بات کرتی ہو تم بھی، لگتا کیا ہے، زُلیخا کو اللہ نے بنایا ہی یوسف کے لیے ہے۔'' وہ سب الہڑ مٹیاریں گھڑے اُٹھائے اپنے گھروں کی جانب جاتے ہوئے زُلیخا کے دل میں مچلتے ارمانوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ یوسف زُلیخا کا ہی مقدر بنے گا۔

❁.....❁.....❁

''ضوبار یہ..... کیا ہوا ہے؟'' اُسے اپنے کمرے میں گُم صم بیٹھے دیکھ کے زرتاشہ نے اُس کا کندھا ہلاتے ہوئے پوچھا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی۔

''آں..... ہاں..... کچھ نہیں، تم کب آئیں؟'' اُسے اپنے قریب کھڑے دیکھ کے اُس نے پوچھا۔

''میں تو ابھی آئی ہوں لیکن تم کیا جوگ لیے بیٹھی ہو۔''

''زری میں کیا کروں؟ مجھے وہ شخص نہیں بھولتا' اللہ سے کہو ناں بس مجھے میرا سکندر دے دے' بس میری یہ دُعا قبول کر لے۔'' اُس نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ زرتاشہ کے کندھے پہ سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ زرتاشہ اُس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولی۔

"زوبی..... سنبھالو خود کو پلیز..... پریشان ہونے کے بجائے اللہ سے دُعا کیا کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"کیسے ٹھیک ہوگا زری؟ اُسے دُعاؤں میں مانگ مانگ کے، اب میں تھکنے لگی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں اُسے کبھی نہیں پاسکوں گی یہ بات اندر ہی اندر مجھے ختم کررہی ہے۔"

"تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہورہی ہو؟ بھول گئی حضرت آدمؑ کتنے سال اللہ کے آگے گڑگڑائے تھے پتا ہے سورۃ الفاتحہ کی آیات مبارکہ میں کیا سمجھایا گیا ہے؟" زرتاشہ کی بات پہ اپنے آنسو صاف کرتے وہ اسے دیکھنے لگی۔

"دراصل اس میں اللہ سے مانگنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دُعا کرنی ہو تو سب سے پہلے اُس کے درجۂ عُہدے اُس کی بزرگی اور ربوبیت کا اظہار کرنا اُس کے اختیار کو ماننا اور اپنے کم تر ہونے کا اعتبار رکھنا اور خود کو اس بات کا یقین دلانا کہ جس کے سامنے آپ دُعا کررہے ہیں وہ اس کو قبول کرنے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ تمہیں پتا ہے ہماری عبادات میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ الفاتحہ ہماری نماز کا ایک لازمی جُز ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے ہی مانگنے کا طریقہ نہیں آتا، شاید اسی لیے میری دُعا قبول نہیں ہوئی' لیکن اب مجھے اللہ سے مانگنے کا طریقہ آگیا ہے اب ان شاء اللہ میری دُعا ضرور قبول ہوگی۔" ضوبار یہ نے یقین کے ساتھ کہا تو زری نے شکر ادا کیا کہ وہ اُس کے دل میں ایک نئی اُمید جگانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

❁ ۞ ❁

وہ بُرج خلیفہ کے سامنے جنگلے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور بے چینی سے اپنی کلائی پہ بندھی خوب صورت سی گھڑی پہ بار بار وقت دیکھ رہی تھی۔ اُس کا ہر انداز ظاہر کررہا تھا کہ وہ بہت شدت سے کسی کا انتظار کررہی ہے۔ آخر دس منٹ اور انتظار کے بعد اُس کی نگاہوں کو قرار ملا جب وہ اُسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اُس کے ہر اُٹھتے قدم کے ساتھ اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہورہی تھیں۔ بلاشبہ وہ دُنیا کے خوب صورت مردوں میں سے تھا۔

"جناب..... نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟" اُسے یک ٹک اپنی طرف تکتا پاکر اُس نے دھیرے سے اُس کے کان میں سرگوشی کی تو اُس نے سٹپٹاتے ہوئے نظریں جھکالیں۔

اُس کے چہرے پہ دھنک رنگ بکھرنے لگے اور وہ اُن رنگوں میں کھونے لگا۔ سفید ٹراؤزر پہ بلیک ٹی شرٹ اور اُس کے اوپر گھٹنوں تک آتا کوٹ پہنے سر پہ بلیک اسکارف لیے وہ باربی ڈول لگ رہی تھی۔

"انوشے..... آئی کانٹ بلیو یار..... کہ تم شرماتی بھی ہو۔ ریلیکس ہوجاؤ پلیز۔"

"آپ جیسے بندے کے سامنے کوئی ریلیکس کیسے رہ سکتا ہے۔" اُس نے اپنا رُخ موڑ کے سمندر کے پانی پہ پڑتی رنگ برنگی روشنیوں کے عکس کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ وہ بھی اُس کے ساتھ جنگلے پہ بازو ٹکاتے ہوئے بُرج خلیفہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرے جیسے بندے سے کیا مُراد ہے تمہاری؟" لہجے سے شرارت جھلک رہی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔

جب دو محبت کرنے والے پاس ہوں تو لفظوں کی ضرورت نہیں رہتی تب نگاہیں بولتی ہیں' دھڑکنیں آپس میں عہد و پیماں باندھتی ہیں' ان کہے جذبے آشکار ہوتے ہیں۔ اُس وقت خاموشی سے زیادہ بامعنی گفتگو کوئی اور ہوتی ہی نہیں۔ اُس نے بہت آہستگی سے جنگلے پہ رکھے اُس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاہ ویز..... مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ آئیں گے لیکن آپ نے آکر میری محبت کو معتبر کردیا' مجھے محبت سے عشق تک کا سفر طے کرنے کے لیے آپ نے اعتبار سونپ دیا، جس کے سہارے میں ساری زندگی آپ کا انتظار کرتے گزار دوں تو کوئی دکھ یا ملال نہیں ہوگا۔"

"انوشے..... یہ بات ٹھیک ہے کہ میں پاکستان سے یہاں صرف تمہارے لیے آیا ہوں لیکن صرف تمہیں سمجھانے کے لیے' تمہاری محبت میں نہیں' ہزار دفعہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میری بات بچپن سے میری کزن سے طے ہے' میرے بڑے اپنی زبان کے بہت پکے ہیں' اُن کے منہ سے نکلی ہر بات پتھر پہ لکیر ہوتی ہے اور یہ سب بھی چھوڑو تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو۔ تمہارے بارے میں' میں ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتا اور....." اُس کی سبز مائل سرمئی آنکھوں سے گرنے والے موتیوں نے اُسے اپنی بات بھی مکمل نہیں کرنے دی۔ وہ اس بن موسم برسات سے ڈسٹرب ہوا تھا۔

"اس لیے اب تم مجھے بھول جاؤ، یہی کہنا ہے ناں آپ کو؟ اور آپ ہر دفعہ مجھے بھولنے کا کیوں کہتے ہیں؟ میں بھی ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں کہ نہیں بھول سکتی میں آپ کو..... میں نے آج تک آپ سے کچھ نہیں مانگا نہ ہی آئندہ کبھی مانگوں گی..... صرف آپ کو چاہنے کا حق میں اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں، یہ حق تو نہ مجھ سے چھینیں پلیز شاہ۔" عجیب التجا تھی، انوکھی خواہش جس پر وہ بند نہیں باندھ سکتا تھا۔ وہ اُس کا ہاتھ چھوڑ کے بنچ کی پشت سے ٹیک لگا کے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھتے ہوئے بولا۔

"عجیب لڑکی ہو، ایک سال سے سمجھا رہا ہوں لیکن تم پہ ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ نجانے کس مٹی سے بنی ہو۔"

"اُسی مٹی سے شاہ جس مٹی سے اللہ نے آپ کو بنایا ہے۔" اُس نے بھیگی پلکوں کے ساتھ شرارت سے کہا۔

ایک حسین مُسکراہٹ نے شاہ ویز کے لبوں کو چھوا، مُسکراہٹ سے اُس کے دائیں گال پہ اُبھرنے والے ڈمپل میں اُس کا دل ڈوبا تھا۔

دسمبر کی لمبی سرد راتیں اُسے ہمیشہ سے ہی ناپسند تھیں۔ ایسی ہی ایک رات تھی جب وقت گزاری کے لیے فیس بک پہ موجود لوگوں کی آئی ڈیز کھول کے دیکھ رہی تھی۔ ان ہی آئی ڈیز میں سے ایک شاہ ویز کی آئی ڈی بھی تھی۔ وہ اُس شخص کی تصویریں دیکھ کے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہوئی تھی۔ اُس نے ریکویسٹ کے آپشن پہ کلک کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا اور کچھ گھنٹوں بعد ہی اُس کی ریکویسٹ ایکسیپٹ کر لی گئی تھی، پھر دھیرے دھیرے وقت گزرنے کے ساتھ اُسے محسوس ہونے لگا کہ اُس شخص کی محبت اُس کے دل میں جگہ بنا رہی ہے، جب اس خوب صورت احساس کا میسج اُس نے شاہ ویز کو سینڈ کیا تو وہ اُسے نظر انداز کرنے لگا۔ وقت کے ساتھ اُس کی محبت کی شدت میں اضافہ ہونے لگا جبکہ شاہ ویز کے نزدیک یہ سب صرف بچپنا تھا۔ وہ اُسے سمجھاتا، میسج کرنے سے منع کرتا لیکن اُس پہ کسی بات کا اثر نہیں ہوتا یوں ہی ایک سال بیت گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

وہ کلاس میں بیٹھ کے سر حافظ کے آنے کا انتظار کر رہے

aanchalpk.com
مغربی اور شرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ نئے اُفق کراچی
شائع ہو گیا ہے
اختتام تک کا سفر اتنا دلچسپ ہے کہ پوری نہیں ایسی کہانیاں آج سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

تھے کہ کلاس کے سی آر نے اطلاع دی۔

"آج سر حافظ نہیں آئے اس لیے لیکچر نہیں ہوگا آپ لوگ جاسکتے ہیں۔" یہ سنتے ہی کچھ اسٹوڈنٹس کلاس سے باہر جانے لگے تو کچھ کلاس میں ہی گروپس کی شکل میں بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔

ضوباریہ بھی ابھی اپنی سیٹ سے اُٹھنے ہی لگی تھی کہ اُس نے سکندر کا بیگ زمین پہ گرتے دیکھا' جسے سکندر نے فوراً ہی اُٹھایا اور اپنے دوستوں کے ہمراہ کلاس سے باہر چلا گیا۔ ضوباریہ کی نظریں اُس ڈائری پہ پڑیں جو سکندر کے بیگ سے نکل کے کرسی کے نیچے چلی گئی تھی۔ ڈائری اُٹھا کے وہ بھی سکندر کے پیچھے کلاس سے باہر نکل آئی۔ وہ ابھی کینٹے کے پاس پہنچی ہی تھی کہ اُس نے سکندر کی کار کو پارکنگ ایریا سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب جاچکے تھے۔ اُس نے وہ ڈائری اپنے بیگ میں رکھی اور اپنا فون نکال کے ڈرائیور کو کال کی کہ وہ اُسے لے جائے۔

رات سوتے وقت اُسے سکندر کی ڈائری کا خیال آیا۔ اُس نے بیگ سے ڈائری نکالی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اُسے کھولا۔ یہ اُس کے محبوب کی ذاتی ڈائری تھی۔ جس میں اُس کے راز محفوظ تھے۔ اُن رازوں کو آج اُس نے اپنے سینے میں دفن کرنا تھا۔ اُس نے ہمت کرتے ہوئے ڈائری کھولی اور پڑھنے لگی۔

"تمہاری محبت ابر کی صورت تب سے مجھ پہ برستی آئی ہے جب میں نے جوانی کی دہلیز پہ قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ بچپن سے ہی میں تمہاری محبت کی پھوار میں بھیگتا رہا ہوں۔ میں جب بھی آنکھیں بند کرتا ہوں تمہارا حسین چہرہ میری آنکھوں میں آٹھہرتا ہے' میرے ہاتھ جب بھی دُعا کو اٹھے تمہارا نام لبوں پہ آٹھہرا۔ بچپن میں تمہاری محبت کا جو بیج میں نے اپنے دل میں بویا تھا وہ اب تناور درخت بن چکا ہے' تمہاری محبت کا راز بھی صرف میرے اور میرے اللہ کے درمیان ہے' یہ ڈائری میری محبت کی گواہی دے گی' جب میں تمہیں پالوں گا تب یہ ڈائری میں تمہیں گفٹ کروں گا۔ میں جانتا ہوں میں یوسف نہیں ہوں' میں سکندر ہوں' لیکن اس دفعہ زُلیخا، سکندر کو مل جائے گی' مجھے میرے رب اور میری محبت پر یقین ہے۔" اُس نے ڈائری بند کرکے ایک طرف رکھ دی اور خاموشی سے اپنی آنکھیں موند لیں۔ اس سے زیادہ پڑھنے کی اُس میں ہمت نہیں تھی۔

❀.....❀.....❀

وہ اس کے ساتھ بے حد خوش تھی۔ اُسے حیرت ہوتی کہ یہ وہ ہی سخت اکڑو سا بندہ ہے جس نے کبھی اُس سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کی تھی۔ اس وقت وہ بہت استحقاق سے اُس کا بازو تھامے صفا پارک کی نرم گھاس پہ اُس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ خوشی اُس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اور آج تو وہ اس وجہ سے بھی خوش تھی کہ کل اُس کے ماں باپ عمرے کی سعادت حاصل کرکے لوٹنے والے تھے۔ وہ شاہ ویز کو اُن سے ملوانا چاہتی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کی زندگی کی کایا پلٹنے والی ہے۔

"شاہ اب بیٹھ جائیں، میں تھک گئی ہوں۔" اُس نے سامنے بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تو اُس نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے قدم اُس طرف موڑ دیے اور پھر جب بنچ پہ بیٹھ کے بھی انوشے نے اُس کا بازو نہ چھوڑا تو شرارت اُس کی خوب صورت بھوری آنکھوں میں چمکی۔

"انوشے....." اُس نے اُسے پکارا تو اُس نے سر اُٹھا کے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یار ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"کیا؟" انوشے نے بھنویں اُچکاتے ہوئے پوچھا۔

"تم ہمیشہ میرا بازو کیوں پکڑے رکھتی ہو، ایسے جیسے میرے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو اور اگر ایسا اندیشہ بھی ہے تو ہو کیا تم مجھے بھاگ جانے سے روک سکتی ہو؟ اور اگر....."

ابھی اُس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ انوشے نے دوسرے ہاتھ کا مُکا بنا کے اُس کے سینے پہ دے مارا۔

"اچھا یہ بتائیں، کل آپ آرہے ہیں ناں مام ڈیڈ سے ملنے؟" اُس نے اُس کے گھورنے پہ جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"کل میری فلائٹ ہے اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتا' کوشش ضرور کروں گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی' آپ آج کی رات ہوٹل میں ٹھہرنے کے بجائے ہمارے گھر ٹھہر جائیں، اس طرح آپ کو آسانی رہے گی، پلیز مان جائیں ناں میں اکیلی نہیں ہوتی' بی بی جان بھی ہوتی ہیں اس لیے اب تو آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" اُس نے اُسے مناتے ہوئے کہا۔

"اوکے..... رات کو دیکھوں گا۔"

"نو..... نو..... ابھی پہلے ہم ہوٹل چلیں گے۔ وہاں سے آپ اپنا سامان لیں گے اور پھر ساتھ ہی گھر چلیں گے۔"

"قسم سے بہت ضدی ہو تم، مجھے لگتا تھا کہ ضد صرف میرے خون میں شامل ہے۔" اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

"ضد بھی تو اُن سے ہی کی جاتی ہے ناں شاہ جی جن پہ مان ہوتا ہے کہ وہ ہماری ضد پوری کر سکتے ہیں۔" اور اُس کے مان پہ خوب صورت سی مُسکراہٹ اُس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

زُلیخا نے حیات ولا کا آہنی مضبوط گیٹ پار کر کے اندر قدم رکھا اور بڑا سا صحن عبور کر کے جب وہ برآمدے میں پہنچی تو اُس نے نازیہ کو سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا۔

"السلام علیکم تائی امی!" اُس کے سلام پہ نازیہ مُسکرائیں۔

"وعلیکم السلام، جیتی رہو۔"

"تائی امی آپ اوپر کیوں جا رہی ہیں، آپ کے گھٹنوں میں پہلے ہی درد رہتا ہے مجھے بتائیں کیا کام ہے، میں کر دیتی ہوں۔" اُس نے پریشانی سے کہا۔

"یوسف رات سے بخار میں تپ رہا ہے اُس کے لیے کھچڑی لے کے جا رہی تھی جا میری دعا یہ کھچڑی لے جا جب وہ کھا لے تو اپنی نگرانی میں دوا بھی کھلا دینا۔ یہ یوسف بھی ناں بچپن کی طرح اب بھی دوا سے دور بھاگتا ہے۔" وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اُن کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر یوسف کے کمرے کی طرف آ گئی۔ اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا' یوسف نے دروازہ کھولا اور سامنے زُلیخا کو کھڑے دیکھ کے مُسکرا دیا۔ یوسف کو اپنی طرف دیکھتا پا کر حیا سے اُس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ اُسے شہر سے آئے تین دن ہو گئے تھے اور زُلیخا آج ملنے آئی تھی اس لیے اُس نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے طنزیہ کہا۔

"آج وقت مل گیا جناب کو آنے کا۔"

"تائی امی کہہ رہی تھیں یہ کھچڑی کھا لیں تا کہ پھر میں اپنی نگرانی میں آپ کو دوا کھلا سکوں۔" اُس نے اُس کی بات نظر انداز کر کے نازیہ کا پیغام اسے پہنچایا۔ یوسف نے اُس کا ہاتھ تھام کے اپنے ساتھ بیڈ پہ بٹھایا اور پلیٹ پکڑ کے اُس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے بولا۔

"دوا کیا زہر بھی کھا لوں گا مگر شرط یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ۔"

"کوئی آ جائے گا یوسف۔" اُس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"آنے دو..... زُلیخا، یوسف کی تیمارداری نہیں کرے گی تو پھر کون کرے گا؟" آنکھوں میں شرارت لیے کہا۔

زُلیخا کو اس کی بات ماننا ہی پڑی۔ اس دوران یوسف کی شوخ آنکھیں زُلیخا کے چہرے پہ دھنک رنگ بکھیرنے لگیں۔ اس منظر نے کمرے کے باہر دروازے کی اوٹ میں کھڑے وجود کے چہرے پہ حسد اور جلن کے رنگ بکھیر دیے تھے۔ وہ خاموشی کے ساتھ واپس پلٹ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

شام کے وقت ہوسٹل کی وارڈن نے اُس کے گھر سے کسی کے آنے کی اطلاع دی تو وہ تقریباً بھاگتی ہوئی وزیٹنگ روم کی طرف آئی۔ ایک تو بھاگ کے آنے کی وجہ سے پہلے ہی سانس پھول رہا تھا اور اوپر سے سامنے بیٹھے احسن کو دیکھ کے کمبخت دل اور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُسے دیکھتے ہوئے احسن نے شوخ لہجے میں کہا۔

"جیہ..... بیٹھ جاؤ اس سے پہلے کہ تم زمین بوس ہو جاؤ۔" وہ شرمندہ ہوتے اُس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"کل بابا جان نے فون کیا تھا کہ بھیجوں خان چچا کو لینے کے لیے، دل تو میرا بہت کر رہا تھا گاؤں جانے کا۔ سب بہت یاد آ رہے تھے لیکن کل میرا ضروری ٹیسٹ ہے اس لیے میں نے انکار کر دیا اور اب صبح سے منہ لٹکائے بیٹھی تھی کہ وارڈن نے اطلاع دی تمہارے گھر سے کوئی آیا ہے، میں سمجھی لالہ آیا ہوگا اس لیے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔"

"ہاں مجھے پتا ہے تمہیں بھاگنے کی ویسے بھی بیماری ہے۔"

"امی جان' بابا جان اور باقی سب ٹھیک ہیں؟" اُس نے گھر والوں کی خیریت دریافت کی۔

"ہاں، الحمدُ للہ سب ٹھیک ہیں۔ یہ تمہارے لیے۔" وہ ایک چھوٹا سا گفٹ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ اُس میں ڈائمنڈ اسٹون والا نیکلس چمک رہا تھا جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ماشاءاللہ یہ تو بہت خوب صورت ہے۔"

"ہاں لیکن تم سے زیادہ نہیں۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔
وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ الوداعی مُسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھا تو جواباً وہ سر کو خم دیتے ہوئے چلا گیا۔ ہزاروں سپنے پلکوں پہ سجائے وہ اپنے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ شاہ ویز کے ساتھ اپنے فلیٹ میں آئی۔ اُس نے دیکھا تو دروازہ مقفل تھا۔ اس کا مطلب بی بی جان باہر گئی ہوئی ہیں۔ اُس نے اپنے ہینڈ بیگ سے چابیاں نکالیں اور دروازہ کھولا۔ شاہ ویز نے انوشے کے ساتھ ابھی اُن کے خوب صورت فلیٹ میں قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے دیوار پہ لگی تصویر نے اُسے اپنی جگہ پہ ہی ٹھٹھک جانے پر مجبور کردیا۔ وہ حیرت سے بنا پلکیں جھپکائے یک ٹک اُس تصویر کو تکے جارہا تھا۔
"شاہ کیا ہوا؟" اُس کے چہرے سے اس وقت اُس کے درد کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ اس لیے انوشے نے اُس کے بازو پہ ہاتھ رکھتے پوچھا تو وہ جیسے ہوش میں آیا۔ تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس نے پوچھا۔
"یہ کون ہیں؟"
"یہ میرے مام ڈیڈ ہیں۔"
"تو پھر وہ کون تھے جن کی تصویر تم نے مجھے سینڈ کی تھی؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ میرے رئیل ڈیڈ ہیں' اُن کی ڈیتھ کے بعد مام نے ان سے شادی کرلی' میرے یہ ڈیڈ بھی بہت اچھے ہیں۔ مجھے اشعر اور ہالے سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں۔" اُس نے اپنے طور اُسے معلومات فراہم کی لیکن اگلے ہی پل شاہ ویز نے اُسے بازو سے پکڑ کے بے دردی سے دھکیلتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔
"اس شخص نے پہلے میری ماں کو مارا تھا اور اب مجھے مروانے کے لیے بہت خوب صورتی سے اُس نے تمہارا استعمال کیا....."
"میرا بازو چھوڑیں شاہ..... پاگل ہوگئے ہیں آپ، کیا بول رہے ہیں میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اور اگلے ہی لمحے شاہ ویز کے ہاتھ نے اُس کے نازک سے گال پہ اپنا نقش چھوڑ دیا۔ درد کے مارے آنسو بہہ نکلے۔ آج تک اُس کے ماں باپ نے اُسے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔
"زبان بند رکھو اپنی، ایک لفظ بھی نہیں..... جو تم نے میرے ساتھ کیا اس کی سزا تمہیں بھگتنا پڑے گی اور اپنے باپ سے کہہ دینا، ضروری نہیں کہ ہر دفعہ آپ کا کھیل کامیاب ہو اس دفعہ مقابل شاہ ویز حیات خان ہے۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے اُسے ایک طرف دھکیلا۔ دیوار سے اُس کا سر ٹکرایا اور اُسی وقت آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ زمین پر گر گئی۔ شاہ ویز نے اُسے نظر انداز کرکے ٹیبل پہ پڑا ڈیکوریشن پیس اُٹھا کے دیوار پہ لگی تصویر پہ دے مارا۔ اُس کا شیشہ چکنا چور ہوکر فرش مین پہ بکھر گیا اور وہ اپنا بیگ گھسیٹتے ہوئے فلیٹ سے باہر نکل آگیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ایک نسبتاً سُنسان گوشے میں بیٹھ کے نظریں سامنے سمندر کے پانی پہ مرکوز کردیں اور ماضی کے باب کھلتے چلے گئے۔
اُس نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو اپنی شفیق اور مہربان بی بی جان اور آغا جان کے سایہ شفقت تلے پایا۔ یہ ہی اُس کے لیے ماں اور باپ تھے۔ شعور کی منزل تک پہنچتے ہوئے اس نے اپنے باپ کی حقیقت جان لی تھی کہ اُس کے باپ نے اُس کی ماں کے کردار پہ شک کرتے ہوئے دودھ کے گلاس میں زہر گھول کے پلا دیا تھا۔ اُس کے بعد اُس کے باپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گاؤں بدر کردیا گیا۔ پھر اکثر وہ تنہائی میں رات کے اندھیرے میں اپنی ماں کو یاد کرکے دھاڑیں مار مار کے روتا تھا۔ گھنٹوں اپنی ماں کی قبر پہ جا کر بیٹھا رہتا۔ اُسے پھر بھی چین نہ ملتا تو وہ اپنے تایا جان جو عرصہ پہلے گاؤں چھوڑ کے شہر جا بسے تھے اُن کے پاس چلا جاتا اور اُن کے کشادہ سینے سے لگ کے وہ ہمیشہ پُرسکون ہو جایا کرتا تھا۔ تایا اسے بی بی جان اور آغا جان کا خیال رکھنے کا کہا کرتے تو وہ جواب میں اُن کو گاؤں واپس آنے کا کہتا لیکن وہ اُسے ٹال دیا کرتے تھے۔ وہ اُسے اُس کی ماں کی بچپن کی باتیں سُنایا کرتے تو وہ بہل جایا کرتا تھا۔ وہ بچپن سے ہی سنجیدہ مزاج تھا۔ غصہ ہر وقت اُس کی ناک پہ دھرا رہتا' اُس نے اپنے گرد تنہائی کا ایک خول بنا لیا تھا۔ حالانکہ وہ گاؤں کی کئی لڑکیوں کے دل کی دھڑکن تھا۔ اسی طرح یونیورسٹی میں بھی کئی لڑکیاں اس پہ مرتی تھیں لیکن وہ انجان بنا رہتا۔
ایک دن اُسے بی بی جان نے بتایا کہ اُس کی نسبت بچپن سے آغا جان کے دوست کی پوتی نور بانو سے طے ہے۔ کئی

سال گزرنے کے باوجود وہ اپنے دل میں نور بانو کے لیے کوئی احساس پیدا نہیں کر سکا تھا۔ جب سے اُسے بی بی جان نے بتایا تھا نور بانو کو دیکھتے ہی اُسے نجانے کیوں غصہ آجاتا تھا۔ پھر ایک دن اُسے انوشے کی ریکوئسٹ اور میسج ملے جس میں اُس نے ریکوئسٹ ایکسیپٹ کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے ڈھیر سارے میسج ملنے پر اسے اگنور کرتا اس پر غصہ کرتا لیکن وہ پھر بھی میسج کرتی رہتی تو اُسے سمجھاتا' وہ کچھ نہ سمجھتی اُلٹا اُسے کہتی آپ دو منٹ مجھ سے پیار سے بات کرلیں گے تو آپ کا کیا جائے گا اور وہ زچ ہو جایا کرتا تھا۔ یوں ہی وقت گزرتا رہا۔ اُس کے لیے اُس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس لیے جب انوشے نے اُسے دُبئی آنے کے لیے کہا تو وہ انکار نہ کر سکا۔ وہ بھول گیا کہ اُس کی کسی نور بانو سے نسبت طے ہے۔ وہ اُس سے بارہ سال چھوٹی ہونے کے باوجود اُس کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ پھر وہ اُس کے کہنے پہ ایک ہفتے کے لیے رُک گیا۔ یہ ایک ہفتہ اُس کے لیے بہت خاص تھا وہ جان بوجھ کے اُسے تنگ کرتا اور جواباً جب وہ مصنوعی غصہ اپنے چہرے پہ سجایا کرتی تو وہ اُس کی اس ادا پہ فدا ہو جایا کرتا تھا۔

اُس نے خود کو زندگی میں پہلی دفعہ اتنا خوش محسوس کیا تھا لیکن اُس کی خوشیوں کو ان دیکھی نظر لگ گئی۔ انوشے کے گھر اپنے باپ کی تصویر اُس کی دوسری بیوی کے ساتھ لگی دیکھ کے اُس کے اندر کا سارا درد اُس کے چہرے پر در آیا تھا۔ اُس کا باپ جو اُس کی ماں کا قاتل تھا، سب کو سولی پہ لٹکا کے خود اپنی بیوی بچوں کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا تھا۔ جسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اُس کا کوئی شاہ ویز نامی بیٹا بھی ہے۔ وہ انوشے پہ ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہتا تھا لیکن وہ خود پہ قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ اُسے یہ بات ہی ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اپنے سے بارہ سال چھوٹی لڑکی کے ہاتھوں بہت خوب صورتی سے پاگل بن چکا ہے۔ اُس کی خوب صورت بھوری آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کے اُس کی قمیص میں جذب ہو گئے تھے۔

اگر یہ جاننا چاہو
کوئی کیسے بکھرتا ہے
تو میرے پاس آجانا
میرا دیدار کر لینا
خبر یہ ہو ہی جائے گی
کوئی کیسے بکھرتا ہے

وہ اٹھائیس سالہ جوان مرد آج ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کو روک نہیں پا رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اُس کے دل پہ بے دردی سے وار کیا ہو۔ رات گزرتی رہی اور وہ ٹوٹتا رہا۔ آخر صبح نے اپنے پر پھیلا ہی دیے۔ وہ اُٹھا اپنا بیگ اُٹھایا اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

پاکستان پہنچ کر گاؤں جانے کے بجائے شہر اپنے تایا جان کے پاس آگیا اور پھر اُن کے سینے سے لگ کے آنسوؤں کے درمیان اُس نے اپنا ہر درد کہہ ڈالا۔ اُنہوں نے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تالاب کے اندر پتھر پھینکیں تو اس کے پانی میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا ہے مگر سمندر ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے ظرف والا ایک سخت بات سن کے بھڑک اُٹھتا ہے مگر بڑے ظرف والے کے اوپر طوفان گزر جائیں تب بھی اُس کا سکون رخصت نہیں ہوتا۔" اُنہوں نے اُسے احساس دلائے بغیر ایک بہت بڑی بات اُسے سمجھا دی تھی۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ اُنہوں نے غصہ میں قابو سے باہر ہونے اور انوشے پہ ہاتھ اُٹھانے پہ اُسے یہ بات کہی ہے۔ اُسے خاموش دیکھ کے وہ پھر بولے۔

"شاہ ویز..... اللہ سے اپنے لیے دُعا مانگا کرو۔ اللہ تمہیں سکون عطا کرے گا۔"

"تایا جان میرا نہیں دل کرتا۔"

"نہ میری جان..... دُعا ضرور مانگنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ 'جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اُس سے ناراض رہتے ہیں' اور ویسے بھی دُعا تو روح اور آرزو کی ہم آہنگی کا نام ہے، دینے اور لینے والے کے مابین ایک ایسے لمحے کی تخلیق کا پیش لفظ ہے جس میں خواہشوں کی تکمیل کی آرزو موجزن رہتی ہے۔ دُعا نہ مانگنے والے ہاتھ ریگستان کی طرح خالی رہتے ہیں جن پر پانی کی ایک بوند برسائے بغیر بادل تیزی سے گزر جاتے ہیں۔" اُنہوں نے اُسے قائل کرتے ہوئے دُعا کی اہمیت بتائی۔

"اب مانگا کروں گا۔" ہمیشہ کی طرح اُن کی بات مانتے ہوئے اُس نے کہا۔

"شاہ ویز سنبھالو خود کو تم میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور

میرے دل کا قرار ہو پتر۔ تمہیں اس حال میں دیکھ کے میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اللہ میرے حصے کی خوشیاں بھی تمہاری جھولی میں ڈال دے۔ اللہ میری زندگی بھی تمہیں دے دے۔" اُنہوں نے ابھی کہا ہی تھا کہ وہ تڑپ کے اُن کی گود سے سر اُٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں اُن کا چہرہ تھامتے ہوئے بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ تایا جان؟ اللہ آپ کو لمبی اور صحت والی زندگی دے۔ آپ کو اگر کچھ ہو گیا تو میں کہاں زندہ رہ پاؤں گا۔" اُنہوں نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ساری رات آنکھوں میں کاٹ کے اگلے دن وہ یونیورسٹی چلی آئی۔ ابھی وہ پارکنگ ایریا سے گزر رہی تھی کہ اُس نے سکندر کو بھی اپنی کار سے نکلتے ہوئے دیکھا..... وہ اُس کے پاس چلی آئی۔

"ایکسکیوزمی..... یہ آپ کی ڈائری آپ کے بیگ سے گر گئی تھی۔ میں یہ واپس کرنے کے لیے کل آپ کے پیچھے بھی آئی تھی لیکن آپ تب تک جا چکے تھے۔" اُس نے ڈائری اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ سکندر اپنی اتنی بڑی غلطی پہ خود کو سرزنش کرتے ڈائری اُس سے لیتے ہوئے بولا۔

"شکریہ..... یہ میرے لیے بہت قیمتی ہے اور مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ یہ کھو گئی ہے۔" اُس نے بس مسکرانے پہ اکتفا کیا اور کلاس کی طرف چل دی۔

سکندر کو شرمندگی کے احساس نے گھیر لیا۔ وہ یونیورسٹی کے پہلے دن سے ہی اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کا واضح پیغام دیکھتا آیا تھا اور اب اُس کی حالت دیکھ کے وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ اُس نے یہ ڈائری پڑھ لی ہے۔ وہ اُدھر ہی پارکنگ ایریا میں کھڑا آسمان کی طرف منہ کرتے ہوئے، دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب ہوا۔

"اے اللہ کسی کی تکلیف کی وجہ میری ذات کو نہ بنانا پلیز اللہ، اُس کے دل سے میری محبت نکال کے اُسے سکون عطا کر دے اور اُس کی زندگی میں مجھ سے بہتر ساتھی شامل کر دے جس کے دل میں اُس کے لیے بے پناہ محبت ہو، پلیز اللہ میری دُعا ضرور قبول کرنا۔"

❁.....❁.....❁

رمیز، شہباز ولا کی چھت پہ کھڑا تھا کہ اُس نے زُلیخا کو حیات ولا سے نکلتے دیکھا تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ زُلیخا کو آتے دیکھ کے نازیہ نے اُسے آواز دی۔

"زُلیخا۔ جاؤ ذرا دھوپ میں یہ کپڑے ڈال آؤ۔" اُنہوں نے صحن میں رکھی بالٹی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تابعداری سے بالٹی اُٹھا کے سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آ گئی۔

"زُلیخا....." اپنا نام پکارے جانے پہ وہ پلٹی اور اپنے پیچھے رمیز کو کھڑے دیکھ کے اُس کا دل کانپا۔ نجانے اُس کی آنکھوں میں ایسا کیا تھا کہ اُس کی طرف دیکھ کر ہی خوف محسوس ہوتا تھا۔

"جی....."

"تمہارے چکر حیات ولا کی طرف کچھ زیادہ نہیں لگنے لگے؟"

"آپ کو حیات ولا سے کوئی خاص مسئلہ ہے کیا؟"

"جو بھی ہے..... زُلیخا نام رکھنے سے یوسف نہیں ملا کرتا۔ یہ بات ذہن میں بٹھا لو تو تمہارے لیے اچھا ہے۔ اب تم مجھے حیات ولا کے گرد منڈلاتی نظر نہ آؤ۔" وہ عجیب سی نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے وہاں سے چلا گیا اور وہ اُس کی باتوں پہ جھرجھری لے کے رہ گئی۔ اُس کے دل سے صدا نکلی۔

"اے اللہ اگر یوسف زُلیخا کو نہ ملا تو وہ جیتے جی مر جائے گی۔"

❁.....❁.....❁

بیڈ پہ لیٹی خالی نظروں سے چھت کو تک رہی تھی کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو سر پہ لگنے والی چوٹ شدید تھی، لیکن اُس سے شدید وہ چوٹ تھی جو روح کو لگی تھی۔ یہ گھاؤ تو کچھ دنوں تک ٹھیک ہو جائے گا لیکن روح کا گھاؤ نجانے کبھی ٹھیک بھی ہو پائے گا یا نہیں۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ کسی نے اُس کے بہتے آنسوؤں کو اپنی پوروں پہ چُن لیا۔ اُس نے اپنے پاس بیٹھے وجود کی طرف دیکھا۔ اُس کو اپنی طرف تکتا پا کے اُنہوں نے اُس کے سُنہری بالوں میں دھیرے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا۔

"انوشے..... کیا ہوا تھا؟ کس نے گھر میں توڑ پھوڑ کی اور میری بیٹی کا یہ حال کیا؟" آہ کیا پوچھ لیا تھا اُنہوں نے۔ وہ منظر پھر اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اُسے ایسے لگا جیسے کسی نے آری سے اُس کے دل پہ وار کیا ہو۔

"پتا نہیں ڈیڈ..... وہ کوئی نان مسلم لگ رہا تھا۔ جو نشے

میں تھا۔ جب میں فلیٹ کا لاک کھول کے اندر داخل ہونے لگی تو وہ بھی نجانے کہاں سے میرے پیچھے آ گیا۔ میں نے روکنے کی کوشش کی تو اُس نے مجھے اندر گھسیٹ کے دھکا دیا میرا سر صوفہ سے جا ٹکرایا۔ اُس کے بعد میں بے ہوش ہوگئی تھی۔" وہ سچ بتانا چاہتی تھی لیکن نجانے کیوں وہ بتا نہیں پائی تھی۔

❁.....❁.....❁

شاہ ویز کی جیپ گاؤں کے کچے راستے پہ فراٹے بھر رہی تھی۔ اُسے شہر سے واپس آتے ہوئے کافی رات ہوگئی تھی۔ بی بی جان اُس کے رات کے وقت باہر رہنے پہ پریشان رہتیں اور جب تک وہ گھر نہیں پہنچ جاتا تب تک وہ برآمدے میں بیٹھ کے اُس کی سلامتی کے لیے دعا کرتی رہتیں۔ اس لیے وہ کافی تیزی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ اچانک اُس کی جیپ جھٹکا کھا کے رُک گئی۔ وہ جیپ سے ابھی اُترا ہی تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں سے کسی نے پستول کا رُخ اُس کی طرف کر کے نشانہ باندھتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ فضا میں گولی چلنے کی آواز گونجی تھی۔

❁.....❁.....❁

دوسرا باب
ذالک الکتاب
(وہ بلند رُتبہ کتاب)

عین اُسی لمحے شاہ ویز جیپ کا ٹائر چیک کرنے کے لیے نیچے ہوتا ہے اور گولی بنا اُسے چھوئے اُس کے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ اُس نے سامنے درخت کے تنے میں پیوست ہوتی گولی دیکھی تو اُسی وقت وہ جیپ سے اپنی گن اُٹھا کے اُسی سمت بھاگا جدھر سے فائر کیا گیا تھا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا فرار ہو چکا تھا۔ اُس نے جیپ کا ٹائر جو پنکچر تھا تبدیل کیا اور حویلی کی راہ لی۔ حسبِ معمول بی بی جان برآمدے میں بیٹھیں اُس کی راہ تک رہی تھیں۔ اُنہوں نے اُسے دیکھ کے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"شکر اُس سوہنے رب کا کہ تم خیریت سے پہنچ گئے پتا نہیں کیوں آج شام سے ہی میرا دل ہول رہا تھا۔ میں تو تب سے اللہ سے تمہاری سلامتی کے لیے دُعا کر رہی تھی۔" بی بی جان نے اُس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

وہ سوچنے لگا، نجانے ماؤں کو کیسے پتا چل جاتا ہے جب اولاد پہ کوئی مصیبت آنی ہو۔ آج وہ صحیح سلامت گھر آ گیا تھا تو اس وجہ سے کہ اُس کے پیچھے اس ہستی کی دعائیں جو اُس کے لیے ماں سے بڑھ کے تھی۔ وہ اُن سے لپٹا رہا۔

"شاہ ویز پُتر تم ٹھیک تو ہو ناں؟" بی بی جان نے پریشانی سے پوچھا۔

"جی بی بی جان، بس تھک گیا ہوں۔ آغا جان سو گئے کیا؟" اُس نے اُنہیں مطمئن کرتے پوچھا۔

"ہاں سو گئے..... آج سارا دن باہر ہی رہے" کہہ رہے تھے شاہ ویز گاؤں میں لڑکیوں کے لیے کالج بنانا چاہتا ہے۔ ویسے پُتر بہت چنگا فیصلہ کیا ہے تم نے۔" بی بی جان نے اُس کے کالج بنانے کے فیصلے کو سراہتے ہوئے کہا۔

"جی بی بی جان، لڑکیوں کے لیے بھی تعلیم اُتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ لڑکوں کے لیے۔ چلیں میں صبح مل لوں گا آغا جان سے اب آپ بھی سو جائیں۔"

"تم نے بھوکے پیٹ ہی سونا ہے کیا؟" بی بی جان خفگی سے بولیں۔

"نہیں بی بی جان..... بھوک نہیں ہے۔ شام کو تایا جان کے گھر سے کھا کے ہی نکلا تھا۔ آپ کو سب سلام کہہ رہے تھے۔"

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہیں۔ تمہارے تایا جان ٹھیک تھے؟"

"جی سب ٹھیک تھے۔ باقی باتیں صبح پوچھ لیجیے گا۔ بارہ بج گئے ہیں سو جائیں اب۔" شاہ ویز اُن کو بازو سے پکڑ کے اُٹھاتے ہوئے بولا۔

بی بی جان اُس کے ماتھے پہ بوسہ دے کے اپنے کمرے کی جانب چلی گئیں اور شاہ ویز اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا یہ سوچتے ہوئے کہ اس پر گولی چلائی کس نے تھی۔

❁.....❁.....❁

سکندر کی ڈائری پڑھنے کے بعد اُس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ حتیٰ کہ اللہ کی بارگاہ میں شکایت کا ایک لفظ بھی زُبان پہ نہیں لائی تھی۔ اسی طرح خاموشی سے ایک سال اور بیت گیا اور پانچواں سمسٹر بھی شروع ہوگیا تھا۔ آج اُن کا مینجمنٹ کا فرسٹ لیکچر تھا۔ یوں ہی باتوں میں ساری کلاس سر کا انتظار کر رہی تھی اور سب دُعائیں مانگ رہے تھے کہ آنے والے سر نرم دل اور ہر بات آسانی سے مان لینے والے ہوں۔ ان کی دُعائیں آخر قبول ہو ہی گئی تھیں۔

سرروف نے کلاس میں قدم رکھا تو مُسکراہٹ اُن کے لبوں پہ سجی ہوئی تھی۔ جس نے کلاس میں بیٹھے سب اسٹوڈنٹس کو تقویت بخشی۔ وہ اپنا اور اپنے مضمون کا تعارف کروانے کے بعد بولے۔

''جو بھی کلاس میں پڑھائی کے حوالے سے ٹینشن میں نظر آیا تو ہم اُسے کلاس سے باہر نکال دیں گے۔ آپ لوگ ریلیکس ہو کر کلاس میں آؤ۔ اگر دیر ہوگئی ہے تو کوئی بات نہیں، اجازت لینے کے بجائے سیدھا اندر آجاؤ۔ باتیں کیا کریں گے۔ بس اُس کے دوران پندرہ منٹ کی پڑھائی کی بریک لے لیا کریں گے اور اینڈ پہ ایک اچھی بات بھی ڈسکس کریں گے۔'' اُن کے کہنے کی دیر تھی کہ ساری کلاس یک جان ہو کے بولی۔

''یس سر۔'' پچالیس منٹ گزر گئے۔ سرروف نے سر اُٹھا کر وال کلاک کو دیکھا۔ کلاس آف ہونے میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔

''چلو بھئی، آج کی اچھی بات۔ ہم ایک بہت ہی خاص ہستی کا ذکر کریں گے۔ ہم خود سے بھی اتنی محبت نہیں کرتے۔ جتنی محبت وہ ہستی ہم سے کرتی ہے..... جانتے ہو وہ ہستی کون ہے؟'' اُنہوں نے پوچھا تو ساری کلاس بولی۔

''اللہ تعالیٰ۔''

''واہ بھئی آپ لوگ تو بہت سمجھدار ہو۔ پھر تو آپ لوگوں کو اُن باتوں کا بھی پتا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پہ ایمان والوں کو مُخاطب کر کے کہی ہیں؟'' ساری کلاس خاموش رہی۔ غالباً کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''آپ لوگ قرآن پاک پڑھتے ہو؟ یاد رہے یہاں پڑھنے سے مُراد تلاوت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اُسے سمجھ کے پڑھنا غور و فکر کرنا..... یہ دیکھنا کہ ہمیں بتایا کیا جارہا ہے۔'' اب ساری کلاس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

''کیا آپ کا دل نہیں کرتا اس بُلند رُتبہ کتاب پڑھنے کو جس میں کوئی شک نہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ہمارے لیے نازل کی اور جسے کبھی ہم نے کھول کے پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اگر کبھی کھول ہی لیں تو بس عربی پڑھ کے کام ختم کرتے ہیں۔'' وہ خاموش ہوگئے..... ساری کلاس خاموشی سے شرمندگی کا احساس لیے اُن کی بات سُن رہی تھی۔ سرروف نے اپنے دھیمے لہجے میں بات جاری رکھی۔

''جس میں اللہ نے بہت ساری باتیں ہمیں ڈائریکٹ مُخاطب کر کے کہی ہیں..... کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ ان باتوں کو جانیں..... 'یاایھا الذین امنوا' لے لو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ تو 'یاایھا الذین امنو' نہیں لکھا بہت سی جگہوں پہ اللہ نے 'یاایھا الناس' لکھا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے انسانوں سے مُخاطب ہے اور پھر کچھ باتیں اللہ نے صرف 'یاایھا الذین' یعنی ہمیں ایمان والوں کو مُخاطب کر کے کہی ہیں لیکن افسوس کہ ہم نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ ایسی کون سی خاص باتیں ہیں جو ہمیں مُخاطب کر کے کہی گئی ہیں۔ اگر آپ لوگ قرآن غور و فکر کے ساتھ نہیں پڑھتے تو اب پڑھ کے دیکھیے گا یقین جانیے بہت سکون ملتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ صرف ہمارے لیے لکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے بات کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور غلط بتا رہے ہیں۔ اچھے اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا مثالیں دے دے کے ایک ایک بات سمجھا رہے ہیں۔ یقین مانیے جب دُنیا میں کوئی انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس انسان سے اتنا خوش ہوتے ہیں کہ ساتوں آسمانوں پہ چراغاں کرواتے ہیں۔ حتیٰ کہ فرشتوں کی محفل میں اُس انسان کا ذکر کرتے ہیں۔ چلو بھئی پھر کروار ہے ہو۔ فرشتوں کی محفل میں اپنا ذکر؟'' جب تک سر بولتے رہے اُن کے لفظوں کا سحر ساری کلاس پہ چھایا رہا اور جب اُنہوں نے بات ختم کر کے سب سے پوچھا تو تب یہ سحر ٹوٹا۔ سب پھر یک جان ہو کر بولے۔

''یس سر۔'' یونیورسٹی سے واپسی تک سر کی باتیں اُن کے ذہن سے محو ہو چکی تھیں۔ سوائے سکندر اور ضوباریہ کے۔ ضوباریہ ہر روز بے صبری سے سرروف کے لیکچرز کا انتظار کرتی تھی کیونکہ..... سرروف بہت زندہ دل انسان تھے۔ جو ہمیشہ اپنے لبوں پہ مُسکراہٹ سجائے رکھتے اور دوسروں کے لبوں پہ بھی مُسکراہٹ بکھیرنا نہیں آتا تھا۔ اُن کے مُطابق زندگی کا دُکھوں اور غموں سے پُرانا ساتھ ہے۔ تو پھر بہتر نہیں کہ سب کچھ پس پُشت ڈال کے تھوڑی سی زندگی جو رہ گئی ہے وہ کھل کے زندہ دلی کے ساتھ گزاری جائے۔ مُسکراتے، قہقہے لگاتے، محبتیں بکھیرتے، محبتیں سمیٹتے اور اپنے فرائض کو پوری ایمان داری سے سرانجام دیتے تھے۔

''اگر آپ ایسا کرلو تو پھر دُنیا کی سب سے قیمتی چیز جسے سکون کہتے ہیں وہ آپ کے پاس وافر مقدار میں ہوگا.....

آپ زندگی کو جینا سیکھ لیں گے۔ جو اللہ نے دیا اُس کا شکر ادا کر کے..... جو نہیں دیا اُس کا بھی شکر ادا کر کے۔"

❁.....❁.....❁

وہ ابھی تک اُس کے رویے کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے اتنی اپنائیت دے کے ایسا کیوں کیا؟ اُسے لگتا کہ اُس نے جھوٹ کہا ہے۔ کیا بابا جیسے اچھے انسان کسی کو مار سکتے ہیں؟ وہ بھی شاہ ویز کی مما کو؟ شاہ ویز کا اُس کے بابا سے کیا رشتہ ہو سکتا ہے؟ وہ اپنے بابا سے پوچھنا چاہتی تھی، اُن کو سچ بتانا چاہتی تھی لیکن نجانے کیوں الفاظ اُس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے اور شاہ ویز بھی تو بنا کچھ بتائے چلا گیا تھا۔ شاہ ویز سے ساری بات کرنے کے لیے اُس نے اُسے فیس بک پہ میسج کیا لیکن اُس نے جواب دینے کے بجائے اُسے بلاک کر دیا تھا۔ وہ تکیے میں منہ چھپا کے سسکنے لگی۔

جب ہی اُس کے کمرے کا دروازہ بجا تو اُس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور سوتی بن گئی لیکن اُس کے دونوں بہن بھائیوں نے آ کر ہلہ بول دیا اور اُسے باہر جانے کے لیے تنگ کرنے لگے۔

"اشعر ہالے..... میں کہہ رہی ہوں ناں مجھے اکیلا چھوڑ دو میرا نہیں دل کر رہا کہیں بھی جانے کو۔" اُس نے اپنا چہرہ دوبارہ کمبل کے اندر کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں جانا..... کوئی وجہ بھی تو ہو؟" چودہ سالہ اشعر نے دوبارہ اُس کے چہرے سے کمبل ہٹاتے ہوئے کہا تو بارہ سالہ ہالے بھی بولی۔

"تو اور کیا بجو..... جب سے ہم ٹور سے واپس آئے ہیں نہ ہی تو آپ ہمارے ساتھ بیٹھتی ہیں نہ ہی کوئی بات کرتی ہیں۔" اُس نے بے بسی سے دونوں کی طرف دیکھا اور اُسے اپنی طرف تکتا پا کے اشعر دوبارہ بولا۔

"ٹھیک ہے نہ تو آپ ہمارے ساتھ باہر جانا چاہتی ہیں اور نہ ہی آپ ہماری کمپنی چاہتی ہیں..... اُف او کے ہم چلے جاتے ہیں۔" وہ کہہ کے بیڈ سے نیچے اُترنے لگا۔ انوشے نے اُس کا بازو پکڑ لیا اور اٹھتے ہوئے بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کے بولی۔

"اشو..... سچ میں میرا کہیں باہر جانے کو دل نہیں کر رہا۔ ہالے جاؤ۔ مما سے کافی اور سنیکس کا بول کر آؤ۔ ہم ساتھ میں کافی پئیں گے اور باتیں کریں گے۔" ہالے اشعر کے ساتھ مل کے اپنے ٹور کی باتیں سنانے لگی۔ انوشے ان کی باتوں سے کافی حد تک بہل گئی تھی۔

جب مما اُن کے لیے کافی اور سنیکس لے کر آئیں تو تینوں کو پہلے کی طرح ہنستے، قہقہے لگاتے دیکھ کے اُنہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"چودھری صاحب کچھ پتا چلا کہ رات کو کس نے چھوٹے صاحب پہ گولی چلائی تھی؟" چودھری صاحب کے خاص اور وفادار ملازم فضلو نے اُن سے ذرا ایک قدم پیچھے مؤدب انداز میں ہاتھ باندھ کے چلتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"چودھری صاحب رات کے دوسرے پہر ڈیرے کے مخالف سمت گولی چلنے کی آواز سنی گئی تھی۔ سننے میں آیا ہے رات کو چھوٹے صاحب اسی راستے سے گاؤں کی طرف آ رہے تھے اور....." سامنے سے آتے شاہ ویز کو دیکھتے ہوئے فضلو نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اُس کے قریب پہنچتے ہی اُنہوں نے اپنے رعب دار لہجے میں اُس سے پوچھا۔

"شاہ ویز..... رات کو کیا ہوا تھا؟"

"آغا جان..... آئیں بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" وہ اُنہیں لیے ڈیرے کی طرف چل دیا' کیکر کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے اُس نے آہستگی سے بات شروع کی۔

"رات کو مجھے شہر سے آتے ہوئے دیر ہو گئی تھی۔ اس لیے میں فل اسپیڈ سے جیپ چلا رہا تھا۔ گاؤں کی کچی سنسان سڑک پہ آتے ہی میری جیپ جھٹکا کھا کے رُک گئی۔ میں خرابی چیک کرنے کے لیے باہر نکلا تو درختوں کے جھنڈ میں سے کسی نے نشانہ باندھ کے گولی چلائی مگر اُس کا نشانہ خطاء ہو گیا اور میں نے پھر اُس کا پیچھا بھی کیا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا فرار ہو چکا تھا۔ میں ابھی اُسی طرف سے ہو کے آ رہا ہوں۔ کسی نے جان بوجھ کے راستے میں پتھر اور نوک دار چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ مطلب جو کوئی بھی تھا وہ بہت دنوں سے میرا پیچھا کر رہا تھا جسے خبر تھی کہ میں اس پہر اس راستے سے گزروں گا۔"

"اور تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی؟" اُنہوں نے غصے سے پوچھا۔

''آغا جان میں نے آپ کی نیند خراب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔'' آغا جان سے اپنا غصہ ضبط نہیں ہو رہا تھا اُنہوں نے اُٹھ کے ٹہلنا شروع کر دیا۔

''ہمارے دُشمن اس حد تک پہنچ گئے کہ وہ تمہیں جان سے مارنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔''

''آغا جان..... چھپ کے وار کرنا بزدلوں کی نشانی ہے۔ ایسے بُزدلوں کو سبق سکھانا مجھے بہت اچھی طرح سے آتا ہے آپ فکر نہ کریں۔''

''شاہ ویز..... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، میں خود دیکھ لوں گا۔ تم ہی تو میرا واحد سہارا ہو اور میرے جینے کی وجہ بھی میں نہیں چاہتا تمہیں معمولی سی بھی خراش آئے۔'' اُنہوں نے برہمی سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا مجھے آغا جان۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''جاؤ تم گھر جاؤ..... تمہاری بی بی جان تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ ناشتہ بھی نہیں کیا اور باہر نکل گئے تھے۔'' اُس نے سر ہلاتے ہوئے حویلی کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔

❁.....❁.....❁

وہ اُنہیں کافی دے کے اپنے کمرے میں آگئیں اور خاموشی سے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔ وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بیگم..... بیگم تو بے غم ہوتی ہے۔ پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟''

''انوشے کو لے کے پریشان ہوں..... کچھ تو ہوا ہے جو وہ ہم سے چھپا رہی ہے۔ ابھی کل تک تو اُس کا بچپنا نہیں گیا تھا۔ دونوں بہن بھائیوں سے زیادہ چہکتی پھرتی تھی۔ اب ایک دم ہی اتنی سنجیدہ ہوگئی ہے۔ یہ بات مجھے بہت پریشان کر رہی ہے۔''

''آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ مجھے بھی پتا ہے کہ اُس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے..... لیکن ہم نے اُس کی بات کو سچ مان کے اُسے اعتبار دیا ہے۔ آپ اُسے وقت دیں، جب وہ اپنے آپ سے باہر نکلے گی تو خود ہی سب بتا دے گی۔ ہوسکتا ہے ابھی وہ خود کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رہی ہو۔'' اُن کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ پریشان ہونے کے بجائے مجھے وقت دیں۔ بوڑھا ہوگیا ہوں۔ اب تو مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' وہ آنکھوں میں شرارت لیے اُن کی آنکھوں میں دیکھ کے بولے۔ اُن کے اس طرح دیکھنے پہ وہ کچھ نہیں بولی تھیں۔

❁.....❁.....❁

جنوری کی سرد اور شدید دُھند میں بھیگی رات میں وہ بی بی جان کے منع کرنے کے باوجود ڈیرے کی طرف جانے کا کہہ کر حویلی سے نکل گیا تھا لیکن ڈیرے پہ جانے کے بجائے وہ باغوں کی طرف آگیا جو گھنے درختوں کے جھنڈ سے ہوتے ہوئے وہ اپنے مہرباں دوست کے پاس آیا تھا۔ اُس کا دوست اوکاں نام کا درخت تھا۔

شاہ ویز بچپن میں جب بھی اس درخت کے پاس سے گُزرتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے یہ درخت اُسے اپنے پاس بُلاتا ہے لیکن وہ اپنے خیالات جھٹک کے اُدھر سے آگے گزر جایا کرتا تھا۔ جب اُسے اپنی ماں کے قاتل کے متعلق پتا چلا جو اُس کا اپنا ہی باپ تھا تو اُس دن وہ ٹوٹ گیا تھا۔ پھر پہلی بار وہ اس مہرباں دوست کے پاس آیا تھا اُس درخت کے تنے سے ٹیک لگا کے دل کھول کے رویا تھا۔ اُس دن شاہ ویز نے اس درخت کو اپنا پہلا دوست بنایا تھا۔ آج بھی وہ خاموشی سے اُس کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

شیکسپیئر ایک جگہ لکھتا ہے۔

''عشق تو ایک غبار ہے، جسے آہوں نے پیدا کیا ہے، جب یہ غبار دب جاتا ہے تو پھر آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں۔'' ویسے ہی آگ کے شعلے اس وقت شاہ ویز کی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔

اُس کا دل کر رہا تھا وہ ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔ اُس نے نہ ہی اپنی ماں کا پیار پایا۔ نہ ہی باپ کا لاڈ اُٹھوایا تھا۔ اُسے لگتا تھا کہ ایک دن جب وہ سو کر اُٹھے گا تو اُس کے ماں باپ اُس کے پاس بیٹھے اُسے پیار کر رہے ہوں گے۔ وہ اپنے ماں باپ کی تصویر چومتا اور سینے سے لگا کے خیالوں میں کھو جاتا تھا۔ ابھی وہ آٹھ سال کا تھا کہ تلخ حقیقتیں اُس پہ کھلنے لگیں جو آج تک اُس سے چھپائی گئی تھیں۔ یوں اُس کے بچپن کا پہلا خواب بے دردی سے ان تلخ حقیقتوں نے توڑا تھا۔

اُس کی ماں اب کبھی واپس نہیں آسکتی تھی اور باپ سے وہ کبھی نہیں مل سکتا تھا کیونکہ وہ ایک بُرا انسان تھا جس نے اُس کی ماں کو مار ڈالا تھا۔ پھر اُس کے دل میں اپنے باپ کے

خلاف زہر بڑھتا گیا۔

اُس نے اپنے آپ کو تنہائی کے خول میں بند کرلیا اور کسی کو بھی اپنی ذاتیات میں دخل اندازی کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وقت گزرتا گیا۔ اُس کی پڑھائی ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ انوشہ زبردستی اُس کی زندگی میں داخل ہوگئی تھی اور ابھی محبت نے اُس کے دل میں اپنے قدم رکھے ہی تھے۔ اس کا دل بنجر ہوگیا تھا۔ اسے اپنے رب سے بھی بہت سے شکوے تھے کہ اس نے بچپن میں ہی اس کے ماں باپ چھین لیے تھے اور اب محبت کا باب بھی ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا تھا۔ کیا تھا اگر انوشہ کا اُس کے باپ سے کوئی بھی رشتہ نہ ہوتا۔

یا وہ اُس کی زندگی میں ہی نہ آئی ہوتی..... یا اُسے اُس سے محبت ہی نہ ہوئی ہوتی۔

❁.....❁.....❁

خوشگوار موسم کی وجہ سے سب نے آج پڑھنے سے انکار کردیا تھا۔ سب اپنے دوستوں کے ساتھ موسم سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ آج زرتاشہ نہیں آئی تھی اس لیے وہ اکیلی ہی کینے کے باہر کھڑی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک وہ دشمن جاں اپنے دوستوں کے ہمراہ کینے کے سامنے سے گزرا۔

''آہ.....!'' اُسے دیکھتے ہی دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ وہ اُس کا پیار، اُس کی محبت اور اُس کا عشق تھا۔ وہ خوابوں میں اُس کا بہت اپنا تھا لیکن حقیقت میں وہ اُس کا اپنا نہیں تھا۔

اُن کے درمیان فاصلہ زمین اور آسمان کے فاصلے سے بھی بہت زیادہ تھا۔ وہ یہ فاصلہ کم کرنا چاہتی تھی لیکن وہ دشمن جاں تو اُسے دیکھتے ہی نگاہیں پھیر لیتا۔ نگاہوں کے ہر مفہوم سے آشنا ہونے کے باوجود پھر اُس میں اتنی ہمت ہی نہ رہتی کہ وہ آگے بڑھ کے اُسے مخاطب ہی کرلے۔ اُس کے اس رویے سے دل کے ہزار ٹکڑے ہوتے تھے۔ پھر وہ سوچتی آخر وہ کون لوگ ہیں جو عشق کو میٹھی اور لذت بھری چیز کہتے ہیں۔ عشق کو بہاروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حقیقت میں تو عشق خزاں کے ایسے موسم کا نام ہے جو ہرے بھرے درختوں کو پتوں سے خالی کردیتا ہے۔ اسی طرح عشق بھی زندگی کو خوشیوں سے خالی کردیتا ہے۔

وہ کامرس ڈیپارٹمنٹ سے تھا جبکہ ضوباریہ بی بی اے ڈیپارٹمنٹ سے تھی۔ کبھی کاریڈورز میں تو کبھی کینے میں اکثر

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

آج ہی بک سٹال سے خریدیں

ماہنامہ آنچل کراچی

ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔

اگلی

عشنا کوثر سردار کا ایک لازوال ناول ایک پڑھے لکھے گھرانے کا احوال جو لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھا

تیری زلف کے سر ہونے تک

خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا

AANCHALNOVEL.COM

(03008264242)

وہ اُسے دکھائی دیتا۔ اُس کی پرسنالٹی ایسی تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسے ہی نجانے کب اور کیسے اُسے اُس سے محبت ہوگئی۔ اس کی نگاہیں ابھی بھی اسی پر جمی تھیں کہ اچانک موبائل پہ آنے والی ڈرائیور کی مسڈ کال سے اپنی سوچوں سے باہر نکلتے وہ پارکنگ ایریا کی طرف چل دی تھی۔

❁.....❁.....❁

رات کا وقت تھا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گاؤں والے اپنے بستروں میں دبکے میٹھی نیند سو رہے تھے۔ کالی چادر میں اپنا منہ ڈھانپے کوئی وجود درختوں کے جھنڈ سے ہوتا ہوا ڈیرے کی طرف آیا۔ ڈیرے کا گیٹ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا جس سے وہ بہ آسانی بنا آواز پیدا کیے اندر داخل ہوا تھا۔ بھینسوں کے باڑے سے ہوتا ہوا دائیں طرف موجود کمرے میں داخل ہوا۔ پھر وہ سیڑھیاں اُتر کے ایک ہال نما کمرے میں آگیا۔ پھر منہ سے چادر ہٹاتے سامنے زیرو بلب کی روشنی میں بیٹھے شاہ ویز کے پاس چلا آیا اور ادب سے جھکتے ہوئے سلام کیا۔

''سلام چودھری صاحب!''

''وعلیکم السلام! آؤ خان بیٹھو۔ کہو کیا خبر لائے ہو؟''

''اس دفعہ بھی آپ پہ جملہ چودھری امتیاز علی کے بیٹے نے ہی کروایا ہے۔ کل شام حویلی میں ایک چھوٹا سا فنکشن رکھا گیا ہے جس میں اُس کے بیٹے کا نکاح امتیاز علی کی خالہ زاد بہن کی بیٹی سے ہوگا۔ سارے مہمان پہنچ چکے ہیں۔ سوائے امتیاز علی کی پوتی کے۔ اُسے لینے کے لیے صبح صبح حویلی سے کوئی جائے گا۔'' اس نے مؤدب انداز میں تمام معلومات فراہم کیں۔

''خان مجھے وہ لڑکی کل میرے شہر والے فلیٹ میں چاہیے ہر حال میں۔''

''جو حکم چودھری صاحب۔'' پہلی بار اُسے کوئی ایسا حکم دیا گیا تھا ورنہ اب سے پہلے اسے مخبری کے کام پر مامور رکھا گیا تھا۔ خان نے کن انکھیوں سے اُسے دیکھا اور پھر خاموشی سے واپس لوٹ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

آج کافی دنوں بعد جنوری کی دھوپ کسی حسین دوشیزہ کی طرح انگڑائی لے کے بیدار ہوئی تھی۔ سنہری اور چمکتی دھوپ سب کو حدت پہنچا رہی تھی۔

اُن سب کا آج یونیورسٹی میں آخری دن تھا۔ اُداسی چاروں طرف ڈیرہ ڈالے براجمان تھی۔ دو دلوں میں ایک ہی انسان کی جدائی کے خیال سے قیامت برپا تھی۔ اتنی زور سے دھڑک رہے تھے گویا ابھی باہر آجائیں گے۔

محبت بھی عجب شے ہے جتنا بھی محبت کے پیچھے بھاگو گے اُتنا ہی محبت آپ سے دور بھاگے گی۔ کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ بھاگتے بھاگتے جب پاؤں تھک جائیں روح چھلنی ہوجائے پھر آبلہ پائی مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ تبھی واماں رہ جاتے ہیں محبت کرنے والے۔ پھر زندگی جبر مسلسل کی طرح بہت حوصلے اور صبر کے ساتھ کاٹنی پڑتی ہے۔ پہلی محبت کبھی نہیں مرتی' وہ دل میں تب تک زندہ رہتی ہے جب تک دل دھڑکتا ہے۔

ضوبار یہ بہت ہمت اور حوصلے سے یک طرفہ محبت کی کسک لیے لبوں پہ مسکراہٹ سجائے ملک سے باہر اپنے والدین کے پاس چلی گئی۔ سکندر دل میں محبتوں کا جہاں آباد کیے بے تابی سے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا۔ یونیورسٹی کی بلند و بالا عمارت نے ہر سال کی طرح اس سال بھی بہت سے راز اپنے اندر سمو لیے تھے۔

❁.....❁.....❁

''واؤ..... یہ تو میرے خوابوں کا محل ہے۔'' اُس جگہ پہ نظر پڑتے ہی بے اختیار اُس کے لبوں سے نکلا۔ کیا مبہوت کردینے والا نظارہ تھا بے حد خوب صورت' آنکھوں کو خیرہ کردینے والا وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔

شفاف آئینے کی طرح چمکتے پانی کی جھیل کچھ دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جن میں اونچے اونچے سبز درختوں کا عکس پانی پہ پڑنے کی وجہ سے اس کی رنگت سبز مائل دکھائی دے رہی تھی۔ جھیل کے ختم ہوتے ہی سامنے سبزے سے ڈھکا ڈھلوانی راستہ اوپر جارہا تھا۔ جس پہ سُرخ رنگ کی چادر اوڑھے محل نما عمارت شان و شوکت سے کھڑی تھی۔ اس سے اوپر نظریں اُٹھاؤ تو خوب صورت درخت قطار در قطار کھڑے نیلے آسماں کو چھوتے محسوس ہورہے تھے۔ ایسے جیسے آسماں سے باتیں کرنے میں مصروف ہوں۔

نکاح کے بعد شاہ ویز کی طرف سے ملنے والے اس انمول تحفے پہ اُس نے نگاہوں میں تشکر لیے اُس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ لبوں پہ مسکراہٹ سجائے اُس کی طرف بڑھا۔ اُس کا ہاتھ تھام کے لبوں سے لگایا اور دوسرا بازو اُس کی کمر کے

گرد حائل کرتے اُسے خود سے قریب کرلیا' حیا دھنک رنگ اوڑھ کے اُس کے چہرے پہ بکھر گئی۔ وہ اُسے لیے کنارے لگی سُرخ رنگ کی کشتی کی طرف بڑھا۔

وہ دونوں اُس میں بیٹھے تو کشتی خود بخود چلنے لگی۔ وہ اُنہیں لیے کنارے پہ پہنچی تو وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ڈھلوان چڑھتے اوپر آگئے۔

انوشہ نے اپنا رُخ جھیل کی طرف کیا۔ دونوں بازو ہوا میں پھیلا دیے۔ آنکھیں بند کرلیں اور کھلکھلاتے ہوئے اُس کے لبوں نے شاہ ویز کا نام وادی کے سُپرد کیا۔ اُس کی مام نے اُس کے لبوں کو کوئی لفظ ادا کرتے سُنا' لیکن آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ سمجھ نہ سکیں۔ اُنہوں نے خاموشی سے اُس کی طرف دیکھا جو صبح اُٹھنے کے بعد لاؤنج میں آکے دوبارہ صوفے پہ سوگئی تھی۔

اُس کے چہرے پہ اِس وقت خوشی کا ایسا منظر چھایا ہوا تھا کہ وہ بھی دیکھتے ہوئے مُسکرا دیں۔ لگ رہا تھا بہت حسین خواب نے اُسے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ ابتدا میں انوشے کے ذہن میں بہت سوال اُمڈتے جو وہ اپنے والدین سے پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن اُس کی ہمت ہی نہ ہوتی۔ اب وہ خوابوں کے ذریعے خود کو بہلا لیتی تھی۔ مانا اُس کا درد بہت گہرا تھا لیکن اُسے پریشان دیکھ کے اُس کے ماما بابا اور بہن بھائی پریشان ہوجاتے تھے۔

اُس سے اُن سب کی پریشانی بھی نہیں دیکھی جاتی تھی۔ اس لیے وہ اب آہستہ آہستہ نارمل ہورہی تھی۔ صبح جب اشعر اور ہالے اسکول چلے جاتے اور اُن کے بابا اپنے آفس تو پھر وہ ماں بیٹی ساتھ وقت گزارتیں۔ اب بھی وہ اُسے یوں خواب میں مُسکراتا دیکھ کے خود بھی مسکرادی تھیں۔

❁.....❁.....❁

وہ شاہ ویز کے ساتھ محبتوں کے جہاں میں محبتوں کے سنگ کھلکھلا رہی تھی۔ ایک دم ہی زندگی بہت خوب صورت ہوگئی تھی کہ اچانک کان کے پاس بجتی رنگ ٹون اُسے خوابوں کی دُنیا سے باہر لائی اور وہ ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھی۔ اُسے یقین کرنا مشکل ہورہا تھا کہ وہ خواب تھا اور اُس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

''آج اُٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا..... سب ٹھیک ہے ناں؟'' مما کی آواز پہ اُس کا سحر ٹوٹا۔

''مام..... میرا دل کرتا کہ میں ساری زندگی سو کے گزار دوں۔''

''بدتمیز..... ایسے نہیں کہتے۔''

''مام اگر کوئی ہمیں غلط سمجھتا ہو..... ہم سے نفرت کرتا ہو تو ایسا کیا کرنا چاہیے کہ اُس کی نفرت ختم ہوجائے؟ اُس کے دل میں ہمارے لیے اچھے جذبات پیدا ہو جائیں۔ از اٹ پاسیبل؟'' وہ آنکھیں موندتے ہوئے بولی۔

''یس اٹ از پاسیبل۔'' اُنہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ فوراً آنکھیں کھول کے پوری طرح اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

''مام..... وہ کیسے؟ جلدی بتائیں ناں۔''

''دیکھو بیٹا..... اخلاق اور سچائی کا دامن کبھی نہ چھوڑو۔ کوئی ہمارے ساتھ کیسا ہی سلوک کیوں نہ کرے اگر ہم مسلسل اس کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئیں گے تو ایک دن ہمارے کردار کی سچائی اس پر ظاہر ہو کر رہے گی۔ بس اس کا دل تمہاری طرف سے صاف ہوجائے گا۔''

''تھینک مام.....'' وہ اُن کا گال چومتے ہوئے بولی۔

''بس بس، اب زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔ پانچ منٹ میں فریش ہوکر آؤ میں ناشتہ لگا رہی ہوں۔ پھر اپنا فارم بھی نکال کے رکھو۔ تمہارے بابا کہہ رہے تھے کالج میں ایڈمیشن اوپن ہوگئے ہیں۔''

''اوکے مام۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔'' اُس نے اُٹھ کے اپنا ہاتھ ماتھے پہ لے جاکے جھکتے ہوئے اُنہیں آداب پیش کرتے کہا۔ دونوں ماں بیٹی کے قہقہے گھر کے در و دیوار نے بہت دنوں بعد سُنے تھے۔

❁.....❁.....❁

''کبھی محبت اور عزت میں سے کسی ایک کو چُننا پڑے تو تم عزت کو چُننے میں پہل کرنا۔'' اُن کا پورا گروپ ہوسٹل کے لان میں بیٹھ کے کل کے ٹیسٹ کی تیاری کررہا تھا۔ سدرہ سب کو سمجھا رہی تھی۔ باقی سب بہت توجہ سے سمجھنے میں مصروف تھیں سوائے وجیہہ کے جو گود میں کتاب رکھے اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ سدرہ نے جب سر اُٹھا کے دیکھا تو اُس کی نظر سامنے بیٹھی وجیہہ پہ پڑی۔

''کسے سوچا جارہا ہے؟ جو چہرے پہ دھیمی سی شرمیلی سی مُسکان' حیا کے رنگوں کے ساتھ چھائی ہوئی ہے۔'' اُس کے کہنے پہ باقی چاروں بھی متوجہ ہوئیں اور اُسے دیکھنے لگیں۔

سب کو اپنی طرف تکتا پا کے وہ بوکھلا گئی۔

''کیا ہے یار..... سب ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ نا سمجھی سے پوچھ بیٹھی۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے گھر سے کوئی ملنے آیا تھا ناں۔ اثرات بتا رہے ہیں کہ کون آیا تھا، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟'' سدرہ نے اُسے تنگ کرتے ہوئے پوچھا۔ تو باقی بھی شروع ہو گئیں۔ آخر اُسے اعتراف کرنا ہی پڑا۔

''ہاں احسن آئے تھے۔''

''ہاں احسن آئے تھے.....'' سدرہ نے اُس کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔

''اوئے ہوئے آئے تھے..... واہ اتنی عزت۔'' مدیحہ بھی بولی۔

''تو اس میں اوئے ہوئے کرنے والی کیا بات ہے۔ رشتہ کوئی بھی ہو اُس میں سب سے ضروری چیز عزت ہے۔''

''جی نہیں، محبت سب سے ضروری چیز ہے۔''

''کیسے؟''

''فرض کرو ایک انسان تمہیں بہت محبت دیتا ہے لیکن تمہیں عزت نہیں دیتا۔ بات بات پہ تمہاری بے عزتی کرتا ہے تو کیا تم اُس انسان کے ساتھ رہ لو گی؟ تمہارا دل نہیں کرے گا کہ وہ تمہیں عزت سے مخاطب کرے؟ آرام سے سوچ کے بتاؤ۔'' وجیہہ سارہ کی بات سُن کے بولی۔

''کرے گا۔''

''تو پھر بتاؤ کیا چیز ضروری ہے؟''

''عزت۔'' سارہ نے اعتراف کیا۔

''چلو اب بس آجاؤ واپس ٹاپک پہ۔ شام ہونے سے پہلے اسے مکمل کرنا ہے۔'' سدرہ نے کہتے ہوئے دوبارہ کتاب پہ سر جھکا دیا اور باقی بھی پڑھنے میں مشغول ہو گئیں۔ پھر رات کو اُس کی دوستوں کی طرف سے ملنے والی سرپرائز برتھ ڈے پارٹی نے اُس کا دن خوب صورت اور یادگار بنا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

گرمیوں کے دن تھے۔ سخت دھوپ گراں گزر رہی تھی کہ دوپہر کے بعد آسمان پہ بادلوں کی آمد نے اچانک چونکا دیا۔ اس موسم نے سب کے چہروں پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ ہواؤں کی آمد نے موسم کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ پرندے جو کچھ دیر پہلے گرمی سے بے حال ہو کے اپنے گھونسلوں میں بیٹھے تھے۔ باہر نکل کے کھلے آسمان تلے چہکتے ہوئے ایک درخت سے دوسرے درخت پہ جھومنے لگے تھے۔

زُلیخا کو بھی اُس کی سکھی نے باغ میں جانے کا پیغام بھجوایا۔ امی حیات ولا گئی ہوئی تھیں۔ وہ اُن سے اجازت لینے کے لیے حیات ولا کا گیٹ کھولتے ہوئے اندر داخل ہوئی تو سامنے آنگن میں جامن کے درخت کے نیچے چارپائی پہ امی اور تائی امی باتوں میں مشغول تھیں۔ ساتھ بیٹھی تائی جان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ بولی۔

''السلام علیکم تائی امی!''

''وعلیکم اسلام! جیتی رہو۔'' تائی امی نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''امی جان دیکھیں ناں کتنا پیارا موسم ہے.....'' وہ اُس کی بات کاٹ کے بولیں۔

''اور اب تمہارا دل باغوں کی طرف جانے کو مچل رہا ہوگا؟''

''ہائے سچی امی..... آپ کتنی اچھی ہیں ناں بنا کہے میرے دل کی بات جان جاتی ہیں۔'' وہ اس طرح چہکتے ہوئے بولی کہ امی اور تائی امی دونوں ہنسنے لگیں۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے یوسف نے اُس کے آخری الفاظ سُن لیے۔

''چاچی جان کون سی دل کی بات جان لی ہے آپ نے؟'' وہ پاس آ کے کن انکھیوں سے زُلیخا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں بس ذرا ہوا کیا چلنے لگی، اس کا باغ کی طرف جانے کو دل کرنے لگا۔'' زُلیخا کی امی نے جواب دیا۔

''تو جانے دیں، میں بھی اُدھر ہی جا رہا ہوں بلکہ میرے ساتھ ہی بھیج دیں۔''

''نہیں مجھے اپنی سہیلیوں کے ساتھ جانا ہے۔''

''ہاں سہیلیوں کے ساتھ جانا ہے اور پھر شام کو ہی واپس آنا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں۔ جانا ہے تو یوسف کے ساتھ جاؤ اور ایک گھنٹے میں واپس آؤ۔''

''اچھا ٹھیک ہے، میں چادر لے لوں۔'' ڈانٹ سُننے کے بعد وہ اُٹھتے ہوئے منہ بنا کے بولی۔ یوسف بھی انہیں سکندر کے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ دونوں درختوں کے جھنڈ سے ہوتے ہوئے گزر رہے

تھے کہ اوکاں کا درخت دیکھتے ہوئے زُلیخا رُک کر یوسف سے بولی۔

"یوسف....."

"جی جان یوسف....."

"میں اسی لیے آپ کے ساتھ نہیں آرہی تھی۔" اس کے یوں کہنے پہ وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"چلو اب تو آگئی ہو ناں، بتاؤ کیا کہنا تھا۔" وہ شرارت سے بولا۔

"کچھ نہیں۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے بولی۔

"چلو اب بتا بھی دو۔" اُسے سنجیدہ دیکھ کے وہ بتانے لگی۔

"اس درخت کے پاس سے گزرتے نجانے مجھے کیوں ایسا لگتا ہے جیسے یہ درخت مجھے اپنے پاس بُلا رہا ہو۔ مجھے کہہ رہا ہو کہ کچھ دیر آ کے میرے پاس بیٹھو۔ کیا آپ کے ساتھ کبھی ایسا ہوا ہے؟"

"نہیں میرے ساتھ تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ویسے اچھا لگتا ہے دیکھنے میں۔"

"تو پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"کیونکہ اس درخت کا نام ہی مہرباں دوست ہے یہ ہر کسی کو اتنی ہی محبت سے اپنے پاس بُلاتا ہے لیکن صرف حساس لوگ ہی اسے محسوس کر سکتے ہیں۔"

"واؤ اچھا..... آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"پہلے بھی تم نے پوچھا ہی نہیں۔ اب آگے جانا ہے یا ادھر سے ہی واپس جانے کا ارادہ ہے؟" یوسف کے کہنے پہ اُس نے آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ یہ حیات ولا اور شہباز ولا والوں کی ملکیت تھا۔ اُن کے علاوہ ادھر کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوائے مالیوں کے جنہیں اس باغ کی دیکھ بھال کے لیے رکھا گیا تھا۔

چلتے ہوئے یوسف نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ رُک گئی' پلٹ کے سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا..... میں مر....."

اُس نے فوراً اُس کے لبوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"اللہ نہ کرے، یہ اچانک چلتے ہوئے کیا ہوا آپ کو؟" وہ اُس کا ہاتھ ہٹا کے درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"پتہ نہیں کیوں رات سے مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے کچھ غلط ہونے والا ہے۔ میری چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کر رہی ہے۔ اسی لیے تمہاری آواز سنتے ہی آ گیا تھا۔"

"کچھ نہیں غلط ہونے والا۔ ایسے ہی آپ کو لگ رہا ہوگا' وہم ہوگا آپ کا۔" وہ اُس کی بات جھٹلاتے ہوئے بولی۔

"اللہ کرے وہم ہی ہو۔ بس کوئی تمہیں مجھ سے جُدا نہ کرے..... ورنہ میں جی نہیں پاؤں گا۔" اُس نے بے بسی سے کہا تو زُلیخا کی آنکھوں سے آنسو نکل کے گالوں پہ پھسلنے لگے۔

"آپ سے پہلے میں مر جاؤں گی۔"

"پاگل....." یوسف اپنی انگلیوں سے اُس کے گالوں پہ بہتے موتی چُننے لگا۔ وہ اُس کے بازو سے سر ٹکا کے رونے لگی۔

"اب اس طرح کرو گی اور میں نے کوئی گستاخی کر دی تو پھر تمہیں ہی اعتراض ہوگا۔" یوسف کے ایسا کہنے کی دیر تھی کہ اُس نے فوراً اپنے آنسو پونچھے اور واپسی کے راستے پہ قدم بڑھا دیے۔ یوسف بھی اُس کے قدموں کے نشانوں پہ چلنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

تیسرا باب

فی قلوبھم مرض

(اُن کے دلوں میں بیماری ہے)

بجلی کبھی گری کبھی صیاد آ گیا

ہم نے تو چار دن بھی نہ دیکھے بہار کے

ضوہاریہ نے بہت ضبط سے پہلی محبت کی کرچیاں دل میں دفن کر کے پوری ایمان داری سے اپنی مجازی خدا عبدُالحنان کو اپنا لیا تھا۔ عبدُالحنان اُس کے لیے صرف اچھا نہیں بہت ہی اچھا جیون ساتھی ثابت ہوا تھا۔ دن گزرنے کے ساتھ اُس کی محبت میں اضافہ ہی ہوا تھا۔

عبدُالحنان نے اپنی بے پناہ اور بے لوث محبت سے بہت جلد ضوہاریہ کے دل میں اپنی جگہ بنا لی تھی۔ ایک سال بعد اللہ نے اس خوشگوار جوڑے پر اپنی رحمت دو ننھی ننھی مجسموں پریوں انوشے اور پلوشہ کی صورت دی تھیں۔ ضوہاریہ اور عبدُالحنان کی اُن میں جان تھی۔ دونوں انہیں دیکھ دیکھ کے جیتے تھے۔

عبدُالحنان کے والد جیسے اپنی پوتیوں کے انتظار میں ہی زندہ تھے۔ اُن کی آمد کے ایک مہینے بعد ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یوں عبدُالحنان کے سر سے باپ کا سایہ بھی اُٹھ

گیا تھا۔ وہ اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ دبئی شفٹ ہوگیا۔ اپنا بزنس بھی اُدھر ہی سیٹ کرلیا۔ ضوباریہ گھر داری کے فرائض پوری ایمان داری اور دل جمعی کے ساتھ سرانجام دینے لگی۔ یوں وقت ہنسی خوشی گزرنے لگا تھا۔

ابھی چار ماہ ہی گزرے تھے کہ عبدُالحنان روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگیا۔ اطلاع ملتے ہی وہ ہسپتال کی طرف دوڑی تھی لیکن ڈاکٹرز نے کوما میں جانے کی اطلاع دی۔ اس نے اپنے شوہر کے لیے گڑگڑا کے دُعائیں مانگیں لیکن کوئی دُعا قبولیت کا درجہ نہ پاسکی۔ تین دن ضوباریہ نے سولی پہ گزارے تھے۔ چوتھے دن تو جیسے اُس کی دُنیا ہی اندھیر ہوگئی تھی۔ عبدُالحنان اس فانی دُنیا کو الوداع کہہ گیا تھا۔ ایک قیامت تھی جو اُس پہ ٹوٹی تھی۔ ضوباریہ کے گھر والوں نے اُس کے پاکستان آنے پہ بہت اصرار کیا لیکن اُس نے انکار کردیا۔ عدت پوری کرتے ہی اُس نے وہاں اپنے شوہر کا بزنس سنبھال لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اُس نے بہت کوشش کی سب کچھ بھول کے پہلے کی طرح رہنے کی لیکن صرف چند دن ہی وہ ایسا کر پائی تھی۔ کیسے کامیاب ہو پاتی، جب بھی آنکھیں بند کرتی اُس کا چہرہ آنکھوں میں آسماتا تھا۔ پھر رتجگے سرے سے پہلے سے زیادہ شدت سے درد جاگ جاتے۔ رات کے اندھیرے میں تکیے میں منہ چھپائے سسکتے ہوئے اُس نے آج اعتراف کر ہی لیا تھا کہ اس سے بے حد محبت کرتی ہے اور اسے کبھی نہیں بھلا سکتی۔ تب ہی اُس نے سائیڈ ٹیبل پہ پڑا موبائل اُٹھایا نئی بنائی گئی آئی ڈی کھولی۔ شاہ ویز کی آئی ڈی سرچ کی۔ تسبیح کے اوپشن پہ کلک کیا اور ٹائپ کرنے لگی۔

رات کے پچھلے پہر تم
چپکے سے خواب کی صورت
بند پلکوں کے دریچوں پر آٹھہرے
میں نے لاکھ کروٹیں بدلیں
اس خواب کو جھٹلایا مگر
میں کامیاب نہ ہوسکی "پیا"
تب دو موتی پلکوں سے ٹوٹ کر
میرے تکیے میں جذب ہوگئے
پھر لبوں سے درد کی صورت اک آہ نکلی
تیرے بن ہے من کو لاگے روگ "پیا"
تیرے بن میں کون "پیا"
تیرے بن میں کون "پیا"

سینڈ کے آپشن پہ کلک کرکے اُس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ سوچنے لگی کہ اُسے شاہ ویز کے بارے میں بابا کو بتا دینا چاہیے۔ اب درد بڑھتا ہی جارہا تھا۔ اُسے لگا اس بند کمرے میں اُس کا سانس بند ہوجائے گا۔ وہ اُٹھی اور باہر نکل کے لاؤنج میں چلی آئی۔ سامنے ہی صوفہ پہ بابا بیٹھے تھے۔ اُسے شاہ ویز یاد آگیا۔

کچھ ایسا تھا جو بابا کو دیکھتے اُس کے ذہن میں کھٹکتا تھا لیکن ابھی تک وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ اب سمجھ میں آیا کہ شاہ ویز تو بالکل بابا کی کاپی تھے۔ وہ نجانے کب تک یوں ہی کھڑی اُنہیں دیکھتی رہی۔ پھر بابا نے ہی کسی کی موجودگی محسوس کرکے دروازے کی طرف دیکھا۔

"انوشے..... بیٹے کیا بات ہے اُدھر کیوں کھڑی ہو؟ یہاں آجاؤ۔" اُنہوں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اپنے ساتھ صوفہ پہ جگہ بناتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے آکے اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ اُن کو شاہ ویز کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ اُن سے یہ بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ اُن کا شاہ ویز سے کیا رشتہ ہے؟ لیکن اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ اُنہوں نے اُسے بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے..... خیریت تھی ہمارے بیٹے کو نیند نہیں آرہی تھی؟" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں بابا..... آپ کیوں جاگ رہے ہیں؟"

"بس ایسے ہی نیند نہیں آرہی تھی۔" اُنہوں نے نظریں چُراتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟" اُس نے پریشانی سے پوچھا۔

"یس..... آئی ایم فائن مائی ڈیئر۔" اُنہوں نے مُسکرانے کی ناکام سی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بابا..... آپ سے ایک بات کہوں۔" آخر اُس نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو۔" اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

"بابا..... میں نے آپ سے اُس دن جھوٹ بولا تھا۔" اُس نے اُنگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔" اُس کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے بہت آرام سے کہا۔ اُس نے نظریں چُرالیں۔ اُنہوں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''انوشے بیٹا جو بھی بات ہے تم کہہ ڈالو''

''بابا..... شاہ ویز حیات خان.....'' اتنا کہہ کر وہ رُک گئی۔

''کیا ہوا شاہ ویز حیات خان کو..... انوشے بیٹا آپ جانتی ہو اُسے؟'' اُنہوں نے بے چینی سے پوچھا۔ وہ ہچکیوں اور آنسوؤں کے ساتھ دھیرے دھیرے اُنہیں سب بتاتی چلی گئی۔ کیسے اُس نے اُس سے رابطہ کیا پھر اُس کے یہاں آنے اور فلیٹ پہ اُس آخری رات کے بارے میں سب بتادیا تھا۔

''بابا آپ تو جانتے ہیں ناں کہ مجھے کچھ بھی نہیں پتا کہ آپ کا آپس میں کیا ریلیشن ہے۔ پھر اُس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا بابا آخر کیوں؟'' وہ سسک رہی تھی۔

وہ بالکل خاموش تھے۔ اُن کے پاس اُس کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اُسے کیا دلاسہ دیتے۔ وہ تو یہ سن کے خود ہی بکھر گئے تھے۔ رات کے آخری پہر اُن دونوں کی اذیت کی وجہ ایک ہی شخص تھا۔ اُس کی آنکھیں برس رہی تھیں لیکن اُن کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

صوفہ کے پیچھے گم صم کھڑی ضوباریہ کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ جب نیند اُن کے شوہر اور بیٹی پہ حرام ہو تو وہ کیسے سکون سے رہ سکتی تھیں؟ اُن کا درد ایسا تھا کہ وہ چاہ کے بھی پاس آکر تسلی کے دو بول نہیں بول سکتی تھیں۔ وہ کئی سالوں سے اپنے شوہر کو یہ اذیت سہتے دیکھ رہی تھیں۔ اب اُن کے شوہر کی وجہ سے اُن کی بیٹی کے حصے میں بھی اذیت لکھی جاچکی تھی۔ یہ دونوں افراد ہی اُن کے جینے کی وجہ تھے۔ ان کے بغیر وہ زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ اُن کے بس میں ہوتا تو وہ اپنے حصے کی خوشیاں بھی اُن کی زندگی میں لکھ کے اُن کے سارے دُکھ درد اپنے حصے میں لکھ لیتیں۔ اُنہوں نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔

وہ پھر سے ماضی میں کھو گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

کانپتے تھے جن کے ڈنکے سے زمین و آسماں
چُپ پڑے ہیں قبر میں اب ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

پنجاب کا ایک خوب صورت گاؤں فیروز خان اور شیراں بی بی کی ملکیت تھا۔ پاکستان اور انڈیا کی تقسیم سے پہلے کے وقت سے ہی یہ گاؤں اُن کے آباؤ اجداد کی ملکیت تھا۔ زمیندار گھرانے سے تعلق ہونے کی وجہ سے حاکمیت کا عنصر اُن کی طبیعت میں سب سے نمایاں تھا۔ جائیداد کے ساتھ غصہ بھی اس خاندان کے مردوں کو جیسے وراثت میں ملا تھا۔ اُن کے غصے سے سارا گاؤں ڈرتا تھا۔ کسی کی بھی اُن کے آگے بولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

فیروز خان کو باغبانی کا بہت شوق تھا۔ اس لیے گاؤں کا تیسرا حصہ باغوں پہ مشتمل تھا۔ جس میں ہر طرح کے پھلوں اور پھولوں کے درخت موجود تھے۔ پھر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ بہت سے خوب صورت اور رنگ برنگے پرندوں نے اُن باغوں کو اپنا مسکن بنالیا۔ جن کی چہکار سے فضا میں موسیقی کا سا گمان ہوتا۔ اس کے علاوہ بے شمار مضبوط درختوں کے تنوں پر پینگیں لگی نظر آتیں۔ اُدھر مالیوں کے علاوہ کسی کا بھی بنا اجازت آنا ممنوع تھا۔

فیروز خان اور شیراں بی بی کو اللہ نے تین بچوں سے نوازا تھا۔ حیات فیروز خان، شہباز فیروز خان اور شہناز فیروز خان۔ اس زمیندار گھرانے کی ایک روایت برسوں سے چلی آرہی تھی۔ بچپن میں ہی اپنی اولاد کے رشتے طے کردینا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ اُن کی ہر خواہش پوری کرنا' کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ اُن کو چھونا۔ غرض اپنی محبت اپنی اولاد میں خون سے زیادہ بھر دینا لیکن جب شادی کا مرحلہ آتا تب اپنی اولاد کے آگے اپنے فیصلے رکھ دینا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

روزان

کائنات غزل

''اف کتنی گرمی ہوگئی ہے ناں ماما.....'' وہ شرٹ کو کالر سے پیچھے کرتے ہوئے بولی۔ گاڑی سے گھر تک چند قدم کے فاصلے میں ہی اسے گرمی کا احساس ہوگیا تھا۔

''جاؤ بیٹا فریش ہوجاؤ کتنی تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔'' مسز ناصر نے اس کا گال تھپتھپایا۔

''اوکے مام.....'' وہ ان کو پیار کرتی ہوئی اپنے روم میں آ گئی۔

''واقعی آج بہت تھک گئی ہوں۔'' ایک نظر آئینے پر ڈالتی خود سے گویا ہوئی۔

اٹیچ باتھ واش روم میں اپنے کپڑے لے کر چلی گئی۔ شاور کی ٹھنڈی پھوار میں کچھ دیر بھیگ کر مزید فریش ہوگئی۔ اے سی کی اسپیڈ بڑھا کر مسکراتی ہوئی بیڈ پر دراز ہوئی اور ٹیڈی بیئر کو سینے سے لگائے نیند کی وادی میں کھوگئی۔ نرم سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر سجی تھی۔

''ٹھا.....''

''ہائے میں مرگئی.....'' ڈائجسٹ اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

احمد اور حامد لڑتے جھگڑتے مدرسے سے اندر آئے تھے۔ احمد کے دھکے سے حامد سیدھا ماں پر گرا تھا۔ چند لمحے ہی ملتے تھے اسے سکون کے..... جو وہ اپنی مرضی سے گزارتی جب تک ڈائجسٹ ہاتھ میں تھا وہ اپنی دنیا بھول چکی تھی۔ خود کو بھی ماہم ناصر تصور کررہی تھی۔

بچوں کو کھانا دینا تھا۔ بڑے سے کچے صحن کو عبور کرکے کچن تک جانے میں ہی ہانپنے لگی کیونکہ تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ کوئلے دہکا کر پتیلی رکھی۔ قمیص پسینے کی وجہ جسم سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بچوں کو کھانا کھلا کر بوڑھی فالج زدہ ساس کو کھانا کھلایا۔ سو بکھیڑے تھے اس کی جان کو۔ صحن میں پڑی بالٹی میں کپڑے دھلنے کے منتظر تھے اس کا جی چاہا سب کچھ چھوڑ کر پہلے نہالے لیکن..... پورا صحن پار کرکے غسل خانے تک بالٹی بھر کر لے کر جانے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ چند ثانیے کو اس کا جی چاہا کہ وہ بھی ماہم ناصر ہوتی..... شاور کے نیچے کھڑے ہوکر بن بادل برسات کا مزہ لیتی۔ پھر خود کو ڈانٹ دیا کہ ناشکری نا بن..... گہرا سانس لیتی کپڑے دھونے بیٹھ گئی۔

شام کے سائے پھیلنے لگے جانوروں نے کھیتوں سے واپسی کی راہ لی۔ سارے جانور اندر کرکے اس نے کنڈی چڑھائی۔ بھوری گائے کو باہر رہنے دیا۔ اس کا دودھ نکال کر اسے بھی اندر بند کیا۔ بچے وہیں چارپائی پر گر کر سو چکے تھے۔ اس نے صحن میں پڑی رسیوں پر کپڑے پھیلائے۔

فرجاد کے آتے ہی پھر سے کوئلے دہکائے۔ روٹیاں پکائیں۔ روٹی سالن اسے دیا اس کا اپنا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

''تھک گئی ہے..... ماہی؟'' فرجاد کے اس ایک جملے نے اس کی ساری تھکن اتار دی۔

اسے لگا اس کا دن بھی ماہم ناصر کی طرح گزرا ہے ہلکا پھلکا سا۔ وہ ساس کے کاموں سے فارغ ہوکر آئی

تو فرجاد اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی آ کر لیٹ گئی۔

''بتا میں تیرے لیے آج کیا لایا ہوں.....؟'' وہ اس کی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔

''تو خود ہی بتا دے۔'' ماہی کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ تھی۔

''چل آنکھیں بند کر۔'' ماہی نے آنکھیں بند کیں اس کے چہار جانب خوشبو پھیل گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے محسوس کرنے لگی۔

''اب کھول بھی دے آنکھیں۔'' فرجاد نے اس کا کاندھا ہلایا۔

''بہت اچھی خوشبو ہے۔''

''یہ تیری سالگرہ کا تحفہ ہے اور ایک اور چیز لایا ہوں۔'' وہ پیچھے چھپایا ہوا ہاتھ آگے کر کے بولا۔

''حجاب ڈائجسٹ کا سالگرہ نمبر.....'' اس نے جلدی سے جھپٹ لیا اور تشکر سے فرجاد کی جانب دیکھا۔

فرجاد جانتا تھا۔ زندگی کی تلخیوں کو کچھ دیر بھلانے کے لیے رسائل ایسے ہی کام دیتے ہیں جیسے قفس زدہ آشیانے میں کوئی روزن۔ وہ جانتا تھا بہت سخت زندگی ہے ایسی زندگی جس کا بدلنا ناممکن تو نہیں پر مشکل ضرور تھا۔ جب وہ یہ رسالے خرید کر گھر لاتا اس کا دوست اسے منع کرتا۔

''نہ لے کر جا بگڑ جائے گی تیری گھر والی۔ تیرے جوگی نہیں رہے گی۔ سر پکڑ کر روئے گا۔'' وہ پلٹ کر کہتا۔

''بگڑنے والے بنا پڑھے بگڑ جاتے ہیں اور سنورنے والے پڑھ کر مزید نکھر جاتے ہیں۔''

''انسان پر منحصر ہے کہ پڑھ کر بگڑتا ہے یا سنورتا ہے۔ یہ رسالے دیکھ کر میری ماہی کے چہرے پر جو مسکراہٹ آتی ہے اس سے میں جی اٹھتا ہوں۔ ان رسالوں سے تو جینے کا قرینہ سیکھا ہے اس نے۔''

یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ماہی کے لیے محبت ہی محبت سج جاتی اور وہ دھیرے دھیرے گھر کی طرف قدم بڑھا دیتا۔

چیونٹی

معافیہ شیخ

''بس کردیں امی! میں یہ بے مقصد زندگی گزار کے تنگ آگئی ہوں۔'' سائرہ آج پھر چیخنے چلانے کے موڈ میں تھی۔

امی کے بقول اُسے وقفے وقفے سے دورے پڑتے تھے۔ جس میں اسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ بے مقصد زندگی گزار رہی ہے کیوں؟ کیونکہ وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی مگر حالات نے ساتھ نہ دیا تو گھر بیٹھنا پڑا۔ شروع شروع میں تو اُس نے صبر کرلیا' مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ہر کام کو بیگار جاننے لگی' کبھی چلاتی کہ میں دنیا میں بس گھر کا کام کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی۔ تعلیم حاصل کرنا' کچھ بن کے دکھانا میری زندگی کا مقصد ہے۔

امی تو اسے پاگل جان کر چپ ہی رہتی تھیں کہ خود ہی غصہ ڈھنڈا ہوگا تو چپ کر جائے گی۔ مگر آج یہ تماشا ابو کے ہوتے ہوئے ہوا تھا' میں بڑی خوش تھی کہ آج اپیا کو ڈانٹ پڑے گی ابو سے' پھر عقل ٹھکانے آئے گی۔

''سائرہ.....'' ابو نے گرج دار آواز میں اپیا کو پکارا۔ وہی آواز جس سے وہ ہمیشہ ڈر جاتی تھی' ایک دم سائرہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

''جی ابو۔'' کی ہلکی سی آواز میرے کانوں میں پڑی اور پھر سائرہ کچن سے نکلتی نظر آئی۔ میں کچن کے سامنے والے کمرے میں بیٹھی سب سن رہی تھی جیسے ہی اپیا کو کچن سے نکلتے دیکھا تو میں بھی اٹھی اور سارے معاملے سے لطف اندوز ہونے میدان میں اتر آئی۔

''ادھر میرے پاس بیٹھو بیٹا۔'' ابو نے اپیا کو اپنے پاس بٹھایا۔

''گھبراؤ نہیں' میں تمہیں ڈانٹوں گا نہیں۔ میں بس آج ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں' جو تمہیں زندگی میں ہر مقام پر تمہارے کام آئے گی۔''

''بیٹا تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم فضول اور بے مقصد زندگی گزار رہی ہو؟''

''ابو..... میری سب دوستیں یونیورسٹی جاتی ہیں' روز نئی چیز سیکھتی ہیں' ان کے ذہن' ہاتھ پاؤں سب مسلسل حرکت میں ہیں۔ کچھ تو جاب بھی کررہی ہیں۔ میری طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں' مجھے یقین ہے ابو میں یونہی گھر پر رہی تو میرے ذہن کو زنگ لگ جائے گا۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' ابو نے شائستہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''تم سے کس نے کہا کہ تم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہو؟ کام تو تم بھی کرتی ہو' فرق صرف اتنا ہے تمہاری دوستیں کالج' آفس کا کام کرتی ہیں اور تم گھر کا۔''

''پر فرق تو ہے ناں ابو۔'' وہ روہانسی ہوکر بولی۔

''ہاں بالکل فرق تو ہے اور وہ فرق صرف تمہارے اور ان کے مقاصد میں ہے۔''

''میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے' بس دوسروں کے لیے جی رہی ہوں میں' ایک چیونٹی جتنی بھی اوقات نہیں ہے میری۔'' اپیا کی بات سن کر ابو ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئے' پھر پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ

رکھ کر بولے۔

''تم نے کبھی چیونٹی دیکھی ہے؟'' یہ کیسا سوال تھا؟ سائرہ حیران ہوئی۔

''جی دیکھی ہے۔''

''کیا تمہیں لگتا ہے اللہ نے اسے بے مقصد پیدا کیا ہوگا؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو جب تم یہ جانتی ہو کہ اللہ ایک چیونٹی جیسی مخلوق کو بے مقصد پیدا نہیں کرسکتا تو کیا وہ اشرف المخلوقات کو بے مقصد پیدا کرے گا؟''

''مگر کیا میری زندگی کا مقصد بس یہی ہے؟'' اس نے اگلا سوال پوچھا۔

''میری بات مکمل ہو لینے دو پھر سوال پوچھنا۔'' انہوں نے اپیا کوٹوکا۔

''جانتی ہو' جدید تحقیق کہتی ہے کہ چیونٹی ذہین ترین مخلوق ہے۔ اس کی چھ ہزار سے زائد اقسام ہیں' ایک چیونٹی کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں اور جسم کے تین حصے ہوتے ہیں' سر کے اگلے حصے میں دو سینگ ہوتے ہیں اسی سے پیغام رسانی کا کام کرتی ہیں اور اسی سے جسم کی صفائی بھی کرتی ہیں' ان کے جبڑے تو اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ اپنے سے زیادہ وزن کی چیز اٹھالیتی ہیں اور پتا ہے ہر چیونٹی اپنے لیے گھر بناتی ہے۔ ہم اشرف المخلوقات ہیں مگر وہ ہم سے بھی بہتر ہیں۔ چیونٹی کو دیکھا ہے کبھی غور سے؟ اس کی تخلیق میں ہمارے لیے بہت سے راز چھپے ہوئے ہیں جس پر ہم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔'' سائرہ حیرانی سے ان کی بات سن رہی تھی کہ وہ کہاں کی بات کہاں لے گئے۔

''ایک جرمنی اسکالر نے کہا ہے کہ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ آپ زندگی کس شکل میں گزارنا چاہیں گے؟ تو میں کہوں گا چیونٹی کی طرح' لوگوں نے پوچھا وہ کیوں؟ اس نے کہا چیونٹی نے اپنی ایک دنیا بنا رکھی ہے جس میں امن و امان' خوشحالی' ترتیب' نظم و ضبط' محنت و سلیقے کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تحقیق کہتی ہے کہ آج کل کے ماڈرن گھروں سے بھی زیادہ ترتیب اور سلیقے سے ان کے ٹیلے بنے ہوتے ہیں' دیکھیں ہیں کبھی مٹی کے ذروں سے بنے ان کے گھر؟'' اس نے ایک دفعہ پھر نفی میں سر ہلایا۔

''پتا ہے بیٹا وہ ایک دوسرے کے لیے کام کرتی ہیں' وہ اکیلی کچھ نہیں کرتیں' ان کا ہر کام شراکت داری سے ہوتا ہے۔ جب انہیں جاڑا آنے سے پہلے اپنے کھانے کا سامان جمع کرنا ہوتا ہے تو ہر چیونٹی کو اس کا کام دیا جاتا ہے' وہ دور دور تک جاتی ہیں۔ اپنا اپنا کام سرانجام دینے' رزق کی تلاش میں کچھ چیونٹیاں کھانا

جمع کرتی ہیں اور کچھ چیونٹیوں کا کام صرف پانی جمع کرنا ہوتا ہے اور جانتی ہو وہ اپنے پیٹ میں بہت سارا پانی جمع کرتی ہیں' ان کا پیٹ انگور کے دانے جیسا ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی انسان ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کی خاطر اپنا آپ قربان کرے' کسی کی خاطر محنت کرے؟ نہیں بیٹا..... انسان ایسا نہیں ہوتا' انسان خود غرض ہے۔ وہ پہلے اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ تم خود کو چیونٹی سمجھتی ہو لیکن اگر چیونٹی جیسی بن جاؤ تو تم افضل انسان بن جاؤ گی۔'' سائرہ اپیا سب خاموشی سے سن رہی تھیں۔

''چیونٹی کی زندگی بے مقصد نہیں ہوتی' ہر چیونٹی کی زندگی میں ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ اسے آخر تک انجام دیتی ہے' ہمیں چیونٹیاں ہمیشہ حرکت میں نظر آتی ہیں ناں' کیا کوئی سوتی ہوئی چیونٹی کبھی دیکھی ہے یا آرام کرنے بیٹھی ہوئی؟ نہیں بیٹا' وہ اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔ وہ اپنا گھر بنانے کے لیے مٹی کے ٹیلے بناتی ہیں' درخت کی شاخ میں گھر بناتی ہیں' وہ شہد کی مکھیوں کی طرح ایک ساتھ رہتی ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آتی ہیں' ایک دوسرے کے لیے قربانی دیتی ہیں..... تو بیٹا کیا تم یہ بات نہیں سمجھ سکتیں کہ تمہارے باپ کے کندھوں پر ابھی بہت بوجھ ہے' وہ تمہیں پڑھا نہیں سکتا' کیا یہ نہیں سمجھ سکتیں کے مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے؟ تم اتنی تعلیم تو حاصل کرچکی ہو ناں جو تمہیں صحیح اور غلط کا فرق سکھا سکے' کیا تم ایک چیونٹی کو دیکھ کر اچھی انسان نہیں بن سکتیں؟'' اپیا شاید کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر الفاظ ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''تمہارا گھر کا کیا ہوا ہر کام عبادت ہے بیٹا..... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عورت جو کام خوش وخضوع سے اپنے گھر میں کرتی ہے' وہ اس کا جہاد ہے اور جہاد کی افضلیت سے تو واقف ہو ناں تم۔ اپنے کسی اچھے کام کو حقیر مت سمجھو..... زندگی کے مقاصد کے بارے میں اپنی غلط فہمیاں دور کرلو۔'' مجھ سے مزید چپ نہیں رہا گیا' سو میں نے بھی سمجھداری دکھانے کی بھرپور کوشش کی اور کہا۔

''جی ابو..... میں بھی تو یہی بات اپیا کو سمجھاتی ہوں پر یہ سمجھتی ہی نہیں۔'' اپیا کا جھکا ہوا سر اور جھک گیا۔

ابو نے اپیا کو گلے سے لگالیا۔

''راضیہ بیٹا..... میں جانتا ہوں میری سمجھدار بیٹی سب سمجھ گئی ہے ناں سائرہ؟''

''جی ابو سمجھ گئی ہوں۔'' سائرہ اپیا مسکرائیں۔

''ہاں تو پھر تمہیں کیا بننا ہے؟''

''چیونٹی۔''

ہم تینوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ ان کی بیٹی واقعی سب سمجھ گئی تھی۔

صاحبِ علم

حرا قریشی

آج عشق سراپا حضور ہے کہ جس ہستی کا ذکر ہے وہ پہلا شاعر ہے۔ ان کا دوسرا نام غور و فکر ہے۔

شعر کہنا خداداد صلاحیت میں سے ایک ہے۔ سخن فہمی کے نت نئے افق "دلکشی و تنوع" بے ساختگی "دل نوازی" دل گداز جاں سوز فکری معنویت اور مؤثر تاثیر کیا کیا نہیں تھا ان کے کلام میں! پھر یہ بھی مالک دو جہاں رب ذوالجلال کا خصوصی کرم تھا کہ جہاں کلام میں دلکشی و زیبائی تھی وہاں وہ حسن و جمال کا بھی مرقع تھی۔ یقین جانیے میں نے جدید شعرا کے کلام کا مطالعہ کیا ہے مگر ان صاحب علم جیسا کہیں نہ پایا نہ کہیں ملنے کے امکان ہیں۔

اردو شاعری کی آبرو اقبال سے ہے..... علم و عشق کی میراث اقبال ہیں..... خودی کا سبق دیا وہ اقبال ہیں..... اسلام کے لیے سوز و تڑپ کا جو منبع بنا وہ اقبال ہیں..... فقر و درویشی جس نے ایک عالم پر عیاں کی وہ اقبال ہیں..... ہر مسلم کو ولولہ آزادی دینے والے اقبال ہیں..... خود شناسی و خود آگاہی کے رمز جس نے پس پردہ اور پردے کے روبرو ہر ذی روح کی شخصیت کے تخیل پر نمایاں کیے وہ اقبال ہیں۔

علاوہ شاعری نثری کتابوں انگریزی اور اردو مضامین و مقالات خطبات و تقاریر اور مکاتیب و ملفوظات کے جس کے ان گنت مجموعے ہیں وہ اقبال ہیں۔ ذاتی و شخصی زندگی کا قطبی ستارا اقبال ہیں۔ کیا پوچھا کیسے.....؟ تو چلتے ہیں اس شخص کی کہکشاں کے اندر جو صفات میں اپنی ایک آسمان ہے..... جناب سنیے..... خلیق ہے تو اقبال "سحر خیز ہے تو اقبال" حلیم ہے تو اقبال درویش صفت ہے تو اقبال علم کا سرچشمہ ہے تو اقبال تہجد گزار ہے تو اقبال جو کہتا ہے مسلمانوں کی زیست کا مقصد خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے سوا کچھ نہیں وہ بھی اقبال ہی ہے.....!!!

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است.....
اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است.....!

نوجوانوں سے ایسے بات کرتے ہیں کہ
جوانوں کو سوز جگر بخش دے
میرا عشق میری نظر بخش دے۔

کہیں کہتے ہیں کہ "جب عقابی روح نوجوانوں میں بیدار ہو جاتی ہے تو ان کو اپنی منزل آسمانوں میں دکھائی دیتی ہے۔"

کہیں کہتے ہیں "نوجوان ہی وہ مسلح سپاہی ہیں جو میرے انقلابی افکار کو عملی شکل کا پیرہن عطا کر کے انقلاب بپا کر سکتے ہیں۔" اقبال کی شاعری میں نوجوانوں سے براہ راست خطاب بھی ہے۔ ناصحانہ طرز بھی موجود ہے۔ ملاحظہ کیجیے.....

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے.....
وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا.....

اقبال کا "شاہین" بھی نوجوانان ملت کا اک استعارہ ہے۔

محمد فاروق دانش کی بات بیان کروں تو "اقبال اقبال" کا نعرہ بلند کیے روح وجد میں آ جاتی ہے۔ کہتے ہیں..... اقبال کی نظم "ہمدردی" ولیم کوپر کی نظم سے ماخوذ ہے۔ اس میں علامہ کا یہ پیغام ہے کہ وہی لوگ معتبر اور قابل تحسین ہیں جو آڑے وقت میں دوسروں کے کام آتے ہیں۔

نظم "بچے کی دعا" ہر بچے کے دل کی دعا ہے۔ یہ دعا ایسی ہے کہ پاک و ہند کا شاید ہی کوئی مدرسہ ایسا ہو جہاں تعلیم سے پہلے یا کسی تقریب کی ابتداء میں اس کو پڑھا نہ جاتا ہو۔ اس کی بحر بھی کیا خوب ہے دھن بھی کہ بچے آپ ہی آپ اسے الاپتے اور سننے والے لطف اٹھاتے ہیں۔

"بزم انجم" میں اقبال کا کہنا ہے کہ ہماری ساری کائنات کا سارا نظام خالق نے باہم اتفاق پر مبنی رکھا ہے

اور دنیا میں وہی قومیں ہیں۔

"خطاب بہ جوانان اسلام" نظم میں اقبال نے بتایا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟ موجودہ دور کے مسلمانوں کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ دنیا میں رہنے پنپنے کے لیے اپنے اسلاف کے کارناموں سے سیکھیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر وطن کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیں۔ نظم "پرندے کی فریاد" یاد دلاتی ہے کہ آزادی نہ صرف انسان بلکہ ہر جاندار اور ہر ذی شعور کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح آزادی کی تڑپ رکھتے اور آزاد ہونے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ نظم طبع آزاد ہے۔

"ایک پرندہ اور جگنو" اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اس دنیا کی رونق مل جل کر رہنے میں ہے۔

اب کچھ "حرا قریشی" کی زبانی بھی..... "ایک مکڑا اور مکھی" بخوبی اس بات کا مفہوم سامنے رکھ دیتی ہے۔ کہ خوشامد عیاروں کی ملکیت ہے اس سے ہوشیار رہو! "ایک پہاڑ اور گلہری" اس حدیث" کے مطابق جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا" یہ نظم اس بات کا خاکہ بھی بڑے پیارے انداز میں بیان کرتی ہے کہ جس طرح اسلام سب کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح قدرت کی نظر میں سب مساوی ہیں..... نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی چھوٹا "ایک گائے اور بکری" جب بھی پڑھتی ہوں پہلی بار پڑھنے والی کیفیت ہر بار عود کر آتی ہے۔ گویا لطف کم ہی نہیں ہوتا۔ یہ نظم بھی موکر سبق سے مزین ہے۔ جیسے بہت سی اشیاء ایک دوسرے سے مربوط ہیں جیسے سوئی دھاگہ پھول خوشبو دیوار سیمنٹ بالکل اسی طرح سب انسان بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی.....
دل کو لگتی ہے بات بکری کی.....!

"ایک پرندہ اور جگنو" یہ نظم اخلاق حسنہ کی نشاندہی کرتی دل کے اندر اتر جاتی ہے۔ "فاطمہ بنت عبداللہ" سچے واقعے پر مبنی خدمت خلق کو ابھارتی تخلیق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے بڑے اور بوڑھے سب ہی ان کی نظمیں شوق سے پڑھتے ہیں۔ پھر انداز بیاں بھی تو اتنا سادہ اور سلیس ہے کہ ہر کوئی بہ آسانی پڑھ اور سمجھ لیتا ہے۔

"عشق" اس سہ حرفی لفظ کو ایک اچھوتا وسیع مفہوم ودیعت کیا اقبال نے..... قدیم شعراء کے نظریے سے اس لفظ پر نگاہ دوڑائیں تو اکثر نے محض دو انسانوں کی عمیق نسبت خاطر کے مفہوم میں "عشق" کو استعمال کیا ہے۔ گر "اقبال" تو اقبال ہیں جنہوں نے "عشق" کو ذہنی وابستگی، قلبی لگن، جہد مسلسل اور عمل پیہم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ بقول اشتیاق حسین قریشی کے "کسی شاعر نے ایک قوم کے ذہن پر اتنا اثر نہیں کیا جتنا علامہ اقبال نے مسلمانوں کے ذہنوں پر" اقبال کی نظر میں وجود آدمیت کا مل راہ عمل ہے جس کی زیست کا کرب ناتمام مسلسل ہے۔ یہ شخص وہ پاکباز انسان اور وہ بندہ نواز ہے جو سوچتا ہے تڑپتا ہے اور فکر و افکار کے بہاؤ میں کسی سیپ میں مقید موتی کی مانند بہائے لیے جاتا ہے۔

اقبال کی زندگی کا قابل قدر وصف جو ہمیشہ سے مجھے متاثر کرتا ہے۔ وہ ہے "عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

جب بھی جہاں بھی کسی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی ان کے سامنے لیا۔ ایک رقت کا عالم اقبال کی ذات پر طاری ہو جاتا ہے۔ پھر آنسوؤں کا اک بحر مسلسل.....! بلاشبہ محبوب کے سامنے بے قابو ہو جانے کی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔ ان کی درج ذیل رباعی اس ذات سے محبت و عقیدت کی گواہ ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے.....
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا!
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر.....
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ!

یہ واقعہ جب بھی پڑھوں آبدیدہ ہو جاتی ہوں.....

جب اقبال گول میز کانفرنس سے واپس آئے تو فقیر سید وحید الدین ان سے ملنے گئے بڑی مدت کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ لہذا تپاک بھی خوب تھا۔ ڈاکٹر صاحب

سے ان کے سفر کے تجربات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ مرحوم نے دوران گفتگو پوچھا۔ "اقبال یورپ ہو آئے مصر، فلسطین کی سیر کی۔ کیا اچھا ہوتا واپسی پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بھی آنکھیں نورانی کر لیتے۔" یہ سنتے ہی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب کی حالت غیر ہوگئی۔ چہرے پر زردی چھا گئی اور آنکھوں سے ایک سیل رواں ہوگیا.....! کہنے لگے "فقیر میں کس منہ سے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوتا۔"

سرور کونین سے ان کے والہانہ عشق کا اندازہ ان کے خطوط سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ نیاز الدین کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "قرآن مجید کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت پیدا ہو۔"

وہ عشق و مستی جس کو اقبال نے انسان کے ارتقاء کے لیے لازم گردانا ہے کیونکر حاصل ہوتی ہے محض عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے، فرماتے ہیں کہ یہ سرشاری و سرمستی آفتاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار و تجلیات کی ایک کرن ہے۔ یہ نصیب میں آ گئی تو سب کچھ مل گیا۔ جب تک اس کا سوز انسان میں موجود ہے۔ اس وقت تک اسے حقیقی زندگی میسر ہے، یہی قوت ہے جس سے عشق و ایمان میں پختگی آتی ہے۔"

زیست کے آخری سال میں گداز اتنا تھا کہ ہچکی بندھ جاتی، آواز بھرا جاتی، بہت دیر تک مکمل سکوت طاری رہتا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے.....
دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کر دے.....!

عشق محبوب کی نگاہ سخن کی پہنا ہے۔ جس کی ہر ہر پرت قالب کو پرنور کر دیتی ہے، کسی شعر کی مقدس روح کی طرح.....! عشق کی تجسیم اس روحانی تخلیق کی ثمر تاثیر ہے جو اس تبسم سے پھوٹتا ہے جو آنسوؤں میں مخفی نمی کو پلک جھپکتے چرا لیتی ہے۔ جس کی غذا قلب محبوب اور پیاس دیدار محبوب، جس کا مذہب صرف اور صرف محبوب کی تابعداری ہے پھر اقبال اس ذات اقدس کے عشق میں کیونکر نہ پور پور ڈوبتے.....!

اقبال کی نذر میرا حقیر سا ہدیہ عقیدت:

بے ساختگی، فکری معنویت، دلکشی اقبال کے کلام میں ہے.....

ہجر و وصال، آہ و بقا کی داستاں پیغام میں ہے.....!
عشق رسول ہو یا محبت کا جاوداں قصہ کوئی.....
پڑھ کر بنی نوع اک درد نا تمام میں ہے.....!
خلیفۃ اللہ فی الارض سے مرد مومن کو آگاہ کیا.....
دکھائی نئی ریاست کی راہ اسلام کے نظام میں ہے!
انقلابی افکار سے برپا کیے انقلاب نوجوانوں کی زندگی میں.....
انقلاب بتاتے ہیں تیرا بڑا ہاتھ پاکستان کے قیام میں ہے!
واللہ! دردمندی، کرب و ضرب، سوز و گداز شاعری میں .....
رورہا، تڑپ رہا جیسے کوئی کرب ناتمام میں ہے،
اسرار و رموز، زبور و نجم، پس چہ باید کرد.....
فارسی، اردو شاعری کی آبرو مجموعہ کلام میں ہے!
ہیں کتنے شعراء گمنام عشق و عاشقی کے تذکروں میں.....
اشعار کا تیرے چرچا ہر خاص و عام میں ہے.....!

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

ہماری دوستی اک سوال

وقتاً فوقتاً ہمارے حلقہ احباب میں یہ سوال اٹھتا رہا کہ میں اور پروین ایک دوسرے کی بہترین دوست کیسے ہوسکتی ہیں؟ کیونکہ ہم دونوں کی Repute میں کہیں بھی مماثلت نہ تھی، اس سوال پر میں نے بارہا سوچا کہ بات تو سچ ہے کہ ہم دونوں کے نظریات میں زمین آسمان کا لامتناہی فاصلہ ہے۔

پروین ایک مشرقی لیکن آزاد خیال، اپنے حقوق کی طلب میں بے باک اور بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کی مالک ہونے کے ساتھ اپنی زندگی سے بے حد محبت کرنے والی خاتون تھی۔ جدت پسندی اس کی شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اپنی ذات میں مقید خود مرکزیت کے دیس کی ملکہ تھی۔ خوابوں کی دنیا میں اپنے تخیل کے اردگرد گھومنے والی ہستی تھی پھر شوہر کی محتاجی سے انکار اور ظلم کے خلاف قلمی احتجاج نیز اپنے زور بازو پر مکمل بھروسہ رکھنے والی پروین سے میں بالکل برعکس تھی۔

میرے لیے معاشرتی قدریں اور روایات پر راضی برضا ہونا اور حقیقت کی دنیا کے اصولوں اور قانون کی قدردانی کرنا قطعاً ناممکن اور مشکل نہ تھا میرے لیے اس معاشرے کے رسم ورواج اچھوتے نہ تھے میں ان ہی پر گامزن تھی اور مجھے ہوم میکر خاتون کہلوانے پر بے پناہ فخر تھا۔ میری زندگی گھر تک محدود تھی۔

اپنے گھر کو جنت کا گہوارہ بنانا میرے ایمان کا حصہ تھا۔ مجھے مشرقی عورت ہونے پر ناز تھا۔ شوہر کے نام سے میری شناخت تھی، جس کا میں تہہ دل سے احترام کرتی تھی۔ ایک وقت تھا کہ مجھے لکھنے سے عشق تھا۔ میں نے جب محسوس کیا کہ اپنے ہم سفر کے ساتھ میں اس بدعت کو شامل نہیں کرسکتی تو میرے پیشن (Passion) کی نوعیت بدل گئی جبکہ پروین ایک عام خاتون نہیں تھی۔ اس کی سوچ مختلف تھی کہ عورت چاہے ڈگریوں کے انبار پر کھڑی ہو اگر شوہر کی قید میں، بیوی کے روپ میں خوش ہے تو وہ کم ہمتی کے اس کردار کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنی منفرد رائے کو اہمیت دینے والی خاتون تھی، اس کے مزاج میں لچک نہیں تھی۔ وہ جو سوچ لیتی تھی اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتی تھی۔ وہ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے میں فخر محسوس کرتی تھی۔ میں اس کے برعکس اپنی زندگی پر قانع تھی جو معاشرے نے مجھے بخشی تھی پروین کو زندگی میں ہر وقت نئے پن کی تلاش رہتی تھی۔ وہ تھوڑے کو بہت سمجھ کر صبر و شکر کرنے کے سخت خلاف تھی اس میں بغاوت و سرکشی کے بے تحاشا بیج موجود تھے اس کے رویے سے وجود میں انکار و اعتراض کے جراثیم بھی وافر مقدار میں پائے گئے تھے۔

کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

شعر تو سچ کہہ گئی۔

وہ دوسروں پر بھروسہ اور یقین کرنے کے بعد سبق سیکھتی تھی جبکہ میں پہلے درس لیتی، سوچ و بچار کرتی اور پھر یقین و اعتماد کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے والی خاتون تھی۔ اس میں اور مجھ میں یہ مشترک بات تھی کہ جب بھروسہ کرلیا تو پھر شک نے کبھی اس رشتے کو کمزور نہ کیا پھر اسے نبھایا گیا۔ کہیں دوسروں کی خامیوں سے چشم پوشی سے تو کبھی خوبیوں کی ستائش سے اور دوسرا مجھے لکھنے سے عشق تھا جو حالات کے دھارے میں بہہ کر کبھی میرے اندر شان بے نیازی سے براجمان رہا، میں نے ہار مانی تھی۔ وہ ہار ماننے والی نہیں تھی لیکن وہ شاعرہ تھی جبکہ میرا واسطہ پڑھنے تک محدود تھا۔ ہمارے فرقے میں بھی فرق تھا، میں عبادت گزاری میں سکون حاصل کرتی تھی وہ رو کر اور شعر لکھ کر دل کا بوجھ ہلکا کیا کرتی تھی۔ مجھے سیاست سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ وہ سیاست کے موضوع پر گھنٹوں بات چیت کرسکتی تھی شخصیات میں اتنا تضاد ہونے کے باوجود ہماری دوستی مستحکم اور گہری کیوں تھی؟

ہمیشہ بزرگوں کی زبانی سننے میں آیا ہے اور کتابوں میں بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ دوستی ہم خیالی، ہم آہنگی اور ہم کلامی کا نام ہے ہم دونوں کی دوستی کی بنیادوں میں یہ سب کچھ

نہیں تھا پھر بھی کیا وجہ تھی کہ ہمیں ایک دوسرے کا احساس تھا، ہمدردی تھی اور ایسا اُنس و لگاؤ تھا جو خونی رشتوں سے بھی مفقود ہو چکا ہے۔

یہ میرا تجربہ ہے کہ ایک دوسرے کی شخصیت و کردار میں کمی بیشی کو متوازن رکھنے کا نام دوستی ہے اس کی تنہائی، اذیت اور بھرپور ماضی اور حال کی بے یقینی ہماری دوستی کا بہانہ تھی۔ اس کے دکھوں اور غموں نے میرے اندر گہرا احساس بیدار کر دیا تھا۔ یہ وہ عالم ہے جب کوئی کسی کی پیشانی پر چسپاں جھوٹے الزامات کی سیاہی کو مٹانے کو اپنا فرض سمجھنے لگتا ہے۔ میں نے دوستی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو چوم لیا تھا اور خود سے عہد وفا لیا تھا، پروین کی زندگی میں روز مرہ درپیش آنے والے تمام مسائل کو حل کرنے کا حلف اٹھایا تھا اور میں پروین آپا کی رہنمائی میں چل پڑی تھی۔ ہماری دوستی پختہ ہوتی چلی گئی اور مثالی بن گئی۔

ہم دونوں میں مشرقی عورت کی بے شمار خصلتیں ایک دوسرے سے مشابہ تھیں میرا شاعرانہ مزاج نہ سہی عام رنگ تو ایک جیسا ہی تھا۔ دوستی کے لیے چند بنیادی اصول بہت اہم سمجھے جاتے ہیں جنہیں میں نے نظر انداز کیا تھا کیونکہ میرا یقین ہے کہ غیر مشروط رشتے ہمیشہ زندۂ جاوید رہتے ہیں۔ انسانیت سے دوستی حقیقی عبادت ہے اور ایک ایسی خاتون جسے بھیڑیوں سے محفوظ رہنے کی چاہ ہے تو پھر ہم اس ناتے اس کے ہمدرد اور مربی دوست کیوں نہ بنیں؟ آخر ہم سب عورتوں کی عزت تکریم ایک ہی تو ہے۔ وہ عموماً مجھ سے مذاق کیا کرتی تھی کہ طبعاً تضاد ہو تو دوستی بے چاری آدھے رستے میں ہی دم توڑ جاتی ہے۔" رف مجھے اس دن سے خوف آتا ہے جب آپ مجھ سے تنگ پڑ جائیں گی کہ پروین تو ہے ہی سر پھری، بادلی اور نادان۔

اللہ کی شان رف! ایسا بھی ہوتا ہے آپ کی اور میری دوستی کا فیصلہ خالصتاً خدائی ہے، ہم دونوں کا کمال نہیں ایک مشرق ہے تو دوسرا مغرب پھر یکجائی ہے تو کمال کس کا ہوا۔

میں سوچنے لگتی کہ مجھے لکھنے سے عشق تھا وہ تو سکتا ہے مگر اس کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوٹ نہیں سکتا، شاید میرے اندر دبے ہوئے اسی جذبے نے پروین سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ آخر یہ جذبے تو یکساں تھے ناں۔

کئی بار میں اسے چھیڑنے کے انداز میں سوال کیا کرتی تھی کہ آپ کی شاعری میں عورت کو اظہار محبت کی اجازت ہے بلکہ معاشرے، خاندان اور گھرانے کی تمام روایات و اقدار کے خلاف قدم اٹھانے پر زور دیا گیا ہے۔ اندھی، بہری اور بے زبان، بے ضرر مخلوق اس کے برعکس دوسرا راستہ اختیار کرتیں جس میں عورت بالحاظ مروت اور صبر و تحمل سے اپنے حقوق حاصل کر پاتی، عورت کی زندگی کو آپ نے خواہش وصل، حصول وصل اور تسکین تک ہی محدود کیوں کر دیا؟ میں مانتی ہوں کہ محبت اور عشق تو باری تعالیٰ نے بھی اتنی بڑی مخلوق میں سے ایک سے کیا تھا۔ وہ ہمارے پیارے نبی ﷺ تھے اس کے باوجود ان پر بے حساب ذمہ داریاں عائد کر دیں۔ آج کی عورت اپنی ذمہ داریوں کو پہچاننے کے بجائے اسے ظلم و بے انصافی کیوں گردانتی ہے اور آپ بھی اسی میں شامل ہیں۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

یار چھوڑو یہ عشق و محبت کے درس اور حقیقت کی دنیا کی باسی بن کر دیکھو، ذہنی سکون بھی ہے اور دلی تسکین و طمانیت بھی خوب ہے مگر وہ شاعرہ تھی میرے خیالات سے اختلاف کرتی، "شاعری محبت و عشق کا دوسرا نام ہے۔" وہ ہنستے ہوئے جواب دیتی، "ایک شرط ہے رف! مجھ سے ذرا سیدھی انگلیوں سے نکال کر دکھایئے تو شاعری کو خیر باد کہہ دوں گی۔"

لاجواب کرنے میں خوب ماہر تھی۔ طولانی تمہید اور بحث و مباحثے سے پرہیز کیا کرتی تھی اس کے ٹھوس دلائل ایسے وزنی ہوا کرتے تھے کہ بحث طول نہ پکڑ پاتی تھی۔ جلد سمٹ جاتی تھی۔

بزمِ سخن

سمیہ عثمان

ثناء ریاض چوہدری.....بوسال سکھا
عرش والے میری توقیر سلامت رکھنا
فرش کے سبھی خداؤں سے الجھ بیٹھی ہوں

حنا ارشد.....لاہور
آئے بہار کبھی تو میرے آنگن بھی
خزاں کے زرد پتے اٹھا اٹھا تھک گئی

انعم زہرہ.....ملتان
میں جب بھی بات کرتی ہوں تو اس کا ذکر ہوتا ہے
پر اس کے ذکر سے اب پیار کی خوش بو نہیں آتی

مدیحہ نورین مہک.....گجرات
میری حیات کے سارے سفر پر بھاری ہے
وہ اک پل جو تیری چشم اعتبار میں ہے

ندا افتخار.....چشتیاں
چند کلیاں نشاط کی چن کر
مدتوں محو یاس رہتا ہوں
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

گلشن چوہدری.....گجرات
غم زندگی نے لا کر ہمیں اس جگہ پر مارا
جہاں اس طرف کنارہ نہ ہے اس طرف کنارہ
یہ عجیب سا جہاں ہے یہاں سے ڈسے ہوئے ہیں
کوئی دشمنی کا مارا کوئی دوستی کا مارا

یاسمین کنول.....پسرور
کیسی رت ہے عجیب ساون کی
جس کی بارش سے دوستی ہی نہیں

سیدہ حیا عباس کاظمی.....مرالی تلہ گنگ
دھواں دھواں ہیں فضائیں اکیلی شام کے ساتھ
سلگ رہی ہیں ہوائیں اکیلی شام کے ساتھ
فضا میں پتوں کی مانند اڑتی رہتی ہیں
میری تمام وفائیں اکیلی شام کے ساتھ

شاہ زندگی.....مانسہرہ
بے موت مرجاتے ہیں
بے آواز رونے والے

سیدہ لوبا سجاد.....کہروڑ پکا
کیا کہا تیری بات اور ہمیں بری لگے؟
بس یہی آک بات بری لگی تیری

ارم ریاض.....برنالی
میں بھی اپنے آپ کو بھلائے ہوئے پھرتا ہوں بہت
آئینہ اس نے بھی کچھ روز نہ دیکھا ہوگا

مدیحہ نورین مہک.....گجرات
نجانے کیا ہے کسی کی اداس آنکھوں میں
وہ منہ چھپا کے بھی جائے تو بے وفا نہ لگے

ندا مسکان جٹ.....۱۳۳ جنوبی
اتنا آسان نہیں لفظوں پر بھروسا کرنا
گھر کی دہلیز پکارے گی جدھر جاؤ گے

ملالہ اسلم.....حاصل پور
آج پھر بجھ گئے جل جل کر امیدوں کے چراغ
آج پھر تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا

کرن شہزادی.....مانسہرہ
اس آخری نظر میں عجب درد تھا منیر
جانے کا اس کا رنج مجھے بارہا رہا

عشبہ خان.....بھیر کنڈ
جن پر ہوتا ہے دل کو بھروسا تابش
وقت پڑنے پر وہی لوگ دغا دیتے ہیں

اسما صدیقہ.....خانیوال
انیس دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کر کہاں سامنے ہوا کے چلے

انعم خضر.....حافظ آباد
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
کرن شہزادی.....ماسکہرہ

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے یہ انصاف نہیں ہے
سمعیہ رانی.....ملتان

خاموش فضا تھی کہیں سایہ بھی نہ تھا
اس شہر میں کوئی ہم سا تنہا بھی نہیں تھا
کس جرم میں چھینی گئی مجھ سے میری ہنسی
میں نے تو کسی کا دل دکھایا بھی نہ تھا
سید ابراہیم شاہ.....صوابی

میں جس کے لیے ہوں اس کے لیے مخلص ہوں
میں نہیں دیکھتا کسی اور کو محبت کی نظر سے
شازیہ ہاشم میواتی.....قصوری

تمہاری یاد بھی محسن کسی مفلس کی پونجی ہے
جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں
عائشہ بشیر.....کھاریاں

جسے بارش پسند نہ تھی نجانے کیوں آج دیر تک
تنہا دسمبر کی بارش میں بھیگتا رہا
وقاص عمر.....حافظ آباد

خواب پوش آنکھوں کو کون سمجھائے
خواہشوں کی بستی میں رت جگے مسلسل ہیں
ملالہ اسلم.....حاصل پور

نگاہ یار نے آخر کیا سحر پھونکا
اب نہیں آتا دل کو کسی صورت چین
عائشہ کنول.....جہلم

عکس تو موجود تھے پر عکس تنہائی کے تھے
آئینہ تو تھا مگر اس میں تیرا چہرہ نہ تھا
اقصیٰ نور.....کراچی

غم حیات نے فرصت نہ دی سنانے کی
چل تھے ہم بھی محبت کی داستاں لے کر
سحرش آفتاب.....کہروڑ پکا

کچھ اور بھی ہیں کام ہمیں اے غم جاناں
کب تک کوئی الجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے
ثمرینہ خان.....ڈگری، سندھ

آنسو بھی ہیں آنکھوں میں دعائیں ہیں لب پر
بگڑے ہوئے حالات سنور کیوں نہیں جاتے
عشرت جنید.....میرپور خاص

اب کے بھی تیرے لیے جان سے گزر جائیں گے ہم
ہم نے پہلے بھی محبت میں سیاست نہیں کی
مدیحہ نورین مہک.....گجرات

روز دریا میں بہا دیتا ہوں پھول اس کے لیے
وہ جو اک شخص کنارے سے پرے رہتا ہے
سدرہ.....ملتان

اصول محبت میں تم خود بے وفا ہو محسن
وہ جو بچھڑا تو تم مر کیوں نہیں گئے
تہمینہ ارشاد.....قصور

میرے یہ ہجر و وصال سارے تم سے تم تک
صبح و شام اور ماہ و سال سارے تم سے تم تک
عشق سفر میں جو گزرتے رہے مجھ پر
خوشی اور غم کے وہ حال سارے تم سے تم تک
سمیرا گل ناز یوسف.....کراچی

خواہش کر لی تو کون سا گناہ کر لیا ہم نے
لوگ عبادت میں پوری کائنات مانگ لیتے ہیں
پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

پہلے تراشا کانچ سے اس نے میرا وجود
پھر شہر بھر کے ہاتھ میں پتھر تھما دیے

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

مٹر پلاؤ

اجزاء:۔

مٹر (چھلے ہوئے)	دو پیالی
سیاہ زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
دہی	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچ ثابت	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
گھی	ایک پیالی
یخنی بنانے کے لیے	
لہسن کی ثابت گٹھی	ایک عدد
تیز پات	ایک عدد
سونف	ایک چائے کا چمچ
باسمتی چاول (بیس منٹ کے لیے بھگو دیں)	ایک کلو
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
چھوٹی الائچی	چار عدد
پیاز درمیانی سائز	چار عدد
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت کالی مرچ	چھ عدد
ادرک	ایک چھوٹا ٹکڑا
ثابت دھنیا	آدھا کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

سب سے پہلے ایک دیگچی میں چھ پیالی پانی ادرک، ثابت لہسن، تیز پات، سونف، کالی مرچ اور تھوڑا سا نمک ڈال کر یخنی بنالیں تقریباً چار پیالی یخنی رہ جائے۔ ایک دیگچی میں گھی ڈال کر گرم کریں پھر پیاز ڈال کر سنہری کرلیں، جب سنہری ہوجائے تو آدھی نکال کر اخبار پر پھیلا دیں تاکہ خستہ ہوجائے اور آدھی میں پسا ادرک، لہسن، دہی، مرچ، سیاہ زیرہ ڈال کر ہلکا سا بھون کر مٹر ڈال دیں، مٹر آدھی گل جائے تو یخنی ڈال دیں جب جوش آجائے تو بھیگے ہوئے چاول اور کھانے کا چمچ سفید سرکہ اور نمک ڈال دیں، ڈھکن ڈھانپ کر پکنے دیں جب پانی خشک ہوجائے تو دیگچی کو توے کے اوپر رکھ دیں۔ پانچ منٹ تیز آنچ پر پھر ہلکی آنچ کردیں جب بھاپ اوپر آجائے تو مٹر پلاؤ تیار ہے۔ گرم گرم پلاؤ دہی کے رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

نازیہ علی.....اوکاڑہ۔سندھ

گاجر کا حلوہ

اجزاء:۔

گاجر	ایک کلو
سوکھا دودھ	ایک کپ
چینی	ایک کپ
کھویا	ایک پاؤ
الائچی	چار عدد
بادام	پندرہ دانے

ترکیب:۔

گاجر کو کدوکش کر کے ابال لیں، اب گھی میں الائچی ڈال کر اس میں گاجر ڈال کر بھونیں پھر چینی ڈال کر پندرہ منٹ بھونیں اور سوکھا دودھ ڈال کر بھون لیں تاکہ گھی علیحدہ ہوجائے۔ پھر کھویا ڈال کر مکس کریں اور اتار کر چھلے ہوئے بادام اور ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ پیش کریں۔

دیا مرزا.....کراچی

سوجی ملائی ٹوسٹ

اجزاء:۔

بریڈ سلائس	چھ عدد
سوجی	ایک کپ
کریم	ایک کپ
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)	دو کھانے کے چمچ

سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر حجاب ✿✿ نومبر ۲۰۱۸ء 202 سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر سلگرہ نمبر

پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی)	تین چائے کے چمچ
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)	تین چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
تیل	تلنے کے لیے
مکھن	حسب ضرورت

ترکیب:۔

بریڈ سلائس کے کنارے کاٹ دیں۔ ایک بڑے پیالے میں سوجی، کریم ٹماٹر، پیاز، بند گوبھی، شملہ مرچ، نمک اور کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ بریڈ سلائس کے ایک طرف مکھن لگائیں دوسری طرف یہ آمیزہ لگائیں تلنے کے لیے برتن میں تھوڑا سا تیل گرم کریں اور پہلے بریڈ سلائس کا مکھن والا حصہ فرائی کریں پھر پلٹ کر آمیزے والا حصہ فرائی کریں، یہ ڈش بچوں کو بہت پسند آئے گی اگر چاہیں تو اس میں ہری مرچ اور ہرا دھنیا بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

لاہوری برفی

اجزاء:۔

مکھن	آدھا کپ
بیسن	ایک کپ
سوجی	ایک چوتھائی کپ
چینی	ایک کپ
الائچی	چار عدد
بادام، پستہ	حسب ضرورت
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب:۔

کسی برتن میں مکھن کو پگھلائیں اور بیسن، سوجی ڈال کر ہلکی آنچ پر بھونیں۔ چینی اور الائچی کو باریک پیس لیں۔ اس میں چینی الائچی ڈال کر بھونیں اچھی طرح بھن جائے اور خوشبو آنے لگے تو کیوڑا ملا کے کسی ڈش یا ٹرے میں گھی لگا کر بیسن کا آمیزہ ڈال کر ہلکے ہاتھ سے دبائیں اور کٹے بادام پستے چھڑک دیں۔ ٹھنڈا ہو جائے تو برفی کے ٹکڑوں کی طرح کاٹ لیں۔

سحر تبسم سحری..... محلہ مغل پورہ

بیکڈ قیمہ

اجزاء:۔

قیمہ	تین پاؤں
دودھ	ایک کپ
انڈے	دو عدد
سبز مرچ	تین عدد
پیاز	ایک عدد
ہرا دھنیا	آدھی گڈی
لہسن	دو جوے
ادرک (پسا ہوا)	دو چمچ
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

انڈے توڑ کر پھینٹ لیں اور اس میں دودھ شامل کرلیں پھر اس میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے قیمہ اور سارا کترا ہوا مسالہ، مرچ اور نمک بھی شامل کر کے مکس کرلیں اب ایک ٹرے یا کسی سانچے کو چکنا کر کے سارا مسالا ملا ہوا قیمہ اس میں بھر کر اوون میں یا آگ پر ایک گھنٹے تک پکائیں۔ تیار ہونے پر ڈش میں نکال لیں، ابلے ہوئے انڈے اور ٹماٹر سجا کر پیش کریں۔

نجم انجم اعوان..... کراچی

مچھلی کے کباب

اجزاء:۔

مچھلی (ابال کر کانٹے نکال لیں)	آدھا کلو
آلو (ابال لیں)	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
اجوائن	ایک چٹکی
سرخ مرچ	حسب ذائقہ

دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ کٹی ہوئی	دو عدد
گرم مسالا پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچ
گھی	تلنے کے لیے
انڈے اور ڈبل روٹی کا چورا	کوٹنگ کے لیے

ترکیب:۔

مچھلی ابلی ہوئی لے کر اس کو اچھی طرح سے مسل کر ابلے ہوئے آلو کو اس میں مکس کرلیں اس طرح کہ مچھلی بالکل آلو کے ساتھ مل جائے اس کے بعد تمام مسالوں کو اچھی طرح مکس کرلیں اور ہتھیلی پر دبا دبا کر گول کباب کی شکل دے دیں۔ ان کو اس طرح فریز بھی کیا جاسکتا ہے اب ان ٹکیوں کو گھی گرم کر کے تل لیں۔ مچھلی کے کباب تیار ہیں۔

گلشن چودھری..... گجرات

مونگ کی دال کا حلوہ

اجزاء:۔

مونگ کی دال (دو گھنٹے کے لیے بھگو دیں)	ایک کلو
بنا سپتی گھی	آدھا کلو
بادام پستہ	ایک چھٹانک
کھویا	ایک پاؤ
الائچی	پانچ دانے
شکر	چھ سو گرام
پانی	آدھا لیٹر

ترکیب:۔

مونگ کی دال کو گرائنڈر میں پیس لیں، اب ایک کڑاہی میں بنا سپتی گھی اور دال ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں اور برابر چمچ چلاتی رہیں تاکہ دال کڑاہی میں چپک نہ جائے۔ اب ایک کڑاہی میں پانی شکر کھانے کا پیلا رنگ (چٹکی بھر) اور الائچی (کوٹ کر) ڈال کر چولہے پر رکھ ابال لیں اب اسی پانی کو دال میں ملا دیں اور درمیانی آنچ پر اتنا پکائیں کہ اس کا پانی خشک ہوجائے لیکن چمچ کو برابر چلاتی رہیں پھر اس میں کھویا ڈال دیں اور پانچ منٹ تک پکائیں اور ڈش میں نکال لیں۔ بادام پستہ سے سجا کر پیش کریں۔

وریشہ سہیل..... گجرات

دال مکھنی

اجزاء:۔

کالی مونگ کی دال	۱۵۰ گرام
لال مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچ
چنے کی دال	۱۵ گرام
مکھن	۱۲۵ گرام
ٹماٹر پیوری	آدھا کپ
پسا ہوا لہسن	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہینگ	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
پسا ہوا ادرک	ایک کھانے کا چمچ
کریم	تین چوتھائی کپ

ترکیب:۔

دونوں دالوں کو صاف کر کے رات بھر کے لیے پانی میں بھگو دیں ایک برتن میں تقریباً دو لیٹر پانی ڈال کر گرم کریں اور بھیگی ہوئی دالوں کا پانی نکال کر گرم پانی میں ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ وہ تہائی پانی خشک ہوجائے۔ دوسرے پین میں مکھن ڈال کر گرم کریں اور ہینگ ڈال کر ساتھ ہی ادرک لہسن اور ٹماٹو پیوری، لال مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر فرائی کریں۔ پھر کریم ڈال کر مکس کریں اور ابلی ہوئی دالیں ڈال کر 30 سے 40 منٹ کے لیے پکائیں تاکہ دالیں اور تمام چیزیں یکجان ہوجائیں۔ جب تیار ہوجائے تو مکھن گرم کر کے ڈالیں اور کریم ڈال کر کھانے کے لیے پیش کریں۔

سکینہ شموں..... لاہور

عالم میں انتخاب

محمد فیصل گدی

کسی کو ناز خرد ہے کسی کو فخر جنوں
میں اپنے دل کا فسانہ کہوں تو کس سے کہوں

لازوال قومی گیتوں کے خالق جمیل الدین عالی اردو شاعری کا وہ نام جنہوں نے اسلوب و اظہار کے نئے راستے دکھائے دوہے کو برصغیر کی ایک مقبول صنف بنایا اور گیتوں کو نئی زندگی دی۔

عالی جی کے اشعار بیک وقت دل اور دماغ دونوں سے تخاطب کرتے ہیں۔ اگر جذبے کا خلوص اور تازگی دل پر اثر انداز ہوتی ہے تو انداز بیاں کی شوخی ذہن کو چھیڑتی ہے۔

حقیقتوں کو فسانہ بنا کے بھول گیا
میں تیرے عشق کی ہر چوٹ کھا کے بھول گیا
ذرا یہ دوری احساس حسن و عشق تو دیکھ
کہ میں تجھے تیرے نزدیک آ کے بھول گیا
اب اس سے بڑھ کر بھی وارفتگی دل کیا ہو
کہ تجھ کو زیست کا حاصل بنا کر بھول گیا
بہائے تھے جو غم آرزو میں برسوں تک
ان آنسوؤں کو فقط مسکرا کے بھول گیا
دل و جگر ہیں کہ گرمی سے پگھلے جاتے ہیں
کوئی چراغ تمنا جلا کے بھول گیا

عالی کی شاعری ان کی شخصیت کا مکمل اظہار ہے لیکن عالی کی شخصیت اور شاعری میں اتنے مختلف رنگ موجود ہیں کہ ان کے کلام سے بے زاری نہیں ہونے پاتی اور یہ رنگا رنگی بذات خود ایک پر لطف چیز ہے۔ ان کے کلام کی سادگی اور معصومیت کمال کی ہے۔

بھٹکے ہوئے عالی سے پوچھو گھر کب واپس آئے گا
کب یہ در و دیوار سجیں گے کب یہ چمن لہرائے گا
کچھ چھوٹے چھوٹے دکھاپے کچھ دکھاپے عزیزوں کے
ان ہی سے جیون بنتا ہے سو جیون بن جائے گا

.....☆☆.....

ہزار وہ سہی محبوب ہے مری ہی طرح
نظر خلوص مجسم زباں بہت بے باک

الم ہو یا نشاط کامیابی ہو یا محرومی، کسی چیز کے بیاں میں ان کی آواز ڈر سے کپکپاتی نہیں، وہ ہمیشہ جم کر بولتے ہیں۔ جذبات کے مشاہدے اور موازنے سے ان کے یہاں ایک حد تک مضمون آفرینی کا رنگ بھی آ گیا ہے۔ ان کے انداز بیاں میں جو نفاست شگفتگی اور بانکپن ہے اپنی ہستی پر ناز ہے وہ ان کی شاعری کو ایک ایسی شوخی، چلبلا پن اور طربیہ کیفیت بخشتا ہے جو فی زمانہ خال خال نظر آتی ہے۔

عمر بھر بہ آسانی بار غم اٹھانے سے
ان پہ اعتبار آیا خود کو آزمانے سے
اس ہجوم میں تجھ کو کیا خبر ہوئی ہوگی

کس کو کیا تعلق تھا تیرے آستانے سے
ہاں تو ان کی خاطر سے کیوں تراوشیں کرتے
جس طرح وہاں گزری کہہ گئے زمانے سے
جب بھی بزم عالم میں کوئی فتنہ اٹھتا ہے
یا تمہاری محفل سے یا غریب خانے سے
سلسلہ یہی ہوگا رخ بدلتے جائیں گے
میں تیری حقیقت سے تو مرے فسانے سے

شاعری کا کمال یہ ہے کہ جو بات آپ نثر میں کہتے ہیں وہ دو مصرعوں میں اس کمال خوبی سے ادا ہو جاتی ہے کہ بات کا حسن بھی رہ جاتا ہے اور جذبات کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ عالی جی کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ یہاں ترنم اور شعریک جان ہیں۔ اپنی آواز اور آہنگ کو شعر میں سمو دینا کوئی معمولی بات نہیں، جذبے اور خیال کی اس سادہ سی آمیزش کا زیر نظر غزل پڑھ کر لطف اٹھائیے۔

یہی نہیں کہ تیری تمنا کا سلسلہ نہ رہا
مگر یہی کہ تیرا تذکرہ نہ رہا
امید رکھیں گے اب تیری بے نیازی سے
کرم تو خیر کرم ہے رہا رہا نہ رہا
سو اور کچھ تو نہ بگڑا تیری محبت میں
یہی ہوا کہ محبت کا حوصلہ نہ رہا
تجھ تو شوق وفا ہے مگر خدا کے لیے
میں کیا کروں گا اگر مجھ سے تو خفا نہ رہا
اس ابتدا کے لیے تماشے کہاں کہیں عالی
جس ابتدا میں ہمیں شوق انتہا نہ رہا

عالی جی کے کلام میں جذبات کا بہاؤ عروج پر نظر آتا ہے وہ کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ جذبات کا بے لاگ طریقے سے اظہار کرنے کی بدولت ان کے کلام میں سادگی اور معصومیت کا عنصر پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے ہاں محبوب کے مقابل اکڑنے کے بجائے اپنی ہستی پر ناز کرنے کی ادا نے ان کے کلام میں شوخی پیدا کر دی ہے۔

نظروں سے بصیرت کی نہاں کچھ بھی نہیں ہے
سب کچھ ہے جہاں اور جہاں کچھ بھی نہیں ہے
ہم مٹ گئے اس فطرت آشفتہ کی خاطر
حالانکہ وہ غارت گر جاں کچھ بھی نہیں ہے
دل کی جو نہ کہیے تو زباں کاشف اسرار
اور دل کی جو کہیے تو زباں کچھ بھی نہیں ہے
دل والوں کو دل والوں سے ہے حرف و حکایت
ظاہر میں محبت کا نشاں کچھ بھی نہیں ہے
یہ عشق کہ ظاہر ہو تو ہل جائیں دو عالم
جز چند اشارات نہاں کچھ بھی نہیں ہے
مجھ خوگر بے گانگی دوست کو عالی
بے گانگیٔ اہل جہاں کچھ بھی نہیں ہے

عالی کے ہاں نشاط ہی نہیں بلکہ الم بھی ایک مہک رکھتا ہے۔ ان کا ایک گیت پیش خدمت ہے جو جیتے جاگتے احساسات کا اظہار ہے۔

آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

کتنے اچھے کتنے پیارے
کیسے کیسے دوست ہمارے
کیا کیا باتیں کرجاتے ہیں
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

کتنے گہرے تال پرانے
جن سے یوں منسوب افسانے
بس اک بوند سے بھر جاتے ہیں
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

کیا کیا بانکے مرد جیالے
کن کن آدرشوں کے پالے
کس کس چیز سے ڈرجاتے ہیں
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

آدم سے عالی تک آئے
سب کے سب اک جیسے پائے
پیدا ہو کر مرجاتے ہیں
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

عالی جی کے دوہے بھی اپنی جگہ ایک الگ لطف رکھتے ہیں، دوہوں میں ان کی حیثیت شاہد کی رہی ہے جو زندگی کی رنگارنگی سے لطف لیتا ہے اور آگے چل پڑتا ہے۔ عالی جی کے دوہوں میں موجود رچاؤ اور بے ساختگی اچھی مثال آپ ہے۔

اک گہرا سنسان سمندر جس کے لاکھ بہاؤ
تڑپ رہی ہے اس کی اک اک موج پہ جیون ناؤ
کیا جانے یہ چلی کہاں سے اور کہاں تک جائے
کون کنارا چھوڑ آئی ہے کون کنارہ پائے

اور آخر میں ان کے کلام سے کچھ منتخب اشعار

ترے ہی طنز و تمسخر کا کیا گلہ اے دوست
ہزار بار محبت پہ خود ہنسی آئی

.....☆.....

ہمیں ان اہل سخن میں نہ کر شمار کہ یہ
فغاں بھی کرتے ہیں خوش وقتی فغاں کے لیے

.....☆.....

تجھے تو اپنی محبت سے کام ہے اے دل
یہ کیا ضرور کہ وہ تیری قدر بھی جانے

.....☆.....

بکھرے ہوئے ہیں راہ میں غم ہائے روزگار
کہیے تو ان کو ایک نظر دیکھتا چلوں

.....☆.....

دل حزیں کو کرم کی امید کرنے دے
ابھی اسے تیری مجبوریاں نہیں معلوم

شوخی تحریر

ہما ذوالفقار

قسم کی حفاظت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔" (المائدۃ ۸۹)

یہ قرآن کریم کا ایک مضبوط اصول ہے جس کا لوگوں کی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جب انسان قسم کھالے تو پھر توڑنے سے پرہیز کرے ہاں اگر قسم توڑنا ہی بہتر ہو تو پھر حفاظت کی شکل یہ ہے کہ بہتر کام کرلیا جائے اور یہ قسم اس بہتر کام کو چھوڑنے کی وجہ نہ بنے، جس کو نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی۔

جھوٹی قسم:۔

جھوٹی قسم کھانے سے باز رہنا چاہیے اس لیے کہ جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ میں سے ہے۔ اسی کو "یمین غموس" بھی کہا جاتا ہے یعنی جو قسم اٹھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی آدمی) نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے پوچھا۔ "یارسول اللہ کون کون سے گناہ "کبائر" ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔"

اس نے دریافت کیا۔ "اس کے بعد کون سا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جھوٹی قسم کھانا۔"

میں نے دریافت کیا۔ "یمین غموس" کیا ہوتی ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرلے۔"

عثمان عبداللہ..... کراچی

اللہ کی یاد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر کسی قبر پر ہوا۔ دیکھا کہ اس قبر کی میت پر عذاب ہو رہا ہے۔ کچھ عرصے بعد اس قبر پر جانا ہوا اور دیکھا عذاب اس قبر سے اٹھالیا گیا ہے۔ آپؑ نے مناجات کی "یا کریم اس بندہ پر کیونکر تو نے کرم فرمایا۔"

حکم ہوا کہ جب اس شخص نے انتقال کیا تو اس کا ایک بچہ تھا اب اس بچے کو مکتب بٹھایا گیا ہے اس کے استاد نے بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھائی تو ہماری غیرت نے نہ چاہا کہ اس کا معصوم لڑکا اپنی زبان سے ہمارا نام رحمان الرحیم لب پر جاری کرے اور ہم اس کے ماں باپ پر عذاب کریں۔

مزمل رحمان..... چیلیانوالہ

کائنات

یہ کائنات ایک حادثہ نہیں ہے حادثے میں اس قدر حسن نہیں ہوتا نہ ہوسکتا ہے کیونکہ حسن ترتیب کا نام ہے اور حادثہ کسی ترتیب کے بکھر جانے کا نام ہے۔

وقاص عمر..... بنگلہ نو حافظ آباد

لفظ لفظ حقیقت

○ جب تک انسان ٹوٹتا نہیں ہے رب سے جڑتا نہیں ہے۔

○ جو آنسو اچانک آنکھوں سے چھلک پڑیں ان کی وجہ زبان سے بیان نہیں ہوتی۔

○ کبھی کبھی اچھی چیزیں کھو جاتی ہیں تاکہ ہمیں بہترین چیزیں مل سکیں ہمیشہ اللہ پر یقین رکھو اور اس کے شکر گزار رہو۔

○ اللہ تعالیٰ اکثر ٹوٹی ہوئی چیزوں کو بڑی خوب صورتی سے کسی مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ ٹوٹ کر بکھرے بادلوں سے بارش برساتا ہے۔ زمین جب مٹی کے ذرات میں تبدیل ہوتی ہے تو اس میں غلہ اگتا ہے پودوں یا فصلوں کی ٹوٹ کر گری ہوئی قلموں یا شاخوں سے نیا پودا یا نئی فصلیں اگتی ہیں اگر آپ کا دل ٹوٹ کر ٹکڑے ہوجائے تو یقین رکھیں اللہ اب آپ سے کوئی بڑا کام لے گا۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

سنہری بات

کسی شخص کو اتنا پیار دو کہ کوئی گنجائش نہ چھوڑو اگر وہ پھر

بھی تمہارا نہ بن سکے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ محبت کا طلب گار ہی نہیں، وہ صرف ضرورت کا پجاری ہے۔ محبت کرنے والے کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی اور ضرورت مند کو کسی چیز سے محبت نہیں ہوتی۔

(شیخ سعدی)

ایمہ بٹ.....لودھراں

قابلیت اور کردار

قابلیت اور کردار زندگی میں ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قابلیت آپ کو بلندی تک پہنچاتی ہے۔ جبکہ اچھا کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔

سمیرا راجہ.....آزاد کشمیر

مارو سالے کو

ایک لڑکی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گھوم رہی تھی کہ اتنے میں اس کا شوہر آ گیا اور اس کے بوائے فرینڈ کو مارنے لگا اس کی بیوی بولی۔ "مارو اس ذلیل کو دوسروں کی بیوی گھمانے لے آتا ہے۔"

اتنے میں بوائے فرینڈ کو جوش آیا اور اس کے شوہر کو مارنے لگا۔ لڑکی پھر بولی "مارو سالے کو نہ خود گھمانے لے جاتا ہے اور نہ کسی اور کو گھمانے دیتا ہے۔"

پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

اقوال دانش

❁ موت تکلیف دہ ہے مگر زندگی سے زیادہ نہیں۔

❁ اضطراب بے وجہ نہیں ہوتا، چھوڑی ہوئی منزل، بھولا ہوا سبق اور نظر انداز کیے ہوئے فرائض یاد دلاتا ہے۔

❁ انسان مکان بدلتے ہیں، رشتے بدلتے ہیں، دوست بدلتے ہیں لیکن پھر بھی دکھی رہتے ہیں کیونکہ اپنا رویہ نہیں بدلتے۔

❁ جن لوگوں کو آپ کی موت کا غم ہو سکتا ہے ان کو کبھی غم مت دیں۔ جس سے تمہیں نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔

❁ انا پرست بھی عجب قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ٹوٹ کر بکھر کر گرتے ہیں لیکن تب بھی اپنے قدموں میں۔

❁ اگر وقت اور حالات ہمیشہ ہاتھ میں رہیں تو ہم زندگی سے کچھ نہیں سیکھ سکتے۔

❁ دنیا میں لوگ بہت زیادہ ہیں اور انسان بہت کم۔

صدف مختار، رمشا عظمت.....بوسال مصور

نہلے پہ دہلا

محبت کی جنگ کیسے جیتی جا سکتی ہے؟

رقیب کو رشوت دے کر۔

شاپنگ بیگ کیوں ایجاد ہوئے؟

کپڑا مہنگا ہونے کی وجہ سے۔

رائی کا پہاڑ کب بنتا ہے؟

بیوی کے سامنے کسی اور عورت کی تعریف کرنے سے۔

منگنی شادی مانگتی ہے اور شادی؟

آبادی۔

علیشہ خان.....بھیر کنڈ

زندگی

زندگی ایک ایسی خوب صورت تتلی ہے جو اپنے خوب صورت رنگین پر دکھا کر ہر انسان کو ورغلاتی ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے پھولوں سے لدی کیاری میں گم ہو جاتی ہے۔

رابعہ رانی.....چک بھٹی، حافظ آباد

قیمت

ایک چور نے اپنی بیوی کو سونے کا سیٹ دیا۔ بیوی خوش ہوتے ہوئے۔ "اس کی قیمت کتنی ہے۔"

چور: "تین سال قید بامشقت۔"

صائمہ مشتاق.....سرگودھا

اخلاق و کردار

پھول کا کوئی بھی نام رکھ لیا جائے مگر پہچانا تو خوش بو سے جاتا ہے۔ انسان بھی ایسا ہی ہے اس کا کوئی بھی رنگ ہو، روپ ہو، ذات ہو، قبیلہ ہو مگر پہچانا اپنے کردار اور اخلاق سے جاتا ہے۔

ثناء اجالا.....بھلوال

علی جاہ نے ریپٹ لکھوائی

گرمیوں کے دن تھے۔ سنیچر کی رات کو گھر کے خورد کلاں حسب مراتب صحن برآمدے اور سڑک کے کنارے سو رہے تھے۔ چور نجانے کب اور کیسے آئے اور جو کچھ اثاثہ ہاتھ لگا اٹھا کر لے گئے۔ ''جو کچھ'' سے ہماری مراد مذکور الصدر گھڑی اور پتلون ہے جسے پہن کر ہم نے سیکنڈ شو دیکھا تھا اور پھر اپنے کمرے میں نیند سے بے حال خود کو اس میں سے نکال کر جہاں کی تہاں پڑی رہنے دی۔ خیریت گزری کہ گھر والوں کے کپڑے لتے چوری نہیں ہوئے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ سب انہوں نے پہن رکھے تھے۔ مرزا عبدالودود بیگ نے بہت منع کیا کہ غیر رسمی چوری کی رپٹ تھانے میں نہ لکھوائیں شرفا کے لیے یہ بڑی بے عزتی کی بات ہے کہ گھر میں چور آئیں اور چرانے کے لیے کوئی رقم ہی نہ نکلے۔ بہرکیف ہم تھانے میں رپٹ لکھوانے پہنچ گئے۔ ایس ایچ او نے گھڑی کی قیمت پوچھی۔ ہم نے محتاط اندازے کے مطابق پانچ ہزار بتائی۔ چونک کر پوچھا۔ ''عالیجاہ کوارٹر کا کرایہ کیا دیتے ہیں؟'' عرض کیا پینتیس سو روپے ہمارا جواب سن کر وہ ایک معنی خیز ''ہوں عالیجاہ'' کر کے رہ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ یہاں ہر شخص ایک دوسرے کو عالیجاہ پکارتا ہے چنانچہ ایک صاحب جنہیں عالیجاہ کہہ کر مخاطب کیا جارہا تھا۔ حوالات میں جھگڑی پہن چٹائی پر مرغا بنے جوتوں سے اپنی تواضع کرا رہے تھے۔

''اور کیا چوری ہوا عالیجاہ؟''

''کچھ نہیں۔''

پتلون کا ذکر ہم نے ایف آئی آر میں قصداً نہیں کیا تھا کہ کل کلاں کو مال مسروقہ چور کے قبضے سے برآمد ہوجائے تو بھری عدالت میں ہر پیشی پر ہماری پتلون کی نمائش لگائی جائے گی اور اسے ایگزیبٹ نمبر ون کے جھنڈے پر چڑھا کر ہم سے جرح کی جائے گی کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہو کہ تم واقعی اسے ستر پوشی کے لیے استعمال کرتے تھے۔

''تو گویا دو چور صرف ایک گھڑی چرانے آئے تھے۔'' تھانیدار صاحب اپنے ڈنڈے سے کھیلتے ہوئے بولے۔

''ایسا ہی لگتا ہے۔''

''انہیں یہ کیسے علم ہوا کہ عالیجاہ کے پاس یہ انمول گھڑی ہے۔''

''خدا بہتر جانتا ہے۔''

''چوری کے کوئی عینی گواہ ہیں؟''

''وہ تو خود چور ہی ہوسکتے ہیں۔''

''اچھا تو آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ دو چور تھے۔''

''چار پاؤں کے نشان تھے۔''

''تو گویا چار پاؤں کا مطلب دو آدمی ہوتے ہیں، گھڑی کہاں رکھی تھی؟''

''ہماری پتلون میں۔''

''پتلون کہاں ہے عالیجاہ؟'' انہوں نے ہمارے پاجامے کو جس میں جمعہ کی نماز کے گھٹنے بنے ہوئے تھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''چور لے گئے۔''

''ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ کوئی اور چیز چوری نہیں ہوئی اب تفتیش کے دوران آپ اقبال کر رہے ہیں کہ پتلون بھی چوری ہوگئی یہ تو صاف سرقہ بالجبر دفعہ ۳۹۰ کا کیس ہوا تو گویا واردات کے وقت آپ نے پتلون مسروقہ پہن رکھی تھی۔''

''نہیں۔''

''آپ نے اس سرقہ کو کیوں چھپایا۔''

''کوئی خاص وجہ نہیں۔''

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اعانت مجرمانہ ہے قابل دست اندازی پولیس جرم کو چھپانا بھی جرم ہے آپ پر زیر دفعہ ۱۰۹ تعزیرات پاکستان فوجداری مقدمہ چل سکتا ہے۔ مجسٹریٹ اگر اکقیمنگ نیچر کا ہوا تو چھ مہینے کی بامشقت ہوگی۔''

حسن خیال

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ رب العزت کے نام سے ابتدا ہے جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ ہماری قارئین بہنوں نے خطوط کے ذریعے ہمیں حجاب کی سالگرہ کی مبارکباد دی' ان تمام قارئین کا شکریہ اور ان سب کا بھی جنہوں نے اس موقع پر ہمیں دعاؤں سے نوازا۔ اللہ آپ سب پر بھی ہمیشہ مہربان رہے اور ہماری اور آپ کی یہ دوستی یوں ہی قائم رہے' آمین۔

کوثر خالد سودا..... جڑانوالہ۔ پیاری جوہی و محفل حسن' السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ پرچہ میں دیری تبصرے میں دیری، بہرحال دیری کا جو بھی انجام ہو' ہم حاضر خدمت ہیں۔ ''بات چیت'' حقیقت کی آئینہ دار، ہماری تو اونچی آواز ہر اچھائی کو برائی بنا دیتی ہے' سوائے سہیلیوں اور مداحوں کے باقی سب عاجز ہیں ہماری تقریروں سے۔ ''میرے خواب زندہ ہیں۔'' تو میں بھی زندہ ہوں۔ ''محبت ان کہا قصہ'' ہی رہی۔ ''زندگی یوں بھی'' لوٹ لیتے ہیں بن کر ڈاکٹر جعلی۔ ''عشق دی بازی'' لائی اے جان دکھاں چہ پائی اے ''یہ عالم شوق کا'' دیکھا نہ جائے غریبوں کا حامی کوئی تو آئے ''اقرار کا موسم'' سندر سندر ہر دل پر حاوی ہوتا ہے ''شب آرزو تیری چاہ میں'' میری ساری عمر گزر گئی منزل ملی شب تیرگی اجڑ گئی بکھر گئی ''اک فسوں ہے تو'' اور دل کو بچاتا ہے' مجھے ''سبق'' خدا کا خاص کرم رہا' کسی واردات سے بچ گئے ''متاع درد'' سنبھال رکھیں گے'' جیسا میں نے دیکھا'' خوشبوؤں میں پلی خوشبودار پروین کی داستان حیات کبھی ختم نہ ہو، ہم سنتے ہی رہیں ''بزم سخن'' سودا تمام عمر کی دعاؤں کے طفیل دامن میں آبسا ہے۔ رسول خدا کا نقش پا تمام شعر دل میں اتر گئے ''عالم میں انتخاب'' پروین شاکر، شبنم شکیل اور انور سدید کی شاعری بہترین تھی۔ ''شوخئ تحریر'' اب کڑوی ککڑی جیسے لوگ ہم کہاں رہے۔ ہم تو بے ادب گردانے جاتے ہیں اپنی ہی نظروں میں ''حسن خیال'' خیال نگر کی محفل میں' حسن خیال لائے ہیں وہ اپنے دیوانے ہیں ہم ان کے ہمسائے ہیں۔ ہر خط ہی ایک سے بڑھ کر ایک لگتا ہے شکر ہے جواب مدیرہ بھی جگمگاتا ہے۔ تبسم بشیر ڈنگہ تم پٹھان ہو چلو پھر فون پر پشتو سکھا دو، شازیہ میواتی، دادی کو جنت الفردوس کی دعائیں پیش ہیں اور تمہیں دین کی راہ میں کامیابیوں کی دعا قبول ہو۔ ثنا بھائی کی شادی مبارک اور ثنا فرحان' اگر تم ایک بار فریدہ فری کی آواز ولہجہ سن لو تو تم مجھے بھول جاؤ گی۔ میں تو ایک بورنگ شخصیت ہوں' نصیحتوں کی پٹاری سمیت، بس دور کے ڈھول سہانے والا معاملہ ہے۔ گھر کی مرغی دال برابر، اللہ کرے ہم گھر والے بھی ایک دوسرے کو غیر سمجھ کر ہی عزت کیا کریں۔ ثنا آپ کے گھر والے کیسے ہیں مطلب لڑائی وڑائی، بحث وحث یا پیار ہی پیار کیا کوئی ایسا گھر ہے' جہاں صرف پیار ہو؟ کچھ ایسا سروے ہو تو پتا چلے۔ اب اجازت اللہ حافظ۔

☆ پیاری کوثر!

دیر لگی آنے میں تم کو شکر ہے پھر بھی آئے تو

آپ کے اتنے بہترین خط و تبصرے نے ساری کلفت دور کردی، آپ ہمیں دل کھول کر نصیحتیں کیا کریں ہم تو نصیحتوں کا بالکل برا نہیں مانتے اور پھر وہ خلوص نیت سے کی جارہی ہوں تو کیا کہنے۔ ہم اور ہماری ساری قارئین جو آپ کی اتنی عزت کرتی ہیں محبت کرتی ہیں پھر یہ دنیا والوں سے گلہ۔

رابی احمد بھٹی..... کوٹشاکر (جھنگ) السلام علیکم اس بار حجاب لمبے انتظار کے بعد یعنی کہ جب امید ہی ختم ہوگئی تھی اس وقت یعنی 14 اکتوبر کو ملا' ٹائٹل گرل کے ہینڈز اور بیئر دونوں پیارے تھے۔ بات چیت میں کون سے سلسلے پڑھنا چاہیں گی تو بھئی پہلے تو آپ ذکر اس پری وش کا دوبارہ لائیں نا کیونکہ اس کا نام بھی کچھ منفرد سا ہے نہ اور اس کے بغیر حجاب سونا سونا لگتا ہے اور ہاں شہادت اور پاک فوج کے بارے میں دو تین آرٹیکل تو لازمی ہونے دو سلسلے وار ناول ختم ہوگئے ہیں تو دو اور نئے بھی لائیں۔ ندا حسنین آپ کب تک انٹری دے رہی ہیں اب انتظار تو ختم ہونا چاہیے نا' پلیز کم ان سون، حمد و نعت بہت پسند آئیں اس کے بعد میرے خواب زندہ ہیں۔ نادیہ فاطمہ رضوی بہت ہی زبردست اینڈ کیا ہے۔ آپ نے، اللہ آپ کو مزید ترقی دے اور اسی طرح آنچل و حجاب کو مہکاتی رہیں۔ عشق دی بازی از مائی فیورٹ استوری ریحانہ آفتاب بہت بہت ہی زبردست فنٹاسٹک' ویل ڈن' آنی ویل ڈن' اقرار کا موسم از سمیرا سرفراز اچھی اسٹوری تھی۔ متاع درد مکمل ناول از بشریٰ سیال۔ یار میرے پاس الفاظ نہیں ہے کہ کس طرح میں آپ کی تعریف کروں' بہت ہی زبردست (ویری ویل) بشریٰ سیال' ناولٹ سفر زندگی یوں بھی رشک حبیبہ آپ کا بھی ناولٹ بہت ہی اچھا تھا خاص کر دل آویز نیم مجھے بہت پسند ہے۔ افسانے چاروں زبردست تھے یہ عالم شوق کا ایس اے نقوی اچھا لکھا ہے' مجھے وہ اکڑ بکڑ بمبے بو پورا یاد ہوگیا ہے۔ اچھا اب آتے ہیں بزم سخن میں سارے اشعار ایک سے بڑھ کر ایک تھے لیکن کیا کریں مجھے تو بس گنتی کے تین یا چار شعر وہ بھی فٹی آتے ہیں بس اور غزل تو ایک بھی نہیں "میرے دل کی دنیا میں آ کر تو دیکھو" یہ غزل آدھی یاد ہے۔ عالم میں انتخاب عنبر فاطمہ، لیہا رضوان، کرن شہزادی، نجم انجم، مدیحہ نورین، مونا شاہ، سمیرا سواتی ٹاپ پر رہیں۔ شوخی تحریر میں شازیہ ہاشم، مدیحہ نورین، ماہ رخ، ایس این شہزادی، مہرباں شاہ ٹاپ پر رہیں، حسن خیال میں سحر سحری، تبسم بشیر، شازیہ شازی زبردست تھیں، وقاص عمر بھائی میرے بابا جی آپ کی ہر تحریر بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ ابو جی صرف انجوائے منٹ کے لیے لیتے ہیں وہ تو اچھا بھلا ڈائجسٹ پڑھ ڈالتے ہیں پھر جب میں کوئی اسٹوری یا اور کوئی تحریر ابو جی کو سنانے لگتی ہوں تو کہتے ہیں یہ تو میں نے پڑھ لی میرے ابو جی بہت اچھے ہیں۔ دوست کا پیغام میں شازیہ آپی کے پیغام نے کئی دنوں تک اپنے سحر میں جکڑے رکھا، اللہ آپ کی دادی مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور روز قیامت حوض کوثر کا پانی پلائے آمین۔ دلکش مریم، مدیحہ نورین، لیلیٰ رب نواز، پروین افضل، ارم نانو، ایس این، سحر سحری، تبسم، ماہا بشیر، انیلا طالب، نجم انجم، عائش کشمالے جی، کیسی ہیں آپ سب سمیرا سواتی شازیہ ہاشم اللہ آپ سب کو خوش رکھے، مجھے نازیہ کنول اور تبسم بشیر دوبار میرے خواب میں آچکی ہیں مجھے بہت خوشی ہوئی کہ واقعی جو لوگ دل میں رہتے ہوں وہ خواب میں لازمی نظر آتے ہیں۔ اگر خواب کی تفصیل سنائی تو تبصرہ لمبا ہوجائے گا اس لیے اس ناچیز کو دعاؤں میں یاد رکھنا، اللہ حافظ۔

حجاب سالگرہ مبارک ہو سب کو۔

حجاب

حجاب تیری محبت کا
یوں ہی سایہ کرے سدا
ادب کی اس جھلمل دنیا میں
تیرا نام بلند کرے خدا

☆ پیاری رابی! ''یہ ابو جی' انجوائے منٹ کے بجائے پورا ڈائجسٹ پڑھ ڈالتے ہیں۔'' اس جملے کا کیا مطلب ہوا بھلا؟ اور ابو جی تو ہوتے ہی دنیا کے سب سے بہترین آدمی' خواہاں ہمارے ابو جی ہوں یا آپ کے۔ اللہ سب کے والدین کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

عریشہ زاہد عرشی..... ثمن۔ آداب الفت، جوہی آپی۔ اکتوبر کی خوب صورت شام سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف' کوئی کچن میں مصروف تو کوئی گرم نرم بستر میں دبکا ٹی وی دیکھ رہا ہے' کوئی مطالعہ تو کوئی اسٹڈی میں اپنے مغز کی چٹنی بنا رہا ہے' کوئی گپ شپ تو کوئی اپنی سوچوں میں غرق تو بھئی ہم کیوں پیچھے رہیں ہم نے سوچا کہ حجاب نگری میں چکر لگا آئیں۔ حجاب کے ہر دفعہ تاخیر سے موصول ہونے کی بناء پر اب ایک جامع تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں، جہاں لفظوں کی سرسبز دلکش وادی ہے اور اس دلکش وادی میں عریشہ زاہد عرشی قدم رکھ چکی ہیں۔ (کیا کہیں کیوٹ ہی اتنے ہیں) کیا سمجھے مبالغہ آرائی نہیں بھئی، حقیقت ہے مجھے کوئی لمبی چوڑی تفصیل نہیں بگھارنی ہاں بس اتنا کہ حجاب سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔ مجھے حجاب سے بے پناہ محبت ہے (آئی لو یو ڈیئر حجاب) حجاب کے دیوانوں اینڈ آل رائٹرز سناؤ عزیزم کیسے ہیں کس حال میں ہیں؟ بہرکیف کچھ نہ بھی کہیں تو آئی نو آپ سب رب العالمین کی رحمتوں کی بدولت ٹھیک ٹھاک خیر و عافیت سے ہوں گے ہاں جی تو اب سب باتوں کو چھوڑ کر تبصرے کی جانب آتے ہیں۔ اگست کا شمارہ بھی حسب معمول تاخیر سے ملا۔ سرورق ایشا نورسی گرین کلر کے کپڑوں میں ملبوس تھیں اگر ڈارک گرین ہوتا تو اور بھی خوب تھا بہرحال یہ ٹائٹل بھی جاذب نظر تھا۔ پیارنگ پیارا (فرح بھٹو) ویری نائس خوب تحریر رہی، میری عید تم ہو (کرن نعمان) بہت اچھا لکھا آپ نے سبق آموز تحریر تھی، گلابی عید (رابعہ افتخار) واقعی اگر ہمارے معاشرے میں برے لوگ ہیں تو اچھے لوگ بھی ہیں اور ایسے ہی اچھے لوگوں کی وجہ سے ہمارے معاشرے کا نظام چل رہا ہے اقرا حفیظ ماشاء اللہ اللہ پاک آپ کو مزید ایسا اچھا اچھا لکھنے کا ہنر دے آپ نے بہت خوب صورتی کے ساتھ آرٹیکل لکھا (بیسٹ آف لک) ریحانہ آفتاب آپ کا دلکش ناول کامیاب منزل کی جانب رواں دواں ہے ریحانہ آپی جو آپ نے ہم سب قارئین کو سسپنس میں ڈال رکھا ہے پلیز نکالیں اینڈ شنائیہ بہت ہساتی ہے (ہاہاہا) میرے خواب زندہ ہیں نادیہ آپی آپ ہر قسط پر چونکا دیتی ہیں کافی عرصے سے یہ ناول چل رہا ہے اور ابھی تک اپنی دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہے تو اس کا کریڈٹ نادیہ آپی صرف آپ کو ہی جاتا ہے کتنی خوب صورتی کے ساتھ آپ ہر کردار کو لے کر چلتی ہیں۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' نائلہ طارق آپ بھی ہر کردار کو بہت منفرد انداز میں قلم بند کرتی ہیں شوخی تحریر، عالم انتخاب، حسن خیال، دوست کا پیغام

آئے تمام سلسلے اچھے رہے اینڈ پیاری کیوٹ حنا اشرف آپ سے ملاقات بہت اچھی لگی سوال و جواب بہت اچھے رہے۔ اللہ آپ کو مزید کامیابیوں و کامرانیوں سے نوازے اور اللہ پاک آپ کے لیے کامیابیوں کی راہیں کھولتا جائے آمین۔ حجاب ستمبر 2018ء سرورق نہایت دلکش تھا ماڈل مہوش آفتاب بڑے غضب کی لگ رہی تھی، ریڈ اینڈ بلیک سوٹ میں۔ پھر نظر ڈالی فہرست پہ تمام نام جگ مگ کر رہے تھے۔ بات چیت میں قیصر آرا آنٹی ہم آپ کے ساتھ ہیں اور مہنگائی تو چاند سے بھی اوپر پہنچ چکی ہے پھر بڑھے حمد کی جانب جو ہم نے اپنی خوب صورت آواز میں پڑھی (ارے آپ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں واقعی بڑی خوب صورت آواز ہے) (ہاہاہا) پھر بڑھے ایڈمن پینل کی جانب راؤ رفاقت علی سے ملاقات اچھی رہی۔ پپی برتھ ڈے راؤ رفاقت بھائی اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ ٹوٹکے پر سرسری سی نگاہ ڈال کر آگے بڑھے سر کے دوست کا پیغام آئے ملیحہ احمد کمال کر دیا آپ نے تو آپ کو مجھ پر اتنا پیار آیا کہ آپ نے میرے دونوں پیغام شائع کر دیے ایک ساتھ تھینک یو سو مچ۔ ام ایمن آج سے فرینڈز مدیحہ نورین مہک اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ طلعت نظامی (ہومیو کارنر) ہمیشہ ہی معلومات میں اضافہ کرتی ہیں پھر بڑھے حسن خیال میں تو جو ہی احمد آئی لو یو یو آر گریٹ میرے تبصرے کو شامل کیا۔ پروین افضل شاہین، تبسم ماہا حسین، سمیرا گلزار، وقاص عمر، ثنا لیاقت، عریشہ زاہد عرشی، شازیہ ہاشم چھائے رہے، شازیہ ہاشم آپ بہت نائس ہو بہت خوب صورت اور جامع تبصرہ کرتی ہیں۔ شوخی تحریر میں عثمان عبداللہ، نجمہ نذیر، صائمہ مشتاق، پروین افضل، شگفتہ خان، نبیلہ، عظمیٰ اقرأ، لاریب نور، لاریب انشال، انا احب، مدیحہ نورین مہک زبردست۔ عالم میں انتخاب ہمارے عظیم شاعروں کی خوب صورت غزلیں نظمیں حجاب کی رونق میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ صبا ایشل (ساحر لدھیانوی) پروین افضل شاہین، مدیحہ نورین مہک، رمشا جی، سیدہ جیا عباسی، عریشہ سہیل، کوثر ناز، عثمان عبداللہ، حنا اشرف، جویریہ سلیم، ہالہ سلیم، ماورا طلحہٰ کے انتخاب خوب تھے۔ کچن کارنر میں سب سلیقہ منداور سگھڑ لڑکیاں کچن میں سلیقہ مندی کے جوہر دکھانے میں مصروف تھیں۔ پروین آپی کی کورین بیف، نجم انجم کے ہاتھ کی بنی کلیجی، مدیحہ نورین مہک کے لذیذ تکے عائشہ پرویز کھڑے مسالے کا اسٹو تھوڑا تھوڑا سب کی ڈشز ٹرائی کیں (عائشہ پرویز تسی تے بڑے سگھڑ ہو گئے او) اب پیٹ میں کچھ گیا تو ذرا افسانوں کی جانب جاتے ہیں۔ عشق میرا ایمان (ام اقصیٰ) خوب صورت تحریر وصل تنہائی (عنبر فاطمہ) اچھا لکھا آپ نے اللہ مزید اچھا لکھنے کا ہنر دے۔ فارمولا (نظیر فاطمہ) ماشاء اللہ کتنا پیارا سبق دیا آپ نے جب بھی لکھتی ہیں ہلکا پھلکا اور بہت گہرا سبق دیتی ہیں۔ دل کا امیر (سمیہ عثمان) امیر تو واقعی دل کا امیر تھا اور امیر نام کے لوگ تو بہت ہوتے ہیں مگر دل کے امیر بہت کم لوگ ہوتے ہیں اللہ پاک ایسی اولاد فرمانبردار بیٹے سب کو دے، بہت خوب راہ عمل (عائشہ پرویز) آپ نے بھی ہلکی پھلکی تحریر لکھی مگر سبق آموز اللہ پاک آپ کو کامیاب کرے۔ اللہ پاک ہم سب بچیوں کو عبایا پہنے کی توفیق دے اور صراط مستقیم پر چلتے رہنے کی ہدایت دے آمین۔ شہادت گہہ الفت (خدیجہ جلال) ہم بھول نہیں سکتے اپنے عظیم سپاہیوں کو جنہوں نے اس ملک کی خاطر اس گھر کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ ہم ان کی ان قربانیوں کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں ہمارے وطن کے شہیدو! ہماری دلوں کی ایک ایک دھڑکن تجھے سلام پیش کرتی ہے۔ میری عید پاکستان انعم خان ویری گڈز زبردست ناولٹ رہا فریدہ (چشم سرمہ سا) بہت خوب صورت لکھا الفاظ نہیں چھا گئیں۔ مشکل سفر منزل آسان

(سلمٰی غزل) اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہمیشہ کی طرح نہ کوئی آسمان (افشاں علی) موضوع پرانا مگر انداز بہت منفرد سا دل کو بھا گیا، افشاں جی ویری نائس میں ''میرے خواب زندہ ہیں'' یہ ناول ہمیشہ میرے دل میں زندہ رہے گا۔ فراز شاہ کے دل میں ماریہ کے لیے محبت ڈال دیں کامیش مہرو کے ساتھ ہی سوٹ کرتا ہے ابرام اینڈ لالہ رخ کی زندگی میں زبردست موڑ آنے والا ہے لالہ رخ کو حورعین اور ابرام جلد ہی مل جائیں گے زرتاشہ کے لیے باسل ہی بیسٹ ہے اینڈ زرتاشہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھا کریں اور اب سب کی شناخت ہوگئی ہے تو نادیہ آپی اختتام ہوجانا چاہیے سب ہی گمشدہ تھے (ہاہاہا) ''شب آرزو تیری چاہ میں'' نائلہ طارق بلے بھئی بلے اینڈ ویلڈن۔ ''عشق دی بازی'' سمہان ہوش کی دنیا میں واپس آجاؤ۔ عیشال تمہاری ہی رہے گی ویسے شمعون تمہاری ہمت کو سلام ریحانہ آپی ان کی شادی کرا کر آپ تحریر میں نیا موڑ لے آئیں اور ثنائیہ اور شمعون کے ڈرامے روز دیکھنے کو ملیں گے۔ عشق دی بازی میں ٹوئسٹ آجائے گا سمہان تم بھی جلدی جلدی عیشال کا ہاتھ مانگ لو ورنہ پھر ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے عشق دی بازی میں بہت سسپنس ہے بھئی پتا نہیں کب نکالیں گی ریحانہ آپی یہ یحییٰ کون ہے اور ریحانہ آپی آپ ہمیشہ مادرا کے ساتھ ہی یحییٰ کا نام لکھتی ہیں (مادرا یحییٰ) انوشا کے ساتھ کبھی نہیں لکھا یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ جیسا میں نے دیکھا (رفاقت جاوید) آپ بہت اچھا لکھتی ہیں بہت خوب۔ رفاقت جاوید آپ بہت خوب صورت کیوٹ ہیں میں آپ کو بہت لائک کرتی ہوں اس کے علاوہ نزہت جبین ضیاء، نگہت غفار آپ سب بہت نائس اینڈ پریٹی ہیں۔ اب بڑھتے ہیں بزم سخن کی جانب سمیہ عثمان ہمیں بھی کبھی اپنی محفل میں جگہ دیجیے نا بزم سخن سب کے اشعار ایک سے بڑھ کر ایک ہوتے ہیں۔ جس میں سعدیہ لیاقت، رمشا ملک، گل مینا، پروین آپی، مدیحہ نورین، شازیہ آپی، نبیلہ امان، اقراجٹ کے اشعار سیدھے دل پر لگے اور سب کے اشعار بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ڈیئر حجاب تمہارے لیے ایک شعر

جو تجھے دیکھنے سے ملتا ہے
سارا مسئلہ اسی سکون کا ہے

شازیہ اختر شازی..... نور پور۔ السلام علیکم سب سے پہلے تو میری طرف سے حجاب کو سالگرہ مبارک میری دعا ہے کہ ہمارا حجاب ڈھیر ساری ترقی کرے آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی جانب۔ سب سے پہلے آنٹی کی بات چیت سنی آنٹی آپ کی بات سن کر میرے ذہن میں ایک شعر آگیا جو کے پنجابی میں ہے پتا نہیں آپ کو پسند آتا ہے کہ نہیں اگر پسند نہیں آیا تو نکال دینا۔

جہڑے صرف مفاد دے لگدے ہون
اوکھے وقت [illegible] کر ویدن
چنگے سجن تا درد مصیتاں وچ

سجناں تے چھاں کر وید پھر (حمد و نعت) پر پہنچے پڑھ کر وہ وقت یاد آگیا جب میں بھی مدینے کا سفر کر رہی تھی جب گاڑی میں نیند آنے لگتی تو میں سوچتی کہ نجانے پھر قسمت میں یہ گلیاں دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں اس لیے ہر منظر کو آنکھوں میں بسایا' دو سال ہوگئے ہیں ہم لوگوں کو عمرہ کیے ہوئے لیکن اب بھی ایسا لگتا ہے کہ کل کی بات ہے

۔اللہ اپنے گھر کی اور اپنے پیارے نبی ﷺ کا درد دیکھنا نصیب کرے آمین۔اس کے بعد بھاگ کر پہنچے ''میرے خواب زندہ ہیں'' پرارے واہ اس کی آخری قسط بہت مزہ آیا پڑھ کر نادیہ آپی آپ نے بہت اچھے طریقے سے سب کو آپس میں ملا دیا میرے لیے اس ناول میں فیورٹ کردار لالہ رخ تھی بہت ہمت اور حوصلے والی اور ماریہ کو بھی اللہ نے بہت بڑے انعام سے نواز۔اواقعی اس ناول سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا بہت بہت مبارک ہو نادیہ آپی۔''محبت ان کہا قصہ'' اس کہانی میں سمجھ نہیں آیا کہ غلطی کس کی ہے صدف کی یا پھر ثوبان کی۔لیکن یہ کہانی مجھے کچھ خاص پسند نہیں آئی سوری۔''زندگی یوں بھی'' واقعی ڈاکٹر نے افسار کے ساتھ بہت برا کیا، کیا ایسے بھی انسان بستے ہیں اس دنیا میں جن کی وجہ سے نجانے کتنے افسار اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں ختم کر لیتے ہیں کیونکہ ہر کسی کے پاس داؤد جیسا بھائی نہیں ہوتا۔وری نائس رشک آپی آپ کی کہانی بہت اچھی لگی ''عشق دی بازی'' شنائیہ کی حالت دیکھ کر مجھے تو مزہ آرہا ہے اب ہٹلر سے بچ کر دکھانا مجھے اور لگتا ہے کہ ماورا لوگوں کا حویلی والوں سے کوئی بہت گہرا تعلق ہے اور اب تو ایشان جاہ بھی ماورا کی محبت میں مبتلا ہوتے نظر آرہے ہیں کافی اچھا رہا یہ ناول ''یہ عالم شوق کا'' خوب صورتی اور بدصورتی تو اللہ کی دین ہے واقعی اس لڑکی کے ساتھ بہت برا ہوا استاد کا کام ہے بچیوں کو تعلیم دینا نہ کہ مار پیٹ شاید یہ لڑکی پڑھ لکھ جاتی تو اس بچاری کی زندگی سنور جاتی ہمارے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اچھے طریقے سے اپنا فرض نبھائیں تاکہ ان کی غفلت کی وجہ سے کسی کی زندگی خراب نہ ہو ''اقرا کا موسم'' تبریز میاں کیا ضرورت تھی باہر دل لگانے کی بہت اچھی لگی یہ کہانی وری نائس ''شب آرزو تیری چاہ میں'' شکر ہے سب نے شقران کو معاف کر دیا کیونکہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا دراج اور زرکاش کے بہن بھائیوں کے درمیان بھی صلح ہو گئی اور عرش نے ثابت کر دیا کہ واقعی زنائشہ سے بہت محبت کرتا ہے بہت اچھا رہا یہ ناول اس کا اینڈ بہت اچھا تھا ''ایک فسوں ہے تو'' اس کہانی کی کچھ خاص سمجھ نہیں آئی کیونکہ پہلے بسمہ بہت اچھی تھی پھر یک دم بری بن گئی اور کیا بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں ''سبق'' اس کہانی میں بہت بڑا سبق پوشیدہ تھا واقعی عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اسے بھٹکتے دیر نہیں لگتی ایسا ہوتے میں نے حقیقت میں بھی دیکھا ہے کاش یہ موبائل تو کبھی ایجاد نہ ہوتے جس کی وجہ سے گھر کے گھر تباہ ہو رہے ہیں۔''متاع درد'' وقتی طور پر ہمیں سمجھ نہیں آتا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ہمیں سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے بڑے ہمارے لیے کبھی برا نہیں کر سکتے اور مہشم کو چاہیے تھا کہ وہ نور کے بارے میں اسے پہلے بتا دیتا ویسے پڑھ کر اچھی لگی پھر بزم سخن پر پہنچے وقاص عمر، سعدیہ، ندا، مسکان، عریشہ زاہد کے اشعار پسند آئے، کچن کارنر گاجر کا حلوہ کی ترکیب نوٹ کر لی۔عالم میں انتخاب سب کے انتخاب اچھے لگے۔شوخی تحریر میں اریشہ راج، اسماء صدیقہ کے انتخاب اچھے لگے پھر پہنچے حسن خیال میں ارے واہ میں خوشی سے بے ہوش نہ ہو جاؤں اس میں اپنا نام دیکھ کر سب کو خوشی سے دکھایا باقی سب کے خیال جان کر اچھا لگا۔وقاص عمر میری نگارشات پسند کرنے کا شکریہ میں نے بہت دفعہ دوست کا پیغام میں آپ سب لوگوں کے نام پیغام لکھا تھا لیکن ایک دفعہ بھی شائع نہیں ہوا اس لیے اب میں نے لکھنا ہی چھوڑ دیا۔عمر بھائی آپ بہت اچھا لکھتے ہیں آپ کی شاعری بہت اچھی ہوتی ہے اللہ آپ کو مزید کامیاب کرے آمین۔دوست کا پیغام آئے شازیہ ہاشم مجھے یاد رکھنے کا بہت شکریہ، آپ کی دادی کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا' میری دعا ہے کہ اللہ ان کو جنت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ لوگوں کو صبر عطا فرمائے

آمین۔ حنا ارشد میں نے آپ کا شعری مجموعہ پڑھا ہے بہت اچھا ہے اللہ آپ کو مزید کامیاب کرے۔ شمائلہ نرگس، ارم، تم مجھے بہت یاد آتی ہو میری دعا ہے کہ ہمیشہ خوش رہو اور میرے لیے دعا کرنا مجھے اس وقت دعا کی ضرورت ہے اور میرے بھانجے محمد حسان اور پیاری گڑیا ہانیہ ملک کو سالگرہ مبارک اللہ تمہیں صحت تندرستی والی زندگی عطا کرے آمین۔ اچھا دوستوں اللہ حافظ اینڈ بہت بہت سالگرہ مبارک۔

پروین افضل شاہین..... بھلوانگر۔ اس بار حجاب آٹھ تاریخ کو ملا اور دس تاریخ کو تبصرہ ارسال کر رہی ہوں سرورق دیکھ کر شعر ہونٹوں پر مچلنے لگا۔

سنو مغرور ہم بھی غضب کے ہیں
تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

حمد و نعت پڑھ کر روح کو سرشار کیا ہماری جانب سے حجاب کی پوری ٹیم کو اس کی چوتھی سالگرہ مبارک ہو قیصر آپا بات چیت میں ٹھیک فرما رہی تھیں کہ چمچہ گیروں چاپلوسوں کی وجہ سے لیڈر گیڈر بن جاتے ہیں اور لوگ مرتبے اور دولت کو سلام کرتے ہیں۔ انسان کی عزت نہیں ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ سوال جواب کا سلسلہ شروع کریں بہترین سوالات پر انعامات بھی دیے جائیں۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ اقبال احمد بھٹی کی اہلیہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ آمین۔ مجھے جو حجاب ملا ہے اس میں ایک تا چونتیس صفحات ڈبل آ گئے ہیں اور پینتیس تا چھیاسٹھ غائب ہیں پلیز اس طرف ضرور توجہ دیں بزم سخن میں رمشا زاہد، اسما صدیقہ، اقرا جٹ، صبا نواز، کچن کارنر میں سلمیٰ عنایت، نجم انجم اعوان، سحر تبسم سحری عالم میں انتخاب میں لیہار رضوان، کرن شہزادی، سمیرا سواتی، شوخی تحریر میں شازیہ ہاشم، مدیحہ نورین مہک، حسن خیال میں سحر سحری، تبسم بشیر، شازیہ اختر، ثنا فرحان، عنبر فاطمہ دوست کا پیغام آئے میں اریشہ راج، تانیہ الطاف، ربیعہ رانی چھائے رہے پچھلے ماہ میں نے بھرپور تین صفحات کا تبصرہ ارسال کیا تھا بھیجا بھی وقت پر یعنی سات تاریخ کو مگر وہ شامل نہیں ہو سکا وجہ؟

☆ پیاری پروین! آپ پرانی قاری ہیں اگر تبصرہ موصول ہوتا تو ضرور اپنی جگہ بنا لیتا۔ ہمیں آپ کا تبصرہ موصول ہی نہیں ہوا تو پھر شکوہ کیسا' پرچے کی خرابی کی صورت میں آپ ہاکر سے تبدیل کروا لیا کریں۔

وقاص عمر..... بنگڑ نو حافظ آباد۔ حجاب سے وابستہ تمام قابل احترام انتظامیہ قلم قبیلے سے تعلق رکھنے والے تمام لکھاری اور پیارے قارئین کو وقاص عمر کا سلام۔ بہت ہی خوب صورت ٹائٹل اور بہت ہی خوب صورت سلسلوں سے بھرپور حجاب میرے ہاتھوں میں ہے یہ رسالہ ماہر ایڈیٹران اور کہنہ مشق ہاتھوں کی محنت ہے۔ حجاب ماشاء اللہ بہت مضبوطی سے اپنے قدم جما رہا ہے اور خاص بات آتے ہی اپنی نمایاں جگہ بنا لی حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ نے دلوں کو مہکا دیا ذکر اس پری وش کا اچھا سلسلہ ہے کیونکہ تعارف کے ذریعے ہی سب کو جاننے کا موقع ملتا ہے باقی سلسلے بھی زبردست ہیں ڈاکٹر زار التجیر، ہر شب اعوان، ارقا اعوان، تبسم بشیر حسین، ندا افتخار، ماہا بشیر میری نگارشات پسند کرنے پر آپ سب کا شکریہ۔ شازیہ ہاشم میواتی، نجمہ نذیر، حنا ارشد، انعم خضر، بشریٰ کنول، اقرا جٹ، پروین افضل شاہین، طیبہ عنصر مغل، عائشہ رحمان ہنی، ارم ریاض، مشی خان سواتی، ایس این شہزادی کھرل، مدیحہ نورین مہک، طاہرہ منور علی بھٹی، لیلیٰ رب نواز آپ سب بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آنٹی

کوثر نواز ودھیوانی آپی سلمٰی آپی سدرہ کوٹلی گجرات مریم خضر انعم خضر آپ سب کے لیے دعا گو ہوں اللہ حافظ۔

☆ پیارے بھائی وقاص! تعریف کے لیے شکریہ مگر تبصرہ کہاں ہے؟

ماہا بشیر حسین..... ڈنگہ۔ السلام علیکم تمام حجاب پڑھنے اور لکھنے والوں کو اس دفعہ تو حجاب نے حد ہی کردی 13 کو ملا پہلے میری بہن نے پڑھا پھر میرے ہاتھ آیا ٹائٹل پر ماڈل بالکل بیمار سی لگ رہی تھی کلر بھی پسند نہیں آیا نہ ماڈل کا نام تھا (بات چیت) میں آنی جی ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ ایسے سلسلے شروع کریں جو باقی کسی ڈائجسٹ میں نہ ہوں۔ (حمد ونعت) ماشاء اللہ (میرے خواب زندہ ہیں) نادیہ ناول کا اختتام مبارک ہو، جلدی سے دوبارہ انٹری دیں۔ (عشق دی بازی) تمام تر دلچسپیوں کے ہمراہ چل رہا ہے (شب آرزو تیری چاہ میں) قسط نے الجھن میں ڈال دیا کیا ناول ختم؟ مکمل ناول (اقرار کا موسم) سمیرا سرفراز نے ٹھیک ٹھاک ہی لکھا (متاع درد) بشریٰ سیال منظر نگاری کمال کی کی بلکہ تحریر بھی کمال کی تھی، ناولٹ (زندگی یوں بھی) بالکل پسند نہیں آیا۔ افسانے میں (سبق) حیا بخاری کا نمبر ون رہا (محبت ان کہا قصہ) عائشہ (یہ عالم شوق کا) ایس اے نقوی (ایک فسوں ہے تو) طیبہ مغل کے افسانے بھی ٹھیک ٹھاک رہے (جیسا میں نے دیکھا) اف بالکل بکواس سلسلہ ہے۔ (بزم سخن) کائنات بیگ، سیدہ لوبا، لیلیٰ رب، عرشیہ زاہد، اقراجٹ، نجمہ نساء، اسمانی ربانی مینا، گل اینڈ حسینہ، ایس نور کمال، گلناز ابراہیم (کچن کارنر) میں سب کی ریسپی زبردست لگی۔ (عالم میں انتخاب) میں پروین شاہین، ایبہار رضوان، رحمہ ثانی، محمد فیصل، مونا شاہ، سمیرا سواتی، (شوخی تحریر) میں اس دفعہ سب نے بیسٹ لکھا۔ اریشہ راج، انجم اعوان، مہرباں شاہ، مدیحہ مہک، ماہ رخ افضل (حسن خیال) میں شازیہ اختر، ثنا فرحان، عنبر فاطمہ کے تبصرے شاندار رہے (ہومیو کارنر) میرا فیورٹ سلسلہ ہے (دوست کا پیغام) پیار محبت اور خلوص سے بھرپور رہا۔ (ٹوٹکے) بھی لاجواب اور معلوماتی رہے۔ حجاب کو سالگرہ مبارک اوکے جی اللہ حافظ۔

تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ۔ السلام علیکم ٹوآل آنچل وحجاب قارئین، مصنف اینڈ اسٹاف حجاب کو سالگرہ مبارک ہو اور یہ یوں ہی ترقی کرتا رہے آمین۔ اس دفعہ تو حجاب نے ظلم کے سارے ریکارڈ توڑ دیے روز روز بک اسٹال کے چکر لگا کر آخر 13 کو ملا توبہ توبہ اتنا لیٹ، آپ کو پتا بھی ہے کہ آنچل وحجاب کا انتظار کتنا مشکل ہوتا ہے۔ خیر ایک نظر ٹائٹل پر ڈالی جو بالکل بھی پسند نہیں آیا حجاب پر ایسے ٹائٹل دیا کریں جس میں ماڈلز نے فیشن ایبل اور نئے نئے ڈیزائن کے حجاب کیے ہوئے ہوں اس کے بعد نظر فہرست پر ڈالی کافی سلسلے گمشدہ تھے ''بات چیت'' میں اس دفعہ آنی اپنے دل کی باتیں کرتی نظر آئیں۔ آنی نے حجاب میں نئے سلسلے شروع کرنے کا سوچا ہے اچھی بات ہے اور ہماری رائے بھی مانگی ہے تو ہم تو اپنی رائے ضرور دیتے پر کیا پتا آپ کو پسند نہ آئے اس کے بعد حمد نعت بھی خوب رہی، ''میرے خواب زندہ ہیں'' میں نادیہ فاطمہ کو ناول کا خوب صورت اختتام بہت مبارک نازیہ آپی صرف آپ ہی نہیں ہم بھی افسردہ ہیں کہ ہر ماہ آپ سے اور آپ کے کرداروں سے ملاقات جو نہیں ہو سکے گی۔ آپ کی تحریر میں آپ نے جو خوب صورت پیغام دیا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے سب کو سب ایک خواہش ہے آپ سے کہ جلدی سے ایک اور ناول لکھ ڈالیں اور جلدی سے حجاب میں واپس آئیں۔ ''عشق دی بازی'' ریحانہ آفتاب کی اسٹوری بھی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے بس زیادہ طول نہ دیجیے گا ورنہ مزہ

نہیں آتا۔ ''شب آرزو'' ختم ہوگئی ہے کیا؟ اتنی جلدی کیونکہ آخر میں آئندہ ماہ نہیں لکھا تھا مکمل ناول اس دفعہ دونوں ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ''اقرار کا موسم'' سمیرا سرفراز کی تحریر مجھے بہت پسند آئی۔ رومانٹک تحریریں مجھے ویسے بھی بہت پسند ہیں۔ سمیرا جلدی سے ایسا ایک اور ناول لکھیں۔ متاع درد'' بشریٰ سیال کا ناول بھی اچھا تھا ویری گڈ ناولٹ ''زندگی یوں بھی'' رشک حبیبہ نے بھی اچھا لکھا ناولٹ کی تعداد ذرا زیادہ رکھا کریں کم از کم دو تو ہونی ہی چاہیے کیا خیال ہے؟ افسانے میں ''محبت ایک ان کہا قصہ'' اور سبق دونوں بے حد شاندار رہے۔ ''ایک فسوں ہے تو'' بس ٹھیک ٹھاک رہی ''یہ عالم شوق کا'' بھی اوکے اوکے تھی۔ مستقبل سلسلوں سے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے کیا بات ہے؟ ''جیسا میں نے دیکھا یہ سلسلہ بالکل بھی پسند نہیں۔ بزم سخن میں وقاص عمر، کرن شہزادی، پروین افضل، رمشا زاہد، تانیہ اعوان، طیبہ سعدیہ، اقصیٰ نذیر، انعم، اقصیٰ شوکت، کوثر خالد، رانی اسلام، اسمار بانی، صبا نواز، مقدس زہرہ کے اشعار اچھے لگے ''سچن کارنر'' سلمیٰ عنایت، سحر تبسم سحری، طیبہ سعید نے اچھا لکھا۔ ''عالم میں انتخاب'' پروین شاہین، حنا ارشد، تزئین اشفاق، عنبر فاطمہ، رحمہ ثانی، اقرا حفیظ، القیما خان، الوینہ خان، کرن شہزادی، نجم انجم نے اچھا انتخاب کیا۔ ''شوخی تحریر'' شجاع الدین، اقصیٰ نور، پروین شاہین، شہزادی کھرل، شازیہ ہاشم، مدیحہ نورین مہک بیسٹ لکھا۔ ''حسن خیال'' سحر تبسم سحری (ویری ویل) وقاص عمر (ویلکم جی) شازیہ اختر شازی (بیسٹ) ثنا فرحان (ونڈرفل) تزئین اشفاق (مختصر) عنبر فاطمہ (زبردست) ہومیو کارنر ہمیشہ کی طرح معلوماتی رہا ''دوست کا پیغام'' میں کسی بے وفا نے یاد نہیں رکھا خیر کوئی بات نہیں ٹوٹکے ہمیشہ کی طرح زبردست رہے لو جی حجاب ختم ہوگیا اور اگلے ماہ کا انتظار شروع ہوگیا ایک بار پھر سے سالگرہ مبارک ہو، بہت بہت او کے جی اللہ حافظ اگلے ماہ ملاقات ہو گئی۔

☆ پیاری تبسم! آپ کو اپنی رائے دینا تو چاہیے تھی کیا پتا پسند آجاتی۔ سلسلوں سے آپ کے بائیکاٹ کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ بس تاخیر سے ملنے والی نگارشات رہ جاتی ہیں اور کوئی بے وفا یاد رکھے یا نہ رکھے ہم اپنے مستقل لکھنے والے تمام قارئین کو دیار کھتے ہیں۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔

عائشہ امین..... گوجرانوالہ۔ السلام علیکم اس بار حجاب 8 ستمبر کو ملا میں چھٹی کلاس میں تھی جب میں نے آنچل پڑھنا شروع کیا اور اب تک پڑھ رہی ہوں میری ہمت ہی کبھی نہیں ہوئی کہ میں حجاب رسالے پر تبصرہ کروں لیکن اس دفعہ ہمت کر کے لکھ دیا میں حجاب باقاعدگی سے پڑھتی ہوں ''عشق دی بازی'' بہت اچھی اسٹوری ہے حجاب کی تحریر بہت عمدہ ہوتی ہیں ''میرے خواب زندہ ہیں'' بہت دلچسپ کہانی ہے ''مشکل سفر منزل آسان'' اچھی تھی ''نہ کوئی آسمان'' ہنسی بھی آئی اور ساتھ رہے ہمدردی بھی ہوئی لڑکیوں کے خواب ایسے ہی ہوتے ہیں اس دفعہ کے لیے اتنا ہی کافی ہے اگر آپ نے میرے خط کو ڈائجسٹ میں جگہ دی تو میں سمجھوں گی آپ نے میری حوصلہ افزائی کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات۔ السلام علیکم! سب سے پہلے حجاب کو سالگرہ بہت مبارک ہو اللہ حجاب کو یونہی ترقی کی راہ پر گامزن رکھے آمین۔ سات تاریخ کو حجاب ملا بہت خوشی ہوئی پر حجاب کو لفافے سے نکالنے کا وقت آٹھ تاریخ کو ملا اور یہ کیا ٹائٹل گرل ذرا بھی پسند نہیں آئی اور نہ ہی اس کا میک اپ اچھا تھا بس ایئر

رنگز تھوڑی بہت اچھی تھیں۔حمد ونعت سے فیض یاب ہونے کے بعد سب سے پہلے افسانے کھولے اور حیا بخاری کا افسانہ ''سبق'' بہت ہی سبق آموز تھا بڑے بزرگ ٹھیک کہتے ہیں اکثر والدین کا کیا بچوں کو اور بچوں کا کیا والدین کو بھگتنا پڑتا ہے اور انیلا کو یہ سمجھ آ ہی گئی کہ یہ سب وقت گزاری کے لیے ہوتا ہے۔طیبہ عنصر مغل کا افسانہ ''ایک فسوں ہے تو'' بسمہ کا کردار مظلوم سا تھا کیسے گھر والے ہوتے ہیں جو اپنی انا اور غیرت کے نام پر ہمیشہ بیٹیوں کی قربانی دیتے ہیں۔عائشہ تنویر کا افسانہ ''محبت ان کہا قصہ'' بہت پسند آیا تابی کے ساتھ بہت برا ہوا اس کی محبت کا محل مسمار ہو گیا اور محبت بین کرتی رہ گئی۔واقعی ہی اس کی محبت ان کہا قصہ بن کر رہ گئی۔ایس اے نقوی کا افسانہ ''یہ عالم شوق کا'' افسانہ تو اچھا تھا مگر جو نقشہ انہوں نے گورنمنٹ اسکولز اور ان کے ٹیچرز کا کھینچا ہے وہ آج کل بالکل نہیں ہے پنجاب میں تو بالکل بھی نہیں ہے سندھ سائیڈ پر ہو گا شاید اور آج کل گورنمنٹ ٹیچر بہت اچھے سے بچوں کو پڑھا رہے ہیں اور گورنمنٹ اسکولز کا نظام آج کل پرائیویٹ اسکولز جیسا ہی ہے۔رشک حبیبہ میری پسندیدہ رائٹرز میں شمار ہوتی ہیں ان کا ناولٹ ''زندگی یوں بھی'' بہت بہت پسند آیا سفی اور دل آویز کا کردار اور جوڑی بہت اچھی لگی جب ڈالٹر نے غلط رپورٹ دی مجھے تو بہت غصہ آیا اس پہ شکر ہے داور نے سب کلیئر کیا اور دل آویز اور سفی کی نوک جھونک مزے کی تھی بشریٰ سیال کا مکمل ناول ''متاع درد'' حجاب کی شایان شان تھا بہت زبردست لکھا بہت ہی اچھے طریقے سے کرداروں کو پیش کیا عذبہ نے ذہن میں بھائیوں کے لیے جو غلط فہمیاں تھیں وہ دور کرنے اور عذبہ کو بھائیوں کے قریب لانے کے لیے ہشم نے عذبہ کو اپنی زندگی میں شامل کیا اور جو اس کی بہن نور کے ساتھ ہوا وہ سب عذبہ کے ساتھ ہونے نہیں دیا پہلے میں بھی عذبہ کی طرح نور کو ہشم کی مسز سمجھی تھی ''اقرار کا موسم'' سمیرا سرفراز کا ناول بھی اچھا تھا تبریز اور تابندہ کا ملن شاید ہونا ہی تھا تبھی دونوں کے انکار کے باوجود ہو کر ہی رہا اور ضوفی کی اصلیت تبریز پر کھلی او وہ تابی کے قریب ہوا۔بزم سخن میں وقاص عمر، عریشہ زاہد عرشی، سیدہ لوبا سجاد کرن شہزادی کے اشعار پسند آئے ''عالم میں انتخاب'' میں حنا ارشد اقرا حفیظ، نجم انجم کے انتخاب پسند آئے ''شوخیٔ تحریر'' میں پروین افضل شاہین، شازیہ ہاشم میواتی، ایس این شہزادی کھرل کے انتخاب اچھے تھے حسن خیال میں سب کے تبصرے اچھے تھے سحر سحری دعا کے لیے بہت شکریہ پیاری لڑکی ہمیشہ خوش رہو، وقاص عمر بھائی، تزئین اشفاق پسندیدگی کا بہت شکریہ۔ثنا فرحان لو جی آپ کے نام بھی پیغام بھیج دیا خوش رہو ہنستی مسکراتی رہو ہمیشہ آمین اب خوش ہو۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داریاں اور فرائض ایمان داری سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

husan@aanchal.com.pk

ہومیوکارنر

طلعت نظامی

نمونیا (Pneumonia)

یہ ایک چھوندار مرض ہے جس میں پھیپھڑے سوزش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی بخار بھی ہو جاتا ہے جب پھیپھڑوں کی ساخت میں ورم آجائے تو ایسی حالت کو طبی اصطلاح میں نمونیا کہتے ہیں ۔اس مرض میں کبھی پھیپھڑے کا کوئی حصہ Lobe اور کبھی سارا پھیپھڑا اور کبھی دونوں پھیپھڑے سوزش میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب دونوں پھیپھڑے مبتلائے مرض ہو جائیں تو ایسی حالت کو ڈبل نمونیا کہتے ہیں۔

ہمارا جسم بے شمار بیماریوں میں گھرا رہتا ہے اور ہمارے پھیپھڑوں کا تعلق براہ راست بیرونی ماحول سے سانس کی آمد و رفت کے ذریعے سے رہتا ہے۔ بہت سارے بیکٹیریا اور جراثیم سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں داخل ہوتے رہتے ہیں لیکن جسم کے مضبوط دفاعی نظام کی وجہ سے مرض پیدا نہیں کر پاتے جونہی یہ دفاعی نظام کمزور ہوتا ہے یا قوت مدافعت میں کمی آتی ہے یہ جراثیم مرض پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اسباب مرض:

اس مرض کا باعث ایک خوردبینی کیڑا ہے جسے (Pneumo-cocci) نیموکوکائی کہتے ہیں اسے ڈاکٹر فرینکل (Frankel) نے 1847ء میں دریافت کیا تھا۔اس مرض کا سبب ایک اور قسم کا کیڑا بھی ہوتا ہے جسے ڈاکٹر فریڈ لینڈر نے دریافت کیا تھا اور اسے (Fred Lorders Pneumo Becillus) کہتے ہیں۔ یہ جراثیم مریض کے تھوک اور بلغم میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور شدت مرض میں مریض کے خون میں پائے جاتے ہیں یہ مرض بذریعہ تنفس مریض سے تندرست اشخاص میں سرایت کر جاتا ہے یہ مرض اگرچہ ہر عمر میں ہو سکتا ہے لیکن زیادہ تر نوجوانوں کو ہوتا ہے یا غریب لوگ جنہیں مناسب غذائیں نہیں ملتی جن مقامات پر صفائی کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جاتی وہاں یہ مرض وبا کی صورت پھیلتا ہے۔

اقسام بیکٹیریا:

سوزش کو پھیلانے میں نیموکا کائی بیکٹیریا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ بیکٹیریا نہ صرف پیپ پیدا کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بہت باریک دھاگے یا Fibrin بھی بناتے ہیں نیموکوکائی کے علاوہ دوسرے مندرجہ ذیل جراثیم بھی نمونیا کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں مثلاً

اسٹرپٹوکوکائی (Strepto cocci)

اسٹفلوکوکائی (Staphlo cocci)

ای کولائی (E-coli)

اور تپ دق پیدا کرنے والے بیکٹیریا وغیرہ۔

نمونیا کی مختلف Classification ہیں۔اس کی دو اقسام عام ہیں۔

Lobar Pneumonia۔

Broncho Pneumonia

Lobar Pneumonia

اس قسم کے نمونیا میں پھیپھڑوں میں موجود چھوٹے چھوٹے خانے جن کو Air Sac (ہوائی نالیاں) کہتے ہیں اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ چند خانے بھی مرض سے متاثر ہو سکتے ہیں اور زیادہ بھی۔ جب مریض کی دفاعی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے تو نیموکوکائی نظام تنفس کے اوپر کے حصے سے نیچے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس طرح پھیپھڑوں کے Lobes کو متاثر کرتے ہیں شروع میں ایک یا دو Air Sac کو

نقصان پہنچتا ہے اگر دفاعی طاقت بہت کمزور ہو اور بر وقت مناسب علاج نہ کیا جائے تو بہت سارے Air Sac مبتلائے مرض ہو جاتے ہیں۔ ان میں سوزش کی وجہ سے خراش پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ Air Sac ہوا کے بجائے رطوبت سے بھر جاتے ہیں اور ٹھوس ہو جاتے ہیں اس عمل کو Hepatization کہتے ہیں۔

Hepatization یا نمونیا کی پیتھالوجی حسب ذیل حسب ذیل چار درجات پر مشتمل ہوتی ہے۔

رطوبت کا اجتماع (Congestional)

Red Hepatization

Grey Hepatization

Resulution

Congestion (رطوبت کا اجتماع)

نمو کوکائی پھیپھڑوں میں پہنچ کر Air Sac میں پہنچ کر سوزش پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک رطوبت (Exudate) پیدا ہو کر Air Sac کو بھر دیتی ہے۔ رطوبت کے اجتماع سے پھیپھڑا سخت ہونے لگتا ہے۔

پھیپھڑوں میں موجود عروق شعریہ خون سے بھر جاتی ہیڈ۔ Air Sac میں رطوبت کے اجتماع اور نیوکوکائی کی موجودگی کے ساتھ ساتھ وہاں پر Fibrin بننا شروع ہو جاتے ہیں۔

(Red Hepatization)

Hepatization کے اس عمل کے دوران عرق شعریہ میں خون بھر جانے اور سوزش کی وجہ سے پھیپھڑے سرخ نظر آنے لگتے ہیں اور رطوبت کے اجتماع کی وجہ سے ٹھوس حالت اختیار کر لیتے ہیں اگلی سطح نیوکا کائی کے موجود ہونے کی وجہ سے دانے دار ہو جاتی ہے۔

Grey Hepatization

اس عمل کے دوران Fibrin پگھل کر ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ خاص قسم کے دفاعی سفید جیسے Macrophages نیوکوکائی کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کو کھا جاتے ہیں اس طرح نیوکوکائی متاثرہ جگہ سے غائب ہو جاتے ہیں۔

تحلیل ہونا (Resolution)

اس عمل کے دوران رطوبت بالکل ختم ہو جاتی ہے کچھ تو کھانسی کے ذریعے باہر نکل جاتی ہے۔ Phagocytes بھی اس رطوبت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھیپھڑے ٹھوس حالت سے بدل کر اپنی نارمل حالت میں آ جاتے ہیں۔ اس عمل کے دوران پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب Resolution ٹھیک وقت پر نہ ہوں۔ اس کے بعد دوبارہ سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ موٹے موٹے Fibrin بنتے ہیں اس کے بعد دوبارہ سوزش پیدا ہو جاتی ہے ان Fibrin میں عروق شعاریہ بھی موجود ہوتی ہے اس طرح یہ ساری چیزیں مل کر Fibrous Tissues کی شکل اختیار کر لیتی ہے جن سے Air Sac بھر جاتے ہیں اور اس طرح پھیپھڑے گوشت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اس عمل کو Corification کہتے ہیں۔

(جاری ہے)

دوست کا لیٹر آیا

ملیحہ احمد

آنچل فرینڈز کے نام

مدیحہ کنول پھر کیسی گزر رہی ہے؟ تمہارے ساتھ جو دل نے تعلق بنا لیا ہے نا وہ مجھے بہت عزیز ہے خوش و آباد رہو، جلدی جلدی آیا کرو مجھے انتظار رہتا ہے۔ (مانو کی نامیری بات) صفیہ مہر تم سناؤ تمہارے نام بھیجا گیا ہر پیغام اتنا اچھا تھا کہ ردی کی نوکری نے کسی اور تک جانے ہی نہ دیا ہم دوست ہیں ڈیئر، مجھے پتا ہے تم دل ہی دل میں مجھ سے خفا ہو، اتنی دیر بعد جواب دے رہی ہوں نا مگر میری بھی کوئی غلطی نہیں میں تمہیں برابر یاد کرتی رہی ہوں۔ صائمہ مشتاق خوش و آباد رہو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو مجھے کافی دیر سے انتظار تھا کہ کب صائمہ کی سالگرہ آئے اور کب میں وش کروں اچھے سے سالگرہ منانا اور اپنا بہت سا خیال رکھنا اپنے بیٹے کو پیار دینا کہ پتوکی میں بھی اس کی ایک آنٹی رہتی ہے۔ اقرا ممتاز ایک پھول میری طرف سے بھی صائمہ کو دینا اور لگ سے وش بھی کرنا (ویسے تمہاری سالگرہ کب ہے) اگر تم نے میری طرف سے پھول نہ دیا تو تمہاری خیر نہیں میں نے صائمہ سے پوچھ لینا ہے تم دونوں تو نزدیک ہو ایک دوسرے کا اچھے سے خیال رکھا کرو۔ اقرا جٹ تم کہاں پائی جاتی ہو آتی رہا کرو۔ مائرہ فضہ جٹ سرگودھا یار مجھ سے پوچھ کر کے پتوکی کے کس علاقے میں رہتی ہو تمہارے نانا جان بھی پتوکی میں رہتے ہیں خود کہیں غائب ہو گئی ہو بھی نانا کے پاس آؤ تو مجھ سے ضرور مل کر جانا ہسکان، میزاب قصور کے کس علاقے میں رہتی ہو میرا قصور کا چکر لگنے والا ہے ان شاء اللہ ملو گی مجھ سے، ارم کمال آپ کیسی ہیں کوثر خالد اپنی مصروفیت کے باوجود ہمارے لیے ٹائم ضرور نکالتی رہنا اچھا لگتا ہے آپ سے آدھی ملاقات کر کے۔ حرا قریشی تم کس دیس کی باسی ہو گئی ہو نظر آنے سے بھی گئی، اقرا حفیظ کیسا چل رہا ہے تمہارا فلمی سفر؟ نجم انجم اعوان تم سناؤ کیسی چل رہی ہے زندگانی، حنا رشید ہمیں کب اپنی کتاب بھیج رہی ہو آخر ہم دوست ہیں پروین افضل، فریدہ فری خوش رہو تم لوگ روبی علی، جازیہ، تمنا بلوچ، عائشہ پرویز، جل ہما، امبر گل، رقیہ ناز، انیلا طالب، گل مینا، نور الشال، شازیہ ہاشم، صائمہ سکندر، مدیحہ نورین، منزہ یونس، ریحانہ اعجاز، سمیرا تعبیر، سمیرا سومرو، ہالہ سلیم، مون قریشی، رباب کنول، شگفتہ خان، اللہ پاک سب کے نصیب اچھے کرے۔ نبیلہ عزیز تمہاری سالگرہ بھی دسمبر میں ہوتی ہے ہماری طرف سے پیشگی مبارکباد ناز ی (نازیہ کنول نازی) آپ کی سالگرہ بھی اکتوبر میں ہوتی ہے، بہت بہت مبارک باد اب یہ پتا نہیں کہ یہ مبارکباد آپ کو پیشگی وصول ہوتی ہے یا پھر تاخیر سے اور بھی جن جن کی سالگرہ ہے بہت بہت مبارک ہو، اپنی اپنی سالگرہ والے دن مجھے ضرور یاد کرنا، ذکا زر گر خوش و آباد رہو آسیہ پروین آنچل میں شرکت کرتی رہا کرو دعائے سحر مجھے بتاؤ تمہیں کون سی دعا واپس لے کر آئے گی آنسہ شبیر کیسی ہو فوزیہ سلطانہ تمہیں کون سی بات بری لگ گئی۔ جو آنے سے بھی گئی، طیبہ نذیر سلام قبول کرو، اقرا لیاقت کیسی ہو، وقاص عمر اور محسن کے لیے بھی بہت سلام اور دعائیں کیونکہ آپ بھی ہماری آنچل فیملی کا حصہ ہیں، جن کے نام رہ گئے معذرت نایاب جیلانی آپ کے شوہر کے بارے میں پڑھ کر دلی صدمہ ہوا کتنی دیر تو یقین نہیں آیا اللہ آپ پر اپنا خاص کرم نازل کرے آمین۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت کے اللہ پاک آپ سب پر رحمتوں کا نزول کرے آمین، مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ خدا حافظ۔

فائزہ پھٹی..... پتوکی

تمام دل داروں کے نام

سمیرا سومرو سے لے کر انیلا طالب تک تمام قلم قبیلے کو السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ صائمہ مشتاق ہمارے بس میں ہو تو آپ سب کی مشکلات اپنے سر لے لیں مگر قانون فطرت ہے آزمائش زندگی کا حسن ہوا کرتی ہے اور مصیبتوں سے کھیلنا سیکھ ہی لینا چاہیے بہر حال فرش سے عرش تک تمام دیکھوں کو دعا حاضر ہے خوش.....

"رقیہ ناز" سالگرہ پر تحفہ حاضر ہے۔

لو تحفتاً یاب دعائیں
لائی ہوں شاداب وفائیں
سب پر تارے موتی چمکیں
جتنی بھی ہیں خواب ردائیں
بخت میں اترے خوب بلندی
بھاگیں دور سراب جنائیں
آجاؤ میں تمہیں پلا دوں
کوثر کا ہے آب شفائیں

ہم بھی 11 ستمبر کی پیدوار ہیں اے ایف ایچ ایس تو بہ نام تو

بتاؤ کمالیہ میں ہماری سہیلی ناہید گم ہے وہ ڈھونڈ تو مانوں فون پر بات کرلینا سعدیہ حور امتحان میں کامیابی کے لیے۔ "ان اللہ کان فوزا عظیما۔" ڈاکٹر زاہد تعبیر تسی تے سب لئی خواب بن گئے اور اچھا نام اچھا کام گلشن چوہدری کا گلشن سلامت رہے۔ لیلیٰ رب نواز شاعری کے بغیر آئی ہو شاعرہ ہو کر آئندہ شاعری لانا، ارم کمال، میرا اسمارٹ سا بڑا بیٹا ہر بار گائے بکرے پر خود چھری چلاتا ہے چاہے وہ ہر بار گرادے اسے چار کلو قیمہ رکھ کر ساری گائے بانٹ دی۔ انیلا کامیابی مبارک ہو تمہاری پانی کی کمی کا اسم پڑھتی رہتی ہوں، اب طبیعت کیسی ہے شعاع سروے میں تصویر تمہاری تھی کیا بہت پیاری سی صغریٰ شہزادی کے ابو کو دعائے صحت جڑانوالہ میں کس جگہ رہتی ہو تم تو مل بھی سکتی ہو اگر چاہو تو آخر میں فریدہ فری کی اداسیوں کے نام نظم۔

فریدہ نہ یوں پال اداسی
کردے گی بے حال اداسی
سارے غم تو مجھ کو دے دے
کردوں گی خوش حال اداسی
نقلی گھر یہ اصلی وہ ہے
محشر تک سنبھال اداسی
کاش میں تیرے دل میں آ کر
دل سے دوں نکال اداسی
دعاؤں کا پند لے کر کر آئی
سودا کی سر تال اداسی

کوثر خالد سودا..... فیصل آباد

حجاب کی کلیوں

السلام علیکم کیا حال ہیں؟ حجاب کی پیاری کلیوں مدیحہ نورین، صباء زرگر، صائمہ مشتاق، فائزہ بھٹی، گل مینا اینڈ حسینہ ایچ، دلکش مریم، شزا اور تمنا بلوچ، نورین انجم، جاذبہ عباسی، جویریہ وسمی، کوثر خالد، انیلا طالب، طیبہ نذیر، طیبہ خاور، رحمہ ثانی، سحر تبسم، حرا قریشی، اریشہ راج، حفصہ نور، لیلیٰ رب نواز، فوزیہ سلطانہ، اریبہ شاہ، پارس شاہ، رداز رگر، عاصمہ بی، سمیرا سواتی، حنا کنول، مدیحہ کنول ہر شب اور ارقا اعوان، عائشہ پرویز صغریٰ شہزادی، کرن شہزادی، حنا اشرف، ارم کمال، ثناء رسول سب کیسی ہیں دعائیں۔ حنا ارشد، شازیہ ہاشم، انعم خضر آپ تینوں سے بات کر کے بہت اچھا لگا آپیوں آپ لوگوں سے بات کر کے ایسا لگا جیسے ہم لوگ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں حنا آپی، شازیہ آپی، انعم خضر اور وقاص عمر آپ چاروں کو خلوص بھرا سلام اور ساتھ میں نیک تمنائیں اور دعائیں آپ لوگوں کے نام۔ خدا آپ لوگوں کی ہر جائز خواہش قبول فرمائے، آپ لوگوں کے مقدر اچھے بنائے آمین۔ اسی طرح ہنستے مسکراتے رہیں شکریہ۔

نجمہ نذیر..... ڈیرہ غازی خان

نئی آمد کے نام

السلام علیکم ہاں جی اس بار نئی آمد کے نام یہ پیغام ہے ارے بھئی نئی آمد سے مراد اس سال ہونے والی نئی نسل سمجھ تو گئے ہوں گے ناں ماشاء اللہ ننھیال اور ددھیال میں کزنز کی تعداد کافی مقدار میں ہے آہم آہم آہم، اور آئے دن پھوپو یا خالہ بننے کا شرف حاصل ہوتا ہے ماشاء اللہ پہلے ابرش ہوئی گول مٹول منہ والی گوری چٹی بلی بلی آنکھوں والی اس کی میں خالہ بھی ہوئی اور پھوپو بھی پھر اذان علی ہو، جس کی میں خالہ ہوں گوارا اور بلا سا ہی ہی ہی، پھر آئی پیاری کٹوسی میرب کی بہن جس کا نام ابھی رکھا ہی نہیں اس کے علاوہ تین فرشتے ہیں جن کا نام ابھی رکھنا باقی ہے، اللہ سب کو صحت و تندرستی دے اور یونہی کھلکھلاتے رہیں یہ پیغام اس لیے کہ آئے دن نیو بے بی کے ساتھ واٹس اپ اسٹیٹس لگاتی ہوں، صبا کہتی ہیں روز، روز ہی مبارکباد ہاں جی دیکھ لو پھر وڈی ساری فیملی ہونے کے فائدے (ہاہاہاہاہا) اریشہ راج شکریہ تعریف کے لیے شازیہ ہاشم دعا کے لیے بہت شکریہ باقی سب کو سلام۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

سوئٹ میم صبا کے نام

السلام علیکم امید ہے میم جی مزاج بخیر ہوں گے سب سے پہلے تو یہ کہ میم جی آپ کو شادی کی بہت بہت مبارکباد ہو اللہ آپ کی زندگی کو خوشیوں اور دائمی مسرتوں سے بھر دے اور ہمیشہ قائم رکھے۔ حجاب کے ذریعے سے پنی پیاری میم کو ان کی خوشیوں کی مبارک دینے کا خیال دل کو سرشار کر گیا۔ آنچل و حجاب یونہی ہماری خوشیوں کا مرکز بنا رہے آمین آخر میں میم انساء، میم عائشہ، سر عمران، سر منصور اور باقی میرے سب ٹیچرز کو بھی بہت سارا احترام و سلام آئی ٹی گروپ کو سلام اقرا نعیم اسماء، نائلہ، ثمن ساری چڑیلوں کو بھی سلام اللہ سب کی زندگیوں کو خوشیوں اور راحتوں کے موسم نوازے آمین اب اجازت اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ..... چیچہ وطنی

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

لیمن گراس اور اس کے تیل کے فوائد

یہ جڑی بوٹی بڑے کام کی چیز ہے لیمن گراس کا نباتاتی نام Cymbopogon ہے۔ براعظم ایشیاء افریقہ اور آسٹریلیا کے قرب وجوار میں کاشت ہوتا ہے۔ ادویات کے غذائی استعمال کے لیے موزوں ہے۔ لیمن گراس کے پودے کی لمبائی تین فٹ تک بڑھتی ہے جبکہ اس کے پتوں کے تیل کا رنگ بھورا مائل زرد اور سرخی مائل بھورا ہوتا ہے

فوائد

یہ موٹاپے پر قابو پانے کے لیے معاون ہے۔
ہاضمے کی خرابیوں کو دور کرتا ہے۔
کولیسٹرول کی سطح کو برقرار رکھتا ہے۔
اعصابی اور عضلاتی مدافعتی نظام کو تقویت دیتا ہے۔
اس سے بخار میں افاقہ ہوتا ہے۔
تیزابیت اور فاسد مادوں کا اخراج کرتا ہے۔
یہ اینٹی کینسر سبزی ہے۔
اینٹی سپٹک یعنی جراثیم کش خصوصیات پر مبنی ہے۔
یہ موثر ترین اسکن ٹانک ہے۔

لیمن گراس کا تیل کیل مہاسوں، پیروں کی متعدد بیماریوں اور متعدد جلدی امراض خاص کر جانوروں کے کاٹنے سے پیدا ہونے والے آبلوں کے لیے بے حد مجرب سمجھا جاتا ہے۔ اگر وائٹ اور بلیک ہیڈز صاف نہ ہوتے ہوں تو چند قطرے تیل میں اتنی ہی مقدار میں عرق گلاب ملائیے اور روئی کے پھوئے کی مدد سے متاثر جلد کو تین سے چار مرتبہ صاف کرنے سے یہ شکایت جاتی رہتی ہے۔

عضلات مضبوط بنائیے

بھاری وزن اٹھانے سے یا غلط طریقے سے وزن اٹھا لینے سے عضلات میں کھنچاؤ اور درد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ عام طور پر فزیوتھراپسٹ بھی چند ایسی مشقیں کراتے ہیں جن میں پہلے تیل لگا کر دائرے میں گھمانے سے عضلات نرم پڑتے ہیں، تھکن زائل ہوتی ہے اور ٹشوز بھی فعال رہتے ہیں۔

لیونڈر کے سات

چند قطرے لیمن گراس لے کر تھوڑی سی مقدار لیونڈر ایز نشل آئل شامل کر لیں اسے سر درد کی کیفیت میں ماتھے پر لگانے سے افاقہ ہوتا ہے۔ خاص کر ایسے امراض جن میں درد کش ادویات سے مکمل پرہیز کرنا بتایا جاتا ہے۔ وہ آئل کے بیرونی استعمال سے مستفیض ہو سکتے ہیں مگر سادہ ایز نشل آئل کو براہ راست جلد پر لگانا مضر ثابت ہوتا ہے ایسا کبھی بھی نہ کیجیے۔ البتہ ایز نشل آئل کو پانی میں ملا کر کمروں کی بو دور کرنے اور مہک بڑھانے کے لیے اسپرے کی شکل میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

دیگر استعمال

لیمن گراس کے ان ہی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے صابن سازی کی صنعت سے لے کر کاسمیٹکس اور پرفیومز تک میں اسے بطور خوشبو اور جراثیم کش خصوصیات کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے اور تو اور لیمن گراس کے تیل کو حشرات خاص کر مچھروں کے کاٹے سے بچاؤ کے لیے تیار کیے جانے والے محلول میں بھی شامل کیا جاتا ہے۔

شہد کھائیں تندرستی پائیں

شہد ایک قدرتی معجزاتی میٹھا ہے۔ یہ شہد کی مکھیوں کے پھولوں کے رس چوسنے کے بعد بننے والا ایک صحت مند قدرتی میٹھا ہے۔ جو نہایت مفید اور غذائیت و صحت بخش ہے۔ پھولوں کا رس شہد کی مکھیوں کے لعاب سے مل کر شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بعد میں شہد کی مکھیاں اس کو چھتے میں محفوظ کر لیتی ہیں۔ اس کے بعد انسان ان کو چھتے سے نکال کر اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ شہد عام کیمیکل چینی اور میٹھے کا ایک بھرپور صحت بخش اسمول نعم البدل ہے۔ اس کے بے شمار قدرتی فوائد ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

بچوں کی کھانسی

شہد کا استعمال بچوں کا بلغم کی وجہ سے سینہ جم جانے کی صورت میں عموماً نیم گرم پانی میں ڈال کر کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کی کھانسی کو بے حد آرام آ جاتا ہے۔ بچوں اور بڑوں کو عموماً رات کو سوتے میں کھانسی کی شکایت ہو جاتی ہے چونکہ نظام تنفس میں خرابی کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا اس سلسلے میں کھانسی کو رفع کرنے کے لیے شہد کا استعمال کسی بھی دوا کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ شہد میں اینٹی بیکٹیریا، اینٹی وائرس اور اینٹی فنگلز کی

موجودگی اس کی کئی بیماریوں کا مقابلہ کرنے میں موثر ثابت کرتی ہے۔

زخم اور جلے ہوئے کے لیے:

اکثر و بیشتر کسی زخم پر یا جلی ہوئی جگہ پر کسی اور علاج سے بہتر شہد کا استعمال رہتا ہے۔ یہ نہ صرف زخموں وغیرہ کو ٹھیک کرتا ہے بلکہ اینٹی بیکٹیریا اور اینٹی وائرس عناصر کی موجودگی زخموں کو خراب ہونے اور گلنے سڑنے سے بھی بچاتی ہے۔

اینٹی آکیڈنٹس:

روزانہ شہد کا ایک چمچ آپ کے جسم میں اینٹی آکیڈنٹس کو بڑھنے سے روکتا ہے اور اس طرح آپ دیگر بے شمار لاحق ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

کھلاڑیوں کی کارکردگی:

خالص شہد سخت محنت اور کھیل کود کرنے والے کھلاڑی حضرات کے لیے کسی بھی دوسری نشاستہ دار غذاؤں سے کہیں زیادہ قوت بخش اور صحت مند غذا ہے۔ ایسے افراد کے لیے خاص شہد کا استعمال جسم میں انرجی اور قوت کی سطح کو کم ہونے سے بچاتا ہے اور اس کو نارمل سطح پر رکھتا ہے۔

نیم سے علاج

نیم کا درخت جا بجا نظر آتا ہے۔ یہ سدا بہار اور چھتنار درخت ہے، جس کے پتے بہت کڑوے ہوتے ہیں۔ یہ تقریباً پوری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ نیم کی چھال، بیج، لکڑی اور پتے بہت مفید ہوتے ہیں۔ نیم کا تیل بھی بہت فائدہ مند ہے۔ ذیل میں آپ کو نیم کے استعمال کے مختلف طریقے بتائے جا رہے ہیں، تاکہ آپ بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

کیل مہاسوں اور جلدی امراض کے لیے

نیم میں بہترین قسم کی جراثیم کش خاصیت پائی جاتی ہے۔ نیم کے پتوں کے رس میں ایلوویرا کے پتوں کا گودا ملا کر چہرے پر لیپ کریں۔ بیس منٹ بعد سادے پانی سے دھو لیں۔ ہفتے میں تین بار چہرے پر یہ لیپ کرنے سے کیل مہاسے اور دانے ختم ہو جاتے ہیں۔ نیم کی کونپلیں اور نیم پتولیاں اچھی طرح دھو لیں۔ پھر انہیں پیس کر مصری کے سفوف میں ملا لیں۔ اسے روزانہ آدھا چمچہ کھانے سے خون صاف ہو جاتا ہے اور جلدی امراض بھی دور ہو جاتے ہیں۔ نیم کے پتوں کو ابال کر ٹھنڈا کر لیں اور اس پانی سے نہائیں تو جلدی امراض جیسے خارش، خشکی اور دانوں وغیرہ سے نجات مل جاتی ہے۔ نیم کے خشک پتوں کے سفوف میں تھوڑا سا صاف پانی ملا کر لیپ بنا لیں۔ اسے دانوں پر لگانے سے دانے کافی حد تک کم ہو جاتے ہیں۔

جوؤں اور خشکی کے لیے

مائیں بچوں کے بالوں میں جوئیں پڑ جانے سے بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت حال میں انھیں چاہیے کہ وہ نیم کے پتوں کو پیس کر اس میں نیم گرم پانی ملا کر گاڑھا لیپ بنا لیں۔ پھر سر کی جڑوں میں اچھی طرح لگائیں۔ آدھے گھنٹے بعد سر دھو لیں۔ جوؤں سے نجات مل جائے گی۔ اس عمل کو ہفتے میں دوبار باقاعدگی سے کریں۔ اس کے علاوہ سر کی خشکی ختم کرنے کے لیے ناریل کے تیل میں نیم کے چند پتے ڈال کر جلا لیں۔ پھر ٹھنڈا کر کے چھان لیں اور شیشے کی بوتل میں محفوظ کر لیں۔ ہفتے میں دو بار اس تیل سے مالش کریں، سر کی خشکی ختم ہو جائے گی اور بال بھی مضبوط ہو جائیں گے۔

مسوڑھوں اور دانتوں کے لیے

دانتوں اور مسوڑھوں کی صفائی اور مضبوطی کے لیے نیم کی چھال اور مسواک کا باقاعدگی سے استعمال کریں۔ اس طرح دانتوں اور منہ کی تکالیف سے مکمل نجات مل جائے گی۔ دانت اور مسوڑے صحت مند اور مضبوط ہو جائیں گے۔

کیڑوں اور جراثیم کا خاتمہ

نیم کے پتے جراثیم کش ہوتے ہیں، اس لیے یہ کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ کر کے اشیا کو جراثیم سے پاک کر دیتے ہیں۔ عام طور پر سردیوں میں ٹھنڈے اور گرمیوں میں گرم ملبوسات سوٹ کیس اور ٹرنکوں میں رکھ دیے جاتے ہیں۔ اگر ان سوٹ کیس اور ٹرنکوں میں خاکی رنگ کا کاغذ بچھا کر ان کے نیچے نیم کے خشک پتے رکھ دیں اور اوپر ملبوسات جما دیں تو وہ کیڑا لگنے سے محفوظ رہیں گے۔ اسی طرح نیم کے پتوں کو ابال کر اس پانی سے پورے گھر میں اسپرے کیا جائے یا پونچھا لگایا جائے اور باورچی خانہ دھویا جائے تو کیڑے مکوڑوں اور جراثیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

نیم کی کونپلوں، نمبولیوں اور پتوں کا حصول آسان ہے، اس لیے ان سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔